بحث و تحقیق، سیرت و تفسیر، سلوک و احسان اور تصوف و کشف
کے حقائق و معارف پر مشتمل نادر رسائل کا حسین گلدستہ

معارفِ بہلوی

جلد چہارم

تالیف

قطب الارشاد حضرت مولانا محمد عبد اللہ بہلوی قدس سرہ



ترتیب و تسہیل

مولانا سعید احمد جلالپوری

مکتبہ لدھیانوی

بحث و تحقیق، سیرت و تفسیر، سلوک و احسان اور تصوف و تکشف
کے حقائق و معارف پر مشتمل نادر رسائل کا حسین گلدستہ

معارف بہلوی

تالیف

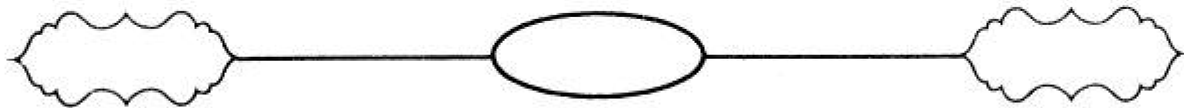
قطب الارشاد حضرت مولانا محمد عبد اللہ بہلوی قدس سرہ

جلد چہارم

ترتیب و تسہیل

مولانا سعید احمد جلالپوری

مکتبہ لدھیانوی



نام کتاب: ـــــــــ معارفِ بہلویؒ

تالیف: ـــــــــ حضرتِ اقدس مولانا محمد عبداللہ بہلوی قدس سرہٗ

ترتیب وتسہیل: ـــــــــ مولانا سعید احمد جلال پوری صاحب

تاریخِ اشاعت: ـــــــــ جولائی ۲۰۰۶ء

قیمت: ـــــــــ

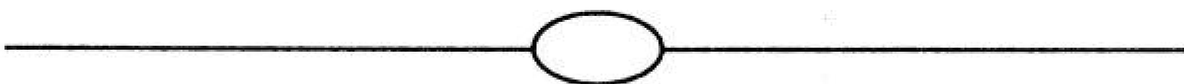
ناشر: ـــــــــ مکتبہ لدھیانوی

18- سلام کتب مارکیٹ، بنوری ٹاؤن، کراچی

برائے رابطہ: ـــــــــ جامع مسجد باب رحمت

پرانی نمائش، ایم اے جناح روڈ، کراچی

فون: 2780337 - 2780340



اجمالی فہرست

الوفاء بعہد الاولیاء یعنی سالکین سے لئے گئے وعدے ۳۱

فوائد مہماتِ تصوّف و دفعِ مغالطات یعنی تصوف کے اہم اُمور اور مغالطوں کا ازالہ ۷۵

آداب الذکر واقسام الفکر یعنی ذکر کے آداب اور غور وفکر کی اقسام ۱۳۳

انکشاف الاحوال والاوہام یعنی احوال و اوہام کا انکشاف ۱۵۵

التنبیین فی ہمزات الشیاطین یعنی شیطانی مغالطوں کا بیان ۱۷۳

مکائدِ شیطان یعنی شیطانی مکر وفریب ۲۰۱

صبغۃ اللہ، طبِ رُوحانی یعنی خدائی رنگ ۲۷۳

التجلی فی الانوار والتجلی یعنی انوار وتجلی کی حقیقت ۳۳۳

عمدۃ الاذکار فی علاج قلوب الابرار یعنی ابرار کے قلوب کا علاج ۳۵۵

ضرورۃ الشریعۃ والطریقۃ ۵۰۱

فہرست

الوفاء بعہد الاولیاء ۳۱

یعنی سالکین سے لئے گئے وعدے

بھول چوک پر سزا ۳۵
وہ عہد جو مشائخ مریدوں سے لیتے ہیں ۳۶
عادل کی کنیت ۳۷
متواضع صحیح کی چند علامات ۳۷
ہر طعن وتشنیع کو برداشت کرے ۳۸
صفاتِ خبیثہ، حجابات کا ذریعہ ۳۹
دوئی مٹنے کی علامات ۳۹
جماعت سے پہلے نہ آئیں ۳۹
عہدہ داروں کے لئے دِل سے دُعا کریں ۴۰
مسلمانوں کے ساتھ نرم رہیں ۴۱
حرام کلام وطعام سے بچنے کا حکم کریں ۴۱
مناظرہ ومباحثہ نہ کریں ۴۲
دُشمن سے بھلائی کریں ۴۲
اپنے آپ کو کم تر سمجھے ۴۲
پختہ ہونے کی علامت ۴۳
طالب کو پوری محبت کے بعد بیعت کریں ۴۳

شیخ سے نفع لینے کی شرط ۴۳
دُنیا کی کسی چیز میں جھگڑا نہ کریں ۴۴
مسجد کی خدمت کریں ۴۵
ظالمین، فاسقین کے ہدایا قبول نہ کریں ۴۵
شیطان سے ہر وقت ڈرنا ہے ۴۵
ایثارِ نفس سے پہلے بڑوں اور مشائخ کے ساتھ ایک برتن میں نہ کھائے ۴۶
علماء اور صوفیہ کی بُرائی کرنے والوں کو خوب جواب دیں ۴۶
لوگوں سے تعلقات نہ بڑھائیں، عملِ تعویذ میں نہ بڑھیں ۴۷
قرض سے سبکدوش ہوں ۴۸
دُنیا کی لذّات و رونق میں نہ پڑیں ۴۸
مزارعین کی زیادہ رعایت کرے ۴۹
اپنا ظاہر و باطن یکساں کریں ۴۹
مرید کو توجہ سے مجبور نہ کریں و حقیقتِ توجہ ۴۹
آبروریزی کرنے والے سے میل جول کم کریں ۵۰
تمام اعمال و معاملات میں توحید حاصل کریں ۵۰
شیخ میں جو عیب نظر آئے اس کو اپنا عیب سمجھیں ۵۱
ما سوا اللہ کی محبت دِل میں جمع نہ ہونے دیں ۵۲
مطالب و مفاہیمِ قرآن میں احتیاط ۵۲
حقوق اللہ اور حقوق العباد پر ہمیشہ نظر رکھیں ۵۲
دوست و دُشمن کی پہچان ۵۳
نرمی سے بات کریں ۵۳

بدگمانی سے بچیں........	۵۴
مشہور مہمان نواز کے پاس قیام نہ کریں........	۵۴
عمل میں کوتاہی کی علامات........	۵۴
دُنیادار لوگوں سے دوستی نہ کریں........	۵۶
بڑا بن کر نہ رہیں........	۵۷
مقاماتِ عالیہ کی تحصیل کی ترغیب........	۵۷
دِین والے کو نصیحت اور اسلام کی تبلیغ و نصرت کی وجہ........	۵۸
مجرم پر رحمت نہ ہونی چاہیے........	۵۸
عقیقے میں شریک نہ ہوں........	۵۹
عرس میں شرکت نہ کرنا چاہیے........	۵۹
مشتبہ جگہ کی دعوت قبول نہ کرنا........	۶۰
میں اسی ظلم کے لائق تھا........	۶۱
سائل کو واپس نہ کریں........	۶۱
ممتاز ہوکر نہ رہیں........	۶۲
اللہ تعالیٰ کی جانب کو اپنی جانب پر ترجیح دیا کریں........	۶۲
سیّد کی عزّت........	۶۲
بیعت کی شرائط........	۶۳
بیعت کے بعد شیخ پر لازم ہے........	۶۳
پیر بھائی کی زیارت........	۶۴
یادداشت کا طریقہ........	۶۴
مصیبت زدہ کی حاجت روائی ضرور کریں........	۶۴

حکومت میں دخل نہ دیں ۶۵
مجامعت کے بعد بغیر غسل نہ سویا کریں ۶۵
مجلسِ ذکر کی حمایت ۶۶
طعن کرنے والے کو نصیحت ۶۶
ان راتوں میں کم سویا کریں ۶۶
نفس کے باریک مکر کو خوب سوچیں ۶۷
طاعت کرنے سے حق ادا نہ سمجھیں ۶۷
مدح کرنے والوں کو روکیں ۶۷
مدح کرنے والے کو نرمی سے سمجھائیں ۶۸
خادمِ مسجد سے دُشمنی نہ کریں ۶۸
اذکار سلسلۂ قادریہ رضی اللہ عنہم ۷۰
سبق ۱... ذکرِ قلبی ۷۱
سبق ۲... ذکرِ رُوحی ۷۱
سبق ۳... ذکرِ سری ۷۱
سبق ۴... ذکرِ نفسی ۷۱
سبق ۵... ذکرِ خفی ۷۱
سبق ۶... ذکرِ اخفیٰ ۷۱
سبق ۷... پاس انفاس ۷۲
سبق ۸... ذکرِ ارّہ ۷۲
سبق ۹... مراقبہ سبع صفات ۷۲
سبق ۱۰... سلطان الاذکار ۷۲

سبق ۱۱...نفی اثبات ۷۳

سبق ۱۲... مراقبہ نورانی ۷۳

دیگر اسباق و مراقبات ۷۳

فوائد مہماتِ تصوّف و دفعِ مغالطات ۷۵

یعنی تصوف کے اہم اُمور اور مغالطوں کا ازالہ

تصوّف کیا چیز ہے؟ ۷۹

تصوّف کے بغیر مسلمان، کامل مسلمان نہیں رہ سکتا! ۸۰

ایک مغالطے کا ازالہ ۸۱

دُوسرا مغالطہ ۸۲

کثرتِ ذکر ۸۵

ذکر اللہ کے مراتب ۸۷

ذکر کے درجات ۸۷

محبوب سے تعلق کے درجات ۸۸

قلب کا جاری ہونا، ایک مغالطے کا ازالہ ۸۹

دوسرے مغالطے کا جواب ۹۰

مشائخِ کرام کے لئے ۹۰

شیخ کیسا ہونا چاہئے؟ ۹۱

پیر و مرید کی حیثیت طبیب و مریض کی سی ہے ۹۲

مغالطے کا ازالہ ۹۲

شیخِ کامل کی پہچان ۹۳

رسمی بیعت ضروری نہیں	٩٤
تعلیم و تربیت کے لئے ضروری چیزیں	٩٤
رُوحِ سلوک	٩٧
ریاضت سے رذائل کا استیصال نہیں ہوتا	٩٧
بیعت و ارادت	٩٩
بیعت کی حقیقت	٩٩
ضرورتِ پیر و مرشد	٩٩
محبت و اِتباعِ شیخ	١٠١
صحبتِ شیخ	١٠١
وحدتِ شیخ	١٠٢
محبت قائم رکھنے کا طریقہ	١٠٣
دفع مغالطات	١٠٣
عشق و محبت	١٠٥
"اَشَدُّ حُبًّا لِلّٰہِ" میں کون سی محبت مراد ہے؟	١٠٦
محبت بڑھانے کا طریقہ	١٠٧
مغالطوں کا ازالہ	١٠٨
تصوّف کی باطنیت	١٠٩
اخفاء کی وجہ	١٠٩
علمِ شریعت افضل ہے یا علمِ باطن؟	١١١
ایک مغالطہ	١١٣
دُوسرا مغالطہ	١١٣

وحدۃ الوجود کے متعلق مغالطے کا جواب ۱۱۴
وجود و شہود کا اصطلاحی فرق ۱۱۵
عینیت کے معنی ۱۱۶
وحدتِ وجود کے قول سے چارہ نہیں ۱۱۸
توحید ذات، صفات اور افعال میں مغالطے کا جواب ۱۱۹
علمی وحدۃ الوجود سے قربِ مطلوب حاصل نہیں ہوتا ۱۲۰
قربِ خداوندی اور اتصال کا مطلب ۱۲۰
قربِ مطلوب کیا ہے؟ ۱۲۱
جنت بھی مطلوب بالذات نہ ہو ۱۲۱
قرب، کمالِ دین کا نام ہے ۱۲۲
درجۂ کمال کے تین اجزا ہیں ۱۲۳
عبدیت ۱۲۴
تفویض و دُعا کے متعلق مغالطے کا جواب ۱۲۵
حیاتِ طیبہ ۱۲۷
اصل راحت قلب کی راحت ہے ۱۲۷
عافیت اور اطمینان کے دُشمن ۱۲۹
اصول الوصول اور ضوابطِ سالک میں فائدۂ عجیبہ ۱۲۹

آداب الذکر واقسام الفکر ۱۳۳
یعنی ذکر کے آداب اور غور و فکر کی اقسام

فنا کی اقسام ۱۳۸

توحید کی چار اقسام.......... ۱۳۹
ذکر کے آداب.......... ۱۴۰
سنن ومستحباتِ ذکر.......... ۱۴۲
ذکر کے بعد کے آداب.......... ۱۴۶
ذکر اور فکر میں سے کون افضل ہے؟.......... ۱۴۸
فائدہ.......... ۱۴۹
دُرود شریف.......... ۱۵۱
تتمہ رسالہ آداب الذکر.......... ۱۵۲
انکشاف الاحوال والاوہام ۱۵۵
یعنی احوال واوہام کا انکشاف
بعض واقعاتِ انکشافیہ کی تشریح وفوائد.......... ۱۵۸
انکشافات کی تشریح.......... ۱۵۹
انکشافات والوں کی علاماتِ صحت.......... ۱۶۰
مرشد کی ضرورت.......... ۱۶۱
انوار پر غرّہ نہ ہونا چاہئے.......... ۱۶۱
حجاباتِ نورانیہ زیادہ مضر ہیں.......... ۱۶۳
شبہ کا جواب.......... ۱۶۴
راہِ سلوک میں ابتدا وانتہا.......... ۱۶۵
"النهاية هي الرجوع الى البداية" کا مطلب؟.......... ۱۶۶
ترقی کی نہایت ہے یانہیں؟.......... ۱۶۷

فنا کامل آنی ہوگی یا زمانی.......... ۱۶۷
ظلوم وجہول کا مطلب.......... ۱۶۸
نماز بے خطرہ کب ہوگی؟.......... ۱۶۹
فنا سالک کو ہوتی ہے یا مطلوب کو؟.......... ۱۶۹
سالک کو موت یعنی فنا فی اللہ کے بعد وصل ممکن ہے یا نہیں؟.......... ۱۷۰

التبیین فی ہمزات الشیاطین ۱۷۳

یعنی شیطانی مغالطوں کا بیان

فصلِ اوّل.......... ۱۷۶
فصلِ دوم: خواطرِ ملکی وحقی.......... ۱۷۷
فصلِ سوم: دجلات وملمع شدہ وساوس.......... ۱۷۸
فصلِ چہارم: صوفیوں اور پیروں کے لئے دجل وفریب.......... ۱۷۹
فصلِ پنجم: اجابتِ دُعا مقبولیت کی علامت نہیں.......... ۱۸۱
اچھا خواب آنا نعمت ہے.......... ۱۸۲
فصلِ ششم: حسن پرستی کا وسوسہ.......... ۱۸۳
فصلِ ہفتم: ملفوظات ومثنوی وغیرہ کے متعلق شیطانی مغالطہ.......... ۱۸۳
فصلِ ہشتم: توحید وجودی اور اس میں مغالطہ.......... ۱۸۵
فصلِ نہم: بزرگانِ اہلِ قبور سے استفادہ میں دھوکا.......... ۱۸۷
فصلِ دہم: ''غفور رحیم'' کے لفظ سے شیطان کی فریب کاری.......... ۱۸۹
فصلِ یازدہم: صوفیائے کرام کے مجاہدات میں دھوکا دہی.......... ۱۹۰
فصلِ دوازدہم: سماعِ سرود میں شیطانِ لعین کی دھوکا دہی.......... ۱۹۳

فصلِ سیز دہم: تعلیم متعلّم میں شیطانِ رجیم کی دھوکا دہی ۱۹۴
فصلِ چہاردہم: قرآن مجید اور حدیث کے سوا دُوسرے علم کو ذریعہ نجات سمجھنا ۱۹۵
فصلِ پانزدہم: چندہ وصول کرنے میں اور زکوٰۃ کے مال میں مغالطہ ۱۹۷
فصلِ شانزدہم: اموالِ یتامیٰ میں شیطانی دھوکا ۱۹۹

مکائدِ شیطان یعنی شیطانی مکر وفریب ۲۰۱

تمہید ۲۰۴
بابِ اوّل: سنت و جماعت کو لازم پکڑنے کی تاکید ۲۰۷
بابِ دوم: بدعتیوں کی مذمت میں ۲۰۹
متصوّفین کی غلطی ۲۱۲
بابِ سوم: ابلیس کے مکر وفریب سے ڈرانا ۲۱۴
اغوائے شیطانی کے اسباب ۲۱۵
بابِ چہارم: شیطان کے مکر و اغوا کا معنیٰ؟ ۲۱۶
بابِ پنجم: عقائد و دیانات میں مکر ۲۱۸
ملحدین کی خفیہ تدبیریں ۲۱۹
روافض کے بعض حالات ۲۲۰
بابِ ششم: علماء کو فنونِ علم میں دھوکا ۲۲۲
قاریوں کو دھوکا ۲۲۲
اغلاط کی مختصر تشریح ۲۲۳
محدثینؒ وفقہاءؒ کی بعض اغلاط ۲۲۶

واعظوں اور قصہ گولوگوں کے لئے تلبیس ۲۲۸
عالم و متعلّم کے لئے ابلیسی دھوکا ۲۳۰
شعراء کے متعلق ۲۳۱
علمائے کرام کے لئے دھوکا دہی ۲۳۱
بابِ ہفتم: سلاطین کے لئے تلبیس ۲۳۳
بابِ ہشتم: عابدوں کی عبادت میں شیطانی دھوکا ۲۳۵
بابِ نہم: زاہدوں کے زُہد میں اغوائے شیطانی ۲۳۸
بابِ دہم: صوفیوں کی اغلاط ۲۴۱
متصوّفین کی بعض اغلاط ۲۴۳
لباسِ شہرت ۲۴۷
سماع اور رقص کے بارے میں اغلاط ۲۴۸
آج کل کے صوفیہ کے عجائبات ۲۵۲
تنہا اور بغیر اسباب کے سفر کرنے میں اغلاط ۲۵۵
اُمید کے متعلق ۲۶۳
بابِ یازدہم: مشابہ کرامت کو ولایت سمجھنا ۲۶۴
بابِ دوازدہم: عوام پر تلبیس ۲۶۶
ضروری گزارش ۲۶۹
عرض ۲۶۹
مجدّد الملّت حکیم الاُمت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب قدس سرہٗ
کی چند وصیتیں اور مشورے ۲۷۱

صبغۃ اللہ، طبِ رُوحانی یعنی خدائی رنگ ۲۷۳

تصوّف کی تعریف.. ۲۷۵

ولایت ونسبت.. ۲۷۵

تطہیر الظاہر کے دس اُصول.. ۲۷۶

ا...نماز.. ۲۷۶

۲...زکوٰۃ، خیرات.. ۲۷۶

۳... روزہ.. ۲۷۷

روزہ کی تین قسمیں.. ۲۷۸

۴... حج.. ۲۷۹

۵...تلاوت وآدابِ تلاوت.. ۲۷۹

تلاوت کے ظاہری آداب.. ۲۷۹

تلاوت کے باطنی آداب.. ۲۸۰

۶... ذکرِ الٰہی.. ۲۸۰

ذکر کے لئے ایک مغز اور تین پوست.. ۲۸۱

۷...طلبِ حلال.. ۲۸۱

تقویٰ کے چار درجے.. ۲۸۲

۸...مسلمانوں کے حقوق محفوظ رکھو.. ۲۸۳

۹...اَمر بالمعروف ونہی عن المنکر.. ۲۸۴

۱۰... اتباعِ سنت.. ۲۸۵

تعمیر الباطن کے دس اُصول.. ۲۸۷

۱... کثرتِ اکل وحرصِ طعام ۲۸۷
۲... کثرتِ کلام وفضول گوئی کی ہوس ۲۸۸
فضول جھگڑا کرنا ۲۸۹
۳... غصّے کا بیان ۲۹۰
۴... حسد کا بیان ۲۹۱
۵... بخل اور محبتِ مال ۲۹۲
۶... رعونت، شہرت اور جاہ کی محبت اور اس کا علاج ۲۹۳
۷... دُنیا کی محبت اور اس کا علاج ۲۹۵
۸... نخوت وتکبر اور اس کا علاج ۲۹۵
تکبر کے اسباب ۲۹۶
۹... خود پسندی کا علاج ۲۹۸
۱۰... ریا کا بیان ۳۰۰
ریا کی اقسام ۳۰۱
ریا جلی وخفی ۳۰۳
تعمیر الباطن کے دُوسرے جزو، اخلاقِ محمودہ کی تفصیل ۳۰۴
۱... توبہ کا بیان ۳۰۵
توبہ کی حقیقت اور اقسام ۳۰۷
۲... خوفِ الٰہی کا بیان ۳۰۷
تحصیلِ خوف کا طریقہ ۳۰۷
خوف کی حد ۳۰۸
رجائے مقبول ۳۰۸

۳... زُہد کا بیان ۳۰۸
زُہد کی حقیقت، ثمرہ اور درجات ۳۰۹
زُہد کے اسباب ۳۰۹
۴... صبر کا بیان ۳۱۰
صبر کے درجات ۳۱۱
صبر طاعت ۳۱۲
صبر عن المعصیت ۳۱۲
صبر علی المکارہ ۳۱۲
۵... شکر کا بیان ۳۱۲
شکر کے ارکان ۳۱۳
۶... اِخلاص اور صدق کا بیان ۳۱۴
ایک عمل میں کئی نیتیں ۳۱۵
صدق کے درجات ۳۱۶
۷... توکل کا بیان ۳۱۸
توکل کے ارکان ۳۱۸
۸... محبت کا بیان ۳۲۰
اسبابِ محبت ۳۲۱
۹... رضا بر قضا کا بیان ۳۲۲
معصیت وکفر کی دوحیثیتیں ۳۲۳
۱۰... فکرِ موت کا بیان ۳۲۳
خاتمہ در حسنِ خلق ۳۲۵

شجاعت ۳۲۶
پارسائی ۳۲۶
بداخلاقیوں کا علاج ۳۲۷
سلسلۂ قادریہ کے اسباق ۳۲۹
التجلی فی الانوار والتجلی ۳۳۳

یعنی انوار و تجلی کی حقیقت

انوار کس کس چیز سے پیدا ہوتے ہیں؟ ۳۳۶
انوار کا اعلیٰ درجہ ۳۳۷
مکاشفات اور ان کی اقسام کا مختصر نقشہ ۳۴۰
کشفِ نظری ۳۴۲
کشفِ شہودی (قلبی) ۳۴۲
مکاشفاتِ سری ۳۴۳
مکاشفاتِ رُوحی ۳۴۳
مکاشفاتِ خفی ۳۴۴
تجلیٔ ذات و صفاتِ خداوندی ۳۴۵
تجلیٔ رُوحانی اور تجلیٔ ربانی میں فرق ۳۴۶
تجلیٔ حضرتِ حق دو قسم پر ہے ۳۴۷
تجلیٔ صفات کی قسمیں ۳۴۸
صفاتِ جلال بھی دو قسم کی ہیں ۳۵۰
مکاشفہ اور تجلی میں فرق ۳۵۱

عمدۃ الاذکار فی علاج قلوب الابرار ۳۵۵
یعنی ابرار کے قلوب کا علاج

عقائد ۳۵۸

عبادات ۳۶۰

معاملات ۳۶۰

آدابِ معاشرت ۳۶۳

ولایت اور مقاماتِ سلوک ۳۶۴

اثباتِ رُتبۂ ولایت ۳۶۴

فصل: تحقیقِ ولایت ۳۶۶

ولایت کیا چیز ہے اور وصول الی اللہ کا معنی کیا ہے؟ ۳۶۶

فصل: مدارِ ولایت ۳۶۶

تصوف کی تعریف، موضوع اور غایت ۳۶۸

فصل: تحصیلِ نسبت اور ضرورتِ شیخ و مرشد ۳۶۹

علاماتِ شیخِ کامل ۳۶۹

فصل: ریاضت و مجاہدہ ۳۷۱

مجاہدۂ اجمالی ۳۷۲

مجاہدۂ تفصیلی ۳۷۲

توبہ ۳۷۳

طریقِ تحصیل ۳۷۴

اَحکام ۳۷۴

صبر.. ۳۷۴
شکر.. ۳۷۵
خوف.. ۳۷۶
رَجا.. ۳۷۶
زُہد.. ۳۷۷
توحید.. ۳۷۸
توکل.. ۳۷۹
محبت.. ۳۸۰
شوق.. ۳۸۰
اُنس.. ۳۸۱
رضا.. ۳۸۲
نیت و ارادہ.. ۳۸۲
اِخلاص.. ۳۸۳
صدق.. ۳۸۴
مراقبہ.. ۳۸۵
اخلاقِ ذمیمہ.. ۳۸۶
شہوت.. ۳۸۶
آفاتِ لسانی.. ۳۸۷
غضب.. ۳۸۷
حقد.. ۳۸۸
حسد.. ۳۸۹

حبِ دُنیا.. ۳۸۹
بخل.. ۳۹۰
حرص.. ۳۹۱
حبِ جاہ.. ۳۹۱
رِیا.. ۳۹۲
تکبر.. ۳۹۳
عجب.. ۳۹۴
فصل: آدابِ اُستاذ و پیر.. ۳۹۵
حقوقِ اُستاذ.. ۳۹۵
حقوقِ پیر.. ۳۹۶
فصل: شیخ کا مرید سے برتاؤ.. ۴۰۳
فصل: طریقِ تربیت.. ۴۰۴
فصل: ترتیبِ مراقبات.. ۴۱۰
مراقبہ کی تعریف.. ۴۱۰
مراقبۂ اَحدیت.. ۴۱۳
مراقبات مشارب.. ۴۱۳
مراقبہ لطیفہ قلب، مشربِ آدم.. ۴۱۳
مراقبۂ لطیفۂ رُوح مشربِ ابراہیمؑ و نوحؑ.. ۴۱۵
مراقبۂ لطیفۂ سرّ مشرب موسوی.. ۴۱۶
مراقبۂ لطیفۂ خفی مشربِ عیسوی.. ۴۱۷
مراقبۂ لطیفۂ اخفیٰ مشربِ محمدی.. ۴۱۸
نیت مراقبۂ معیت.. ۴۱۹

توحیدِ وجودی کی تشریح ۴۲۰
مراقباتِ ولایتِ کبریٰ ۴۲۳
نیتِ دائرۂ اُولیٰ ۴۲۹
دائرۂ ثانیہ ۴۳۰
دائرۂ ثالثہ ۴۳۰
مراقبۂ اسم "اَلظَّاھِرُ" ۴۳۱
مراقبۂ اسم "اَلْبَاطِنُ" ۴۳۱
مراقبۂ کمالاتِ نبوّت ۴۳۲
مراقبۂ کمالاتِ رسالت ۴۳۳
مراقبۂ کمالاتِ اولو العزم ۴۳۴
مراقبۂ حقیقتِ کعبہ ربانی ۴۳۵
مراقبۂ حقیقتِ قرآن مجید ۴۳۵
مراقبۂ حقیقتِ صلوٰۃ ۴۳۶
مراقبۂ معبودیت صرفہ ۴۳۷
مراقبۂ حقیقتِ ابراہیمی ۴۳۸
مراقبۂ حقیقتِ موسوی ۴۳۹
مراقبۂ حقیقتِ محمدیؐ ۴۴۰
مراقبۂ حقیقتِ احمدیؐ ۴۴۰
مراقبۂ حب صَرف ۴۴۱
مراقبۂ دائرۂ لاتعیّن ۴۴۱
فصل: توجہ معمولہ حضراتِ نقشبندیہؒ ۴۴۳
تعریفِ توجہ ۴۴۳

طریقِ توجہ	۴۴۳
شرائطِ توجہ	۴۴۳
آدابِ توجہ	۴۴۵
فصل: تعدّدِ پیر	۴۴۵
فصل: نقشبندیہ کے بعض اصطلاحی کلمات	۴۴۷
ہوش در دم	۴۴۷
نظر برقدم	۴۴۷
سفر در وطن	۴۴۸
خلوت در انجمن	۴۴۸
یادکرد	۴۴۸
بازگشت	۴۴۹
نگاہداشت	۴۴۹
یادداشت	۴۵۰
وقوفِ زمانی	۴۵۰
وقوفِ عددی	۴۵۰
وقوفِ قلبی	۴۵۰
فصل: در معارف	۴۵۱
وحدۃ الوجود	۴۵۱
فصل: تنزلاتِ ستہ	۴۵۳
فصل: در بابِ احوال	۴۵۵
قبض و بسط	۴۵۵
اُنس و ہیبت	۴۵۶

وجد اور اُس کے مراتب ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۴۵۶
فرق، جمع اور جمع الجمع ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۴۵۶
تمکین وتلوین ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۴۵۷
فنا و بقا ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۴۵۷
غَیبت وحضور ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۴۵۸
سُکر وصحو ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۴۵۹
محو و اثبات ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۴۵۹
تجلی و استتار ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۴۵۹
فصل: در اِصطلاحات ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۴۶۱
ملامتی وقلندر ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۴۶۱
مجذوب سالک ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۴۶۱
اِتصال ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۴۶۱
وقت ونفس ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۴۶۲
تجرید وتفرید ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۴۶۲
حرِّیت ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۴۶۲
قرب و بُعد ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۴۶۳
خاطر و اقسام ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۴۶۳
وارِد ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۴۶۴
شاہد ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۴۶۴
شطح ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۴۶۵
تمثل ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۴۶۵
خلع ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۴۶۶

بروز....................................	۴۶۶
فارسی کے بعض اصطلاحی الفاظ....................	۴۶۷
تصوّرِ شیخ....................................	۴۷۰
فصل: حجاب کی اقسام اور وقوفِ سالک..............	۴۷۱
فصل: دَر اقسامِ اولیاء........................	۴۷۲
فصل: اصلاحِ اغلاط میں........................	۴۷۳
مسائلِ فرعیہ..................................	۴۷۷
مسئلہ سماع....................................	۴۸۰
تتمہ...	۴۸۲
تحقیقاتِ مفیدہ.................................	۴۸۷
آثارِ سلوکِ ولایت.............................	۴۸۸
آثارِ سلوکِ نبوّت.............................	۴۸۸
تحقیق لطائفِ ستہ..............................	۴۹۱
مقاماتِ لطائف.................................	۴۹۲
ہر لطیفہ کا رنگ...............................	۴۹۲
مراتبِ یقین...................................	۴۹۳
نصیحت...	۴۹۳
وصیت..	۴۹۴
مراقبۂ موت....................................	۴۹۷
ضرورۃ الشریعۃ والطریقۃ	۵۰۱
نبوّت، ولایت سے افضل ہے.......................	۵۰۷

تصوّف کے متعلق عرض	۵۰۹
تصوّف و شریعت ایک دُوسرے کے عین ہیں	۵۰۹
تصوّف کے بغیر کامل مسلمان ہونا مشکل ہے	۵۱۰
باطن کی صفائی وہی معتبر ہے جو اتباعِ شریعت میں ہے	۵۱۱
ضرورتِ شیخ	۵۱۱
اذکار، اشغال اور مجاہدات بدعت نہیں	۵۱۲
بعض اذکارِ صوفیہ کے چند فوائد کا بیان	۵۱۳
بعض معروضاتِ ضروریہ	۵۱۴
خلاصہ و مختصر نقشہ تصوّف	۵۱۶
وحدۃ الوجود	۵۱۸
فنا	۵۱۹
بقا	۵۱۹
اجابتِ دُعا	۵۱۹
فراستِ صادقہ	۵۲۰
رُؤیا صالحہ	۵۲۰
وجد	۵۲۰
تصوّرِ شیخ	۵۲۰
عشقِ مجازی	۵۲۰
سماع	۵۲۱
تصرف	۵۲۱
کشفِ کونی	۵۲۱
کشفِ الٰہی	۵۲۲

وحدۃ الوجود مع السکر ۵۲۲
موانعِ طریق ۵۲۲
فوائدِ مختلفہ ۵۲۳
دُرود شریف کا حکم ۵۲۳
ثمرات مقصود نہیں، صرف رضائے الٰہی مقصود ہے ۵۲۴
مشورہ کی برکت ۵۲۴
تصوّف کا ہر شخص اہل ہے ۵۲۴
مکہ مکرّمہ و مدینہ منوّرہ کی حقیقت ۵۲۵
عبادت کو عنوانِ دُعا سے تعبیر کرنے کا نکتہ ۵۲۵
توحید کی برکت ۵۲۵
دِین بزرگوں کی نظر سے پیدا ہوتا ہے ۵۲۵
قرآن رُونمائے حق ہے ۵۲۶
وحدۃ الوجود کی حقیقت ۵۲۶
فنا و بقا کی تعریف ۵۲۶
عقائد ۵۲۶
عظمتِ حق کا اثر ۵۲۷
بچوں پر زیادتی ۵۲۷
بچوں سے خدمت لینے کا حکم ۵۲۷
فوت شدہ اور لاپتا کے حقوق کی ادائیگی ۵۲۷
دِین کا کمال کس پر موقوف ہے؟ ۵۲۸
دوستوں سے باتیں کرنا بھی عبادت ہے ۵۲۸
نورِ ایمان کی تحصیل کا طریقہ ۵۲۸

احوالِ تصوّف میں بعض ارشادات ۵۳۰
اپنے آپ کو بدترینِ خلائق سمجھنا ۵۳۰
غم کی حکمت ۵۳۰
علومِ مکاشفہ کا درجہ ۵۳۰
کرامت کا رُتبہ ۵۳۱
علومِ کشفیہ کا مطالعہ مضر ہے ۵۳۱
جو کیفیت معصیت کے ساتھ ہو وہ مردُود ہے ۵۳۲
خواب کا درجہ ۵۳۲
حجبِ نورانیہ، حجبِ ظلمانیہ سے اَشد ہیں ۵۳۲
مطلوب، عقلی گِریہ ہے، نہ کہ طبعی گِریہ ۵۳۳
ذکر اللہ اور اس کے متعلقات ۵۳۴
ذکر میں ضرب کا حکم ۵۳۴
تصوّر بوقتِ ذکر ۵۳۴
تصوّر الی السماء کا حکم ۵۳۴
ذکر میں عدمِ لذّت اَنفع ہے ۵۳۴
ذکر میں وضو کا حکم ۵۳۴
ذکر میں جی گھبرانے کے متعلق ۵۳۵
نماز میں ذکر کا حکم ۵۳۵
ذکر اور نماز میں جی نہ لگنے کا علاج ۵۳۵
دُرود شریف ۵۳۶
اللہ اور رسول کا مقصود ۵۳۷
تمام کاموں میں نفس کو مشقت کا عادی بناؤ ۵۳۷

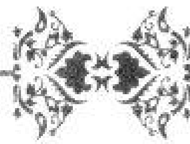
حصولِ نسبت کی حقیقت ۵۳۸
تحصیلِ نسبت کے لئے اکسیر نسخہ ۵۴۰
اختیاری اُمور میں کوتاہی کا علاج ۵۴۱
خلاصۂ تصوّف علم مع العمل ہے ۵۴۱
اصلاحِ رذائل ۵۴۳
دُنیائے مذموم کی شناخت ۵۴۳
حبِ دُنیا کی علامت ۵۴۳
غفلتِ مذموم ۵۴۳
مال کا جمع کرنا مطلقاً خلافِ زُہد نہیں ۵۴۳
حصولِ دُنیا پر فخر کرنے کی مثال ۵۴۴
کسبِ دُنیا مذموم نہیں ۵۴۴
دُنیا کی مثال ۵۴۴
حرصِ مذموم کی شناخت ۵۴۵
حرص کا علاج اور خوشی کا راز ۵۴۵
بخلِ مذموم ۵۴۵
بخیل کی اجازت ۵۴۵
اِسراف سے بچنے کا طریقہ ۵۴۶
حرصِ طعام اور اس کا علاج ۵۴۶
آدابِ طعام ۵۴۶
کثرتِ کلام کی مذمت ۵۴۷
نقصان دہ بات کی شناخت ۵۴۷
معصیتِ لسانی سے بچنے کا طریقہ ۵۴۸

جھوٹ کا عملی علاج ۵۴۸
حبِ جاہ کی حقیقت ۵۴۸
ترقیٔ مروّجہ اور ترقیٔ حقیقی کا فرق ۵۴۹
انفاسِ طیبات اولیائے کرامؒ ۵۵۰
توحیدِ فعلی ۵۵۲
توحیدِ صفاتی ۵۵۳
توحیدِ ذاتی ۵۵۳
چند نکاتِ تصوّف منقولہ از مکاتیب حضرت مجدد الف ثانیؒ ۵۵۷
دُرود شریف ۵۵۷
بڑی چوری ۵۵۷
تجلی دو قسم ہے ۵۵۷
عشق و محبت ۵۵۸
گناہِ کبیرہ ۵۵۸
علم، شہود، معرفت اور حیرت ۵۵۹
اِستغراق و اِستہلاک ۵۵۹
حسن و کمال ۵۵۹
سنت و بدعت ۵۶۰
احوال، مواجید، علوم اور معارف ۵۶۱
مبشراتِ منامیہ ۵۶۲
تتمہ حقوق الزوجین ۵۶۷

الوفا بعهد الاولياء

یعنی

سالکین سے لئے گئے وعدے



قطب الارشاد حضرت مولانا محمد عبداللہ بہلوی قدس سرہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

رَبِّ یَسِّرْ وَتَمِّمْ بِالْخَیْرِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ مُحَمَّدٍ خَتْمِ الْمُرْسَلِیْنَ مُرَادُ الْعَاشِقِیْنَ مُرَامُ الْمُشْتَاقِیْنَ وَعَلٰی اَصْحَابِہٖ وَعِتْرَتِہِ الطَّاہِرِیْنَ الطَّیِّبِیْنَ صَلٰوۃً وَّسَلَامًا دَائِمَیْنِ مُتَلَازِمَیْنِ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ کَمَا یُحِبُّ وَیَرْضٰی، اٰمِیْنَ، اَمَّا بَعْدُ!

جاننا چاہئے کہ ہر مسلمان کو عموماً اور سالکین کو خصوصاً واجب ہے کہ تزکیۂ اخلاق، دُرستیٔ معاملات و معاشرات، پاسِ آداب، انتظامِ اُمور اور مصالحِ عباد کا تمام تر اہتمام کریں۔

تصوف صرف اس کا نام نہیں کہ اَوراد و اَشغال کی کثرت کی جائے، تسبیحیں اور نوافل زیادہ پڑھ لیں، پاسِ انفاس کی مشق بڑھالیں، انوارات و انکشافات ہونے لگیں، دِل جاری ہوجائے، تو بس مدعائے تصوف حاصل ہوگیا۔

حالانکہ تصوف کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ تمام معاملات اور معاشرات میں ہر چیز کا حق ادا ہو، اور وہ آداب بھی، جن کے بعد کسی کو زبان و ہاتھ وغیرہ سے ایذا نہ پہنچے، اور تمام اُمور کا ایسا انتظام ہو کہ تمام اُلجھنوں سے یکسو ہوکر جمعیت و یکسوئی

کے ساتھ مشاہدۂ جمالِ حقیقی نصیب ہو، اور ایسا تزکیہ نصیب ہو کہ دربارِ الٰہی کی پاک جماعت میں شامل ہونے کی قابلیت پیدا ہو، کیونکہ مرتبۂ احسان جس کو حصولِ نسبت کہتے ہیں، خاص صدیقین و اولیائے صالحین کا مقام ہے، بغیر تزکیہ کے ایسی منزہ مجلس میں باریابی کیسے ہوگی؟ ایسے اعلیٰ و برتر مقصد کے لئے جس کے سامنے سلطنتِ ہفت اقلیم گرد ہے:

پس از سی سال ایں نکتہ محقق شد بخاقانی
کہ یک دم باخدا بودن بہ از ملکِ سلیمانی

اور اگر شیخ مرشد اس کے اقوال و افعال پر مؤاخذہ کرے تو یہ نہ کہنے لگے کہ شیخ بہت سخت گیری کرتے ہیں:

گر بہ ہر زخمے تو پر کینہ شوی
بس کجا بے صیقل آئینہ شوی

اگر اس راستے میں قدم رکھنا چاہتے ہیں تو سب سے پہلے کبر اور حبِ جاہ کو فنا کردینا چاہئے، اگر برسرِ راہ جوتیاں بھی ماری جائیں، تو دِل میں تغیر اور پیشانی پر بل نہ پڑے:

ناز پروردہ نہ برد راہ بہ دوست
عاشقی شیوۂ رِندانِ بلاکش باشد
در رہِ لیلیٰ خطرہا است بہ جاں
شرطِ اوّل آن ست کہ مجنوں باشی

عاشق کو اس راہ میں قدم رکھنے سے پہلے سرمد کی یہ رُباعی پیشِ نظر رکھنی چاہئے:

سرمد گلہ اختصار مے باید کرد
یک کار ازیں دو کار مے باید کرد

یا تن برضائے دوست مے باید داد
یا قطعِ نظر زیار مے باید کرد

ترجمہ:...''ہمیشہ گلہ (ریوڑ) مختصر کرنا چاہئے، ان دو کاموں میں سے ایک کام کرنا چاہئے، یا جسم دوست کی رضا میں دینا چاہئے، یا یار سے نظر پھیر لینی چاہئے۔''

اسی بنا پر کتبِ متقدمین ''الدر المنضوذ'' وغیرہ میں سے چند مضامین ان وصیتوں میں سے جو مشائخِ عظام نے اپنے مریدین و معتقدین کو فرمائی ہیں اور جو عہد لئے ہیں، پیشِ خدمت ہیں، جو کچھ بندہ نے صحیح لکھا، وہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہے، اور جن میں غلطی ہوئی، وہ بندہ کی جانب سے ہے، اُمید ہے کہ ان میں ناظرینِ کرام اصلاح کردیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان مضامین کو میرے، میرے احباب اور تمام مسلمانوں کے لئے ذریعۂ نجات بنائے، آمین!

جاننا چاہئے کہ اَحکامِ شرع شریف دو قسم پر ہیں: ۱:...عزیمت، ۲:...رُخصت۔

۱:...عزیمت: اصلی حکم کو کہتے ہیں، جو افضل ہوتا ہے۔

۲:...رُخصت: وہ حکم ہے جس کو شارع علیہ السلام نے بہ لحاظ عذر کے ترک کرنا جائز رکھا ہے، مثلاً: سفر میں اگر مشقت نہ ہو تو روزہ رکھنا عزیمت ہے، اور اِفطار بھی جائز ہے۔ یہ رُخصت ہے، اسی طرح اکثر اوقات میں ذکر اللہ کرنا عزیمت ہے، اور فرائض کے اوقات کے علاوہ آرام کرنا جائز ہے، یہ رُخصت ہے۔

بھول چوک پر سزا:

مشائخ کرام کا قاعدہ ہے کہ مرید سے بغرضِ اصلاح عہد لیتے ہیں کہ ہمیشہ عزیمتوں پر عمل کرے اور رُخصتوں پر عمل نہ کرے، کیونکہ اس میں ترقی نہیں

ہوتی، پس مرید کو چاہئے کہ اعتراض نہ کرے کہ شیخ، اللہ تعالیٰ کی مشروع کی ہوئی چیز سے روکتا ہے۔

اہلِ طریق کا اِجماع ہے کہ جو شخص رُخصتوں کا عادی ہو، وہ طریقِ سلوک میں کامیاب نہیں ہوتا، کیونکہ یہ راستہ محنت، مشقت اور عزیمتوں کے اختیار کرنے کا راستہ ہے۔

اسی طرح یہ بھی قاعدہ ہے کہ مرشد، مرید کو بھول چوک پر سزا دیتے ہیں، اگرچہ خطا پر گرفت ومؤاخذہ اُٹھادیا گیا ہے، مگر اہلِ طریق کہتے ہیں کہ ہمارے طریق میں خطا و نسیان نادر چیز ہے، کیونکہ یہ راستہ بیداری، تیّقظ، احتیاط، فکرمندی، حضورِ قلب اور درگاہِ حق سبحانہ کی طرف توجہ کا ہے، مرید کو ہر وقت متیّقظ، محتاط اور فکرمند رہنا چاہئے۔

وہ عہد جو مشائخ مریدوں سے لیتے ہیں:

عہد:۱:... مرید تمام مسلمانوں سے اپنے آپ کو کم تر سمجھے، اگرچہ وہ شخص ظاہر میں بُرا ہی معلوم ہوتا ہو، کیونکہ ممکن ہے کہ اُس کا خاتمہ ایمان پر ہو، اور اِس کا نہ ہو، یا اللہ تعالیٰ اُس کو معافی دے دے، اور اِس کو نہ دے، یا اِس میں کوئی ایسا عیب ہو جو اُس کے تمام عیبوں سے بڑھ کر ہو، یا برابر ہو، حتیٰ کہ سالک اپنے آپ کو کافرِ فرنگ سے بھی بدتر جانتا ہے۔ اِمامِ ربانی حضرت مجدد الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جب تک سالک اپنے آپ کو کافرِ فرنگ سے بدتر نہ سمجھے، کوچۂ تصوف تک نہیں پہنچ سکتا:

ہر کہ او بر عیب خود بینا شود
رُوح اورا قوّتے پیدا شود

یہی مضمون حضرت فُضیل بن عیاضؒ اور حضرت سفیان ثوریؒ وغیرہم سے منقول ہے۔

عادل کی کنیت:

اہلِ طریق کی اصطلاح میں تواضع میں کامل کا نام عادل ہے، کیونکہ وہ پورا اعتدال کرتا ہے، اور اس کی کنیت ابوالعیون ہوتی ہے، جس کے معنی ہیں: بہت سی آنکھوں والا، کیونکہ ہر چیز دیکھنے کے لئے اس سالک میں ایک خاص آنکھ ہوتی ہے کہ اس کو اُسی آنکھ سے دیکھتا ہے، مثلاً: تواضع خالصاً للہ کی وجہ سے وہ اپنے آپ کو ہمیشہ اپنے ہم نشین کے مقابلے میں بہ نظرِ حقارت دیکھتا ہے، اور جو انعامات و افضالِ خداوندی اس پر ہیں، معیارِ شرعی میں رہ کر وہ کبھی اپنے آپ کو ہر پاس بیٹھنے والے سے بڑھ کر نہیں دیکھتا، اسی لئے تواضع میں کامل (سالک) جامع اضداد ہوتا ہے، اضداد سے مراد وہ صفات ہیں جو ظاہراً کسی میں بیک وقت جمع نہ ہوسکیں، وہ عادل ان کو پوری طرح جمع کر دیتا ہے، مثلاً: تواضع اور شکر، ظاہراً دونوں کا بیک وقت جمع ہونا دُشوار معلوم ہوتا ہے، مگر بلحاظ "وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّکَ فَحَدِّثْ" (الضحیٰ:۱۱) (سالک) شاکر ہے، اور اپنے اعمال پر نظر کرتے ہوئے متواضع بھی ہے۔

متواضع صحیح کی چند علامات:

۱:... تمام مخلوق کی اذیت کو برداشت کرتا ہے، تکلیف کا بدلہ انتقام سے نہیں لیتا، وہ سمجھتا ہے کہ میں اس تکلیف کے لائق تھا۔

۲:... کسی کا اپنی تعظیم کے لئے کھڑا ہونا پسند نہیں کرتا، کیونکہ وہ اپنے کو قیام کا مستحق نہیں سمجھتا۔

۳:... کسی کی مذمت سے دِل گرفتہ نہیں ہوتا، وہ سمجھتا ہے کہ یہ مذمت اور اتہام بجا ہے، میں ایسا ہی ہوں، ہاں! شرعی مصلحت کی بنا پر کبھی اپنی براءت ظاہر کی جاتی ہے، تاکہ آئندہ مذمت و اتہام تبلیغ میں مانع نہ ہو۔

۴:... متواضع مسجد میں تنہا داخل ہونے کی جرأت نہیں کرتا، اس لئے کہ شاہی دربار میں اکیلے جانے کی ہمت کیسے ہو؟ وہاں دُوسروں کے ساتھ لگا لپٹا چلا جاتا ہے، اسی بنا پر بعض مرتبہ سالک کو صفِ اوّل میں کھڑا ہونے کی ہمت نہیں ہوتی، کیونکہ بادشاہ کے قرب کے لئے خاص جماعت ہوتی ہے، وہ مارے ہیبت کے کانپتا ہے، مگر کسی کو کیا خبر کہ اس جیسے متواضع سالک کے لئے دُوسری صف صفِ اوّل سے ہزار ہا بڑھ کر ہے۔

۵:... جو لوگ اس کی مجلس میں بیٹھتے ہیں یا اس کے سلام کا جواب دیں یا خود اس کو سلام کریں، ان کا احسان مانتا ہے، تو گویا سمجھتا ہے کہ میرے اتنے عیوب ہیں کہ سب پر کھلے ہوئے ہیں، سب کے نزدیک بُرا ہوں، پھر کسی کا مجھے سلام کرنا یا بیٹھنے دینا، اس کا احسان ہے۔

۶:... یہ بھی متواضع کی علامت ہے کہ اس کے سامنے لوگ جس قدر مراتب کمال کا دعویٰ کریں، وہ اکثر کو تسلیم کرتا ہے، وہ سمجھتا ہے کہ میں حقیر ان بڑے درجہ والوں کے کمال کا کیسے احاطہ کرسکوں؟ وغیر ذالک۔

ہر طعن و تشنیع کو برداشت کرے:

عہد ۲:... شیخ مرید سے عہد لیتا ہے کہ ہر بلا، طعن، تشنیع اور استہزاء وغیرہ کو برداشت کرے، کیونکہ دربارِ الٰہی میں داخل ہونے کی ہر ایک تمنا کرتا ہے، اور اس دربار میں داخل ہونا اس شخص کے لئے حرام ہے جو مخلوق کی نگاہوں میں کوئی مرتبہ، مثلاً: پیر بننا، خلیفہ ہونا وغیرہ، اپنے لئے چاہتا ہے، اس لئے حق تعالیٰ جل شانہ اس پر مخلوق کو مسلط کردیتا ہے اور مخلوق اس کی آبرو اور جاہ کو چاک کرتی ہے، یہاں تک کہ بجز حق تعالیٰ شانہ کے کسی کی طرف اس کا میلان نہیں رہتا، اللہ تعالیٰ ہی پر اس کا

بھروسا واعتماد رہ جاتا ہے، ایسی حالت میں اللہ تعالیٰ اس کو اپنا بنالیتا ہے۔

صفاتِ خبیثہ، حجابات کا ذریعہ:

اگر مخلوق میں کوئی تیرتا ہوا جاتا ہے، تو وہ اللہ تعالیٰ سے محجوب ہے، جتنی صفاتِ خبیثہ بڑھتی جائیں گی، اسی قدر حجابات بڑھتے جائیں گے، حتیٰ کہ بعض وقت اس سالک کے اور خدا کے درمیان ستر ہزار یا زائد پردے حائل ہوجاتے ہیں، غالباً علامہ جامیؒ نے فرمایا:

''خدایا ہمہ خلق را بر من بدظن بکن''

(اے میرے خدا! تمام مخلوق کو مجھ سے بدگمان رکھ)

ایسی چیزیں اسی قبیل سے ہیں۔

دوئی مٹنے کی علامات:

دوئی کے مٹنے کا معنی اس کے قریب قریب ہے، اس کی علامت یہ ہے کہ ''اَلْحُبُّ فِي اللهِ وَالْبُغْضُ فِي اللهِ'' یعنی کسی سے دوستی ہے تو اللہ کے لئے، اور دُشمنی ہے تو اللہ تعالیٰ کے لئے۔

اور یہ بھی کہ سالک کبھی کسی کی مدح وتعریف سے غلط فرحت میں نہیں آتا، اور مذمت و بُرائی سے دِل گرفتہ نہیں ہوتا۔

شیخ تاج الدین بن عطاء اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما کا ارشاد ہے کہ: انبیاء و اولیاء کے بارے میں عادۃ اللہ یہی جاری ہے کہ پہلے ابتدائی حالت میں ان پر تکلیف مسلط کرتے ہیں، پھر جب وہ صبر کرتے ہیں تو انجامِ کار انہی کا غلبہ ہوتا ہے۔

جماعت سے پہلے نہ آئیں:

عہد:۳:... مشائخ، مریدوں سے عہد لیتے ہیں کہ مسجد میں جماعت کے

وقت سے پہلے نہ آیا کریں، الاّ یہ کہ اپنے اندر غیبت اور بیہودہ کلام وغیرہ سے بچنے کی طاقت پاتے ہوں، وگرنہ مسجد میں جماعت کے وقت سے پہلے کبھی نہ آنا چاہئے اور سلام و دُعا کے بعد فوراً مسجد سے نکل جانا چاہئے۔

لوگ جمعہ کے دن مسجد میں سویرے آ کر لوگوں کی عیب چینی، کسی بزرگ، عالم یا قاضی وغیرہ پر طعن، پھر جماعت تک اسی جھگڑے میں وقت گزار دیتے ہیں، پھر ایسی ظلمت کے ہوتے ہوئے نماز میں کھڑے ہوجاتے ہیں۔ مسجد میں باتیں کرنا نیکی کو ایسا برباد کرتا ہے جیسے آگ لکڑی کو، یعنی جو شخص باتیں کرنے کے لئے مسجد میں نشست کرے یا مسجد میں باتیں کرنا پسند کرے اس کے لئے یہ وعید ہے۔

عہدہ داروں کے لئے دِل سے دُعا کریں:

عہد:۴:... شیخ، مریدوں سے عہد لیتے ہیں کہ تمام حکام و عہدہ داروں کی ان کے مرتبہ کے موافق صبح و شام حفاظت کریں، اور دِل سے ان کا خیال رکھیں، اگر ان سے غلط فیصلہ ہو یا ظلم میں مبتلا ہوں تو دِل سے ان کے لئے دُعا کریں کہ حق تعالیٰ ان کو بچائے رکھے۔

دفعِ شبہ:... حضرت حکیم الاُمت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ:

یہ قطب کی شان ہوتی ہے کہ ان کو تمام بندوں کے مصالح کا خیال رکھنے کا حکم ہوتا ہے، اسی بنا پر قطب ان لوگوں کا حال پوچھتے ہیں۔ اور خیال رکھنے کا معنی باطنی توجہ اور دِل سے دُعا کرنا ہے، اور یہ معنی نہیں کہ تمام اُمورِ سلطنت ان کے سپرد ہوتے ہیں، حقیقت میں یہی اقطاب کام کرتے ہیں، اور اَحکامِ سلاطین ظاہر میں ہیں۔ قطب رَبّ تعالیٰ میں مشغول ہوتا ہے، نہ کہ دُنیا میں، فافہم!

مسلمانوں کے ساتھ نرم رہیں:

عہد:۵:... مشائخ، مریدوں سے عہد لیتے ہیں کہ اپنے مسلمان بھائیوں کے ساتھ نرم ہوکر رہیں، جب تک کہ وہ کسی بُرائی کی طرف نہ بلائیں۔ حدیث میں ''لِیْنُوْا فِیْ اَیْدِیْ اِخْوَانِکُمْ'' (کہ اپنے بھائیوں کے ہاتھوں میں نرم ہوجاؤ)، یعنی اگر کوئی تم کو صف برابر کرنے کے لئے آگے پیچھے کرے، تو اس کی اطاعت کرو، ہٹ اور ضد نہ کرو، اسی طرح شریعت کے ہر کام میں تمہیں لانا یا ہٹانا چاہیں، تو حدودِ شریعت کا لحاظ رکھتے ہوئے اُن کی اطاعت کرو۔

حرام کلام و طعام سے بچنے کا حکم کریں:

عہد:٦:... مشائخ، مریدوں سے عہد لیتے ہیں کہ اپنے تمام قرآن پڑھنے والے بھائیوں کو حکم کریں کہ وہ اپنی زبان کو جھوٹ اور غیبت سے بچائیں، اور اپنے منہ کو حرام و مکروہ کھانے سے گندہ نہ کریں۔ اسی طرح حدیثِ رسول کے پڑھنے اور پڑھانے والے کے لئے حکم ہے، اور دیگر علماء اور صالحین کے کلام کا بھی یہی ادب ہے۔ سیّدی ابراہیم الدوسقی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ:

> ''اپنے منہ کو تلاوتِ قرآن مجید کے لئے پاک و صاف رکھا کرو، کیونکہ جو شخص منہ کو حرام بات یا حرام کھانے سے آلودہ کرکے بغیر توبہ کے قرآن مجید پڑھنے لگے، اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی قرآن کو ناپاکی پر رکھے، ایسے آدمی کا جو حکم ہونا چاہئے، وہ سب کو معلوم ہے۔ بعض اولیاء اپنے مشاہدے میں اس کو باطنی گندگیوں سے زیادہ پلید دیکھتے اور سمجھتے ہیں۔''

مناظرہ ومباحثہ نہ کریں:

عہد:۷:... مشائخ، مریدوں سے عہد لیتے ہیں کہ جس شخص کی عادت لڑنے جھگڑنے اورحق بات کا انکار کرنے کی ہو، اس کے ساتھ مناظرہ ومباحثہ سے دلائل قائم کرنے کا برتاؤ نہ کریں، ایسے آدمی کا نفس جب جوش میں ہوتا ہےتو وہ ہوش میں نہیں رہتا اور حد سے بڑھنے لگتا ہے، اور جو کوئی اس کی عقل وفکر کا مقابلہ کرے، اس کی آبرو چاک کرتا ہے، چاہے وہ اس کا شیخ ہی کیوں نہ ہو، لہٰذا اس کے ساتھ بطورِ تعریض کے دُوسروں سے مخاطِب ہوکر عام مجالس میں بطورتلطف ونرمی کے اس کے امراض کا بیان کرتا رہے، شاید کہ وہ اصلاح میں آجائے۔

دُشمن سے بھلائی کریں:

عہد:۸:... مشائخ، مریدوں سے عہد لیتے ہیں کہ جو ان کا مخالف اور درپے آزار ہو، اس سے اچھا برتاؤ، احسان، سلوک اور بھلائی کا معاملہ ختم نہ کریں، اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ باوجود ہماری بُرائیوں کے جیسا سلوک کرتے ہیں، تم بھی ان کے ساتھ وہی سلوک کرو، محروم کرنے اور سخت بات کہنے کا معاملہ نہ کرو، البتہ جہاں سختی ہی نافع ہو، وہاں مضائقہ نہیں۔

اپنے آپ کو کم تر سمجھے:

عہد:۹:... مشائخ، مریدوں سے عہد لیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اپنے حقیقی مرتبے کو ہر مؤمن کے مرتبے سے کم تر سمجھیں، جس کی مثال محسوسات میں مٹی کی سی ہے کہ چلنے والے لوگ قدم سے اسے پامال کرتے ہیں، اس پر موتتے ہیں۔ زمین ہماری ماں ہے اور یہ کسی عاقل کے لئے مناسب نہیں کہ اپنے نفس کو اپنی ماں

سے زیادہ برتر سمجھے، اگر اس مقام میں پختگی حاصل ہوئی تو اس کو خوشنودیٔ خلق و خالق ہمیشہ نصیب رہے گی۔

پختہ ہونے کی علامت:

اس مقام میں پختہ ہونے کی علامت یہ ہے کہ جس قدر تمام مخلوق میں متفرق عیوب موجود ہیں، اگر وہ سب کے سب اس سالک کی طرف منسوب کردیئے جائیں تو وہ ان میں اپنے مبتلا ہونے کو مستبعد نہ سمجھے، کیونکہ اگر ابھی مبتلا نہیں ہوا تو کیا عجب کہ آئندہ ان میں مبتلا ہوجائے؟ یا کم از کم ان کا قصد کرے؟ یہ عہد، پہلے عہد کی فرع ہے۔

طالب کو پوری محبت کے بعد بیعت کریں:

عہد:۱۰:... مشائخ، مریدوں سے عہد لیتے ہیں کہ جب تک طالب کو پوری محبت نہ ہوجائے، اس وقت تک اس سے عہدِ بیعت نہ لیں، پوری محبت یہ کہ ہمارے اُوپر بیوی بچوں میں سے کسی کو مقدم نہ کرے، یہ مشائخ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب ہیں، اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ:

> ’’کوئی شخص اس وقت تک مؤمن نہیں بن سکتا جب تک میں اس کی بیوی بچوں اور تمام آدمیوں سے زیادہ اس کو محبوب نہ ہوجاؤں۔‘‘ (مشکوٰۃ ص:۱۲)

شیخ سے نفع لینے کی شرط:

عارف باللہ شیخ عدی بن مسافرؒ جو اس طریق کے رُکنِ اعظم ہیں، فرماتے ہیں:

> ’’تم کسی شیخ سے نفع نہیں لے سکتے، جب تک کہ اس پر تمہارا اعتقاد اس کے تمام ہم جنسوں سے زیادہ بڑھا ہوا نہ ہو،

کہ میرا پیر سب سے افضل ہے۔‘‘

سیّدی علی بن وفاؒ نے فرمایا ہے:

’’اگر تو چاہتا ہے کہ میری بات سنے تو غیروں کی باتوں سے کان خالی کر۔‘‘

یہ مسئلہ اصطلاحِ صوفیہ میں ’’وحدتِ مطلب‘‘ کے نام سے مشہور ہے، اس کی حقیقت یہ ہے کہ زمانۂ طلب میں حصولِ نسبت سے قبل سالک بجز ایک شیخ کے کسی کی طرف رُجوع نہ کرے، ورنہ عادۃً حصولِ نسبت دُشوار ہے، اور حصولِ نسبت کے بعد چند مشائخ سے استفاضہ میں مضائقہ نہیں، بشرطیکہ اپنے اصلی شیخ سے اعتقاد و محبت میں کمی نہ ہو، ورنہ ترقی بند ہوجائے گی، بلکہ ہر شیخ سے جو فیض ہو، اس کو اپنے اصلی شیخ کا فیض مشاہدہ کرے، یعنی اپنے شیخ کی ہر حکمِ شرعی میں تابعداری کرنا ضروری ہے، مثلاً: اگر شیخ کامل کہے کہ بیوی کو طلاق دے دے یا آدھا مال لے آ اور فقراء میں تقسیم کردے یا فلاں ملازمت چھوڑ دے، تو اتباع میں خلل نہ آئے اور پیشانی پر بل نہ پڑے، اور کامل ایسا حکم جب کرے گا کہ اس کے ایمان کی حفاظت اس کے بغیر ممکن نہ ہو۔

دُنیا کی کسی چیز میں جھگڑا نہ کریں:

عہد:۱۱... مشائخ، مریدوں سے عہد لیتے ہیں کہ دُنیا کی کسی چیز میں مزاحمت اور جھگڑا نہ کریں، کیونکہ دُنیا پر جھگڑنے سے دِلوں میں دُشمنی اور نفوس میں کدورت پیدا ہوتی ہے، خصوصاً جس میں شانِ ریاست ہو، مثلاً: تعلیم و تدریس اور مرید کرنا وغیرہ۔ مشائخ کا قول ہے کہ صدیقین کے دِلوں سے سب کے بعد حبِ ریاست نکلتی ہے، محبتِ ریاست طالب کی ترقی کو روکتی ہے۔

مسجد کی خدمت کریں:

عہد:۱۲:… مشائخ، مریدوں سے عہد لیتے ہیں کہ مسجد کی خدمت، درس و تدریس اور خطبہ وغیرہ پر تنخواہ نہ لیا کریں، مگر جبکہ کوئی اور صورت آمدنی کی نہ ہو، اور حدیث: ”اِنَّ اَحَقَّ مَا اَخَذْتُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا کِتَابُ اللهِ“ (صحیح بخاری ج:۲ ص:۸۵۴) میں اُجرت لینا مستحب معلوم نہیں ہوتا، بلکہ صرف جواز معلوم ہوتا ہے، ان میں تطبیق یہ ہے کہ وہ کام محض رضائے الٰہی کے لئے کرے اور جو کچھ ملے اس کو عطائے الٰہی سمجھے، اس میں سچا ہونے کی علامت یہ ہے کہ اس آمدنی اور وظیفہ کے نہ ملنے پر اپنے منصب کے پورا کرنے میں فرق نہ آئے۔

ظالمین، فاسقین کے ہدایا قبول نہ کریں:

عہد:۱۳:… مشائخ مریدوں سے عہد لیتے ہیں کہ ظالمین اور فاسقین کے ہدایا قبول نہ کریں اور نہ کھائیں، مگر جب اس میں کوئی مصلحتِ ضروریہ ہو، کیونکہ دِل کو ان ظالمین و فاسقین کی طرف میلان ہوگا، محسن کی محبت فطرۃً قلوب میں رکھی ہوئی ہے، پھر سالک ان کے افعال کی کراہت خفیف سمجھنے لگے گا۔

شیطان سے ہر وقت ڈرنا ہے:

عہد:۱۴:… مشائخ، مریدوں سے عہد لیتے ہیں کہ جب مقاماتِ سلوک میں ترقی ہونے لگے، تو شیطان سے پہلے سے زیادہ ڈرتے رہیں، اور بچتے رہیں، کیونکہ انسان کی ترقی سے شیطان کی دُشمنی بڑھ جاتی ہے، اس وقت ایسے دقیق، باریک وساوس قلب میں ڈالتا ہے، جن کو بجز موفق من اللہ کے کوئی نہیں سمجھ سکتا، پس حصولِ نسبت کے بعد بھی سالک کو بےفکر نہ ہونا چاہئے، حصولِ نسبت کے بعد

معصیت کے علاوہ مباحات پر بھی مؤاخذہ ہوتا ہے، اس لئے کہ:

مقرباں را بیش بود حیرانی

ایثارِ نفس سے پہلے بڑوں اور مشائخ کے ساتھ ایک برتن میں نہ کھائے:

عہد:۱۵:... مشائخ، مریدوں سے عہد لیتے ہیں کہ جب تک ایثارِ نفس کامل طور پر حاصل نہ ہو، والدین و مشائخ کے ساتھ ایک برتن میں نہ کھایا کریں، کیونکہ ممکن ہے کہ، مثلاً: ماں باپ یا بزرگ کسی بوٹی وغیرہ کو کھانا چاہیں اور یہ بے خبری میں اُسے کھا جائے، تو یہ ایک قسم کی خیانت ہے، اور کمالِ احسان کے خلاف ہے۔ اور یہی حکم چچا کا ہے، کیونکہ: "اَلْعَمُّ کَالْاَبِ" یعنی چچا، باپ کی مانند ہے، (ہاں اگر والدین یا بزرگ کا حکم ساتھ کھانے میں ہو تو ادب کا لحاظ رکھتے ہوئے کھائے)۔

اسی طرح جن لوگوں کو آیتِ شریفہ میں عطف کر کے بیان کیا گیا ہے، جیسے قرابت والے، یتیم بچے اور مسکین وغیرہ، ان کا بھی یہی حکم ہے، کیونکہ قرآنِ کریم میں ہے: "وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَّذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنَ"۔

اسی طرح حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ انہوں نے اپنی ماں کے ساتھ کھانا چھوڑ دیا، کسی نے اس کا سبب پوچھا تو کہا کہ: "مجھے اندیشہ رہتا ہے کہ کسی لقمے پر میری والدہ کی نگاہ مجھ سے پہلے پڑے اور میں بے خبری میں اسے کھالوں۔"

علماء اور صوفیہ کی بُرائی کرنے والوں کو خوب جواب دیں:

عہد:۱۶:... اسی طرح مشائخ، مریدوں سے عہد لیتے ہیں کہ علمائے عظام

اور صوفیائے کرام کی طرف سے ان لوگوں کو جو ان علمائے عظام وصوفیائے کرام پر طعن وتشنیع کرتے ہیں، خوب جواب دیں، اور ان طعن وتشنیع کرنے والوں کی بات پر ہرگز کان نہ دھریں، علمائے عظام وصوفیائے کرام پر طعن وہ شخص کرتا ہے جو ان کے مراتب جاننے سے قاصر ہے، ایسے طاعن کی زبان اور تصنیف سے نور چھین لیا جاتا ہے، کسی کو اس سے فائدہ نہیں ہوتا، جیسے بعض نے امامِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور بعض نے حضرت معروف کرخی اور حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہما وغیرہ پر کفر کا فتویٰ دیا ہے، معاذ اللہ!

حضرت امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

''جب کسی کی غلطی معلوم ہو، اوّل اس سے تنہائی میں پوچھیں، اگر نہ مل سکے، تو خط کے ذریعہ سے تشفی کریں، اور اگر نہ مل سکے تو محتمل تأویل کریں، اگر وہ غلطی کا اقرار کرے تو پھر اس کی تنقیص سے باز آئیں، اور اگر اس کا قول کسی مسلکِ صحیح یا کسی معتمد مذہب پر مبنی ہو تو اس پر کوئی اعتراض نہ کریں، ممکن ہے وہ اس مسئلہ میں اسی مسلک کا معتقد ہو، اس لئے سنتے ہی بلاتحقیق نکیر نہ کریں۔''

افسوس! کہ اس طریقہ کو ہم نے بھلا دیا اور بغض وحسد کے باعث غیظ وغضب سے اپنی عاقبت کو خراب کیا۔

لوگوں سے تعلقات نہ بڑھائیں، عملِ تعویذ میں نہ پڑھیں:

عہد:۱۷:... مشائخ، مریدوں سے عہد لیتے ہیں کہ دُنیاوی حساب وکتاب، مثلاً: خرید وفروخت اور کثرت کی آرزو، اسبابِ زائد کی فراہمی، تعلقات و دوستانہ

بڑھانا، لوگوں سے آمد و رفت بڑھانا وغیرہ سے کنارہ کش رہیں، ضرورت سے زائد تعلقات وغیرہ نہ رکھیں۔

حضرت سیّدی ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ:

''دُنیا ابلیس کی بیٹی ہے، پس جو کوئی ضرورت سے زیادہ لے گا، ابلیس کا داماد بن جائے گا۔''

بندگانِ خدا کیمیا بنانے، جڑی بوٹیاں، دھونے کی دوائیوں اور عملیات میں مربع، مخمس اور مثلث سیکھنے سکھانے سے بلند وارفع ہوتے ہیں۔

حضرت حکیم الاُمت قدس سرہٗ سے منقول ہے کہ:

''کیمیا اور عملیات پر اعتقاد و رُسوخ رکھنے والا ولی نہیں بن سکتا، جب تک اس (اعتقاد و رُسوخ) سے توبہ نہ کرے۔''

قرض سے سبکدوش ہوں:

عہد:۱۸:... مشائخ، مریدوں سے عہد لیتے ہیں کہ کسی کا دَین وقرض ذمہ ہو تو جلدی ادا کریں، اور مدیون (مقروض) سے مطالبہ نہ کریں، اور مناسب ہے کہ فقیر مدیون (مقروض) کو معاف کریں، اور غنی سے مطالبہ میں سختی نہ کریں۔

دُنیا کی لذّات و رونق میں نہ پڑیں:

عہد:۱۹:... مشائخ، مریدوں سے عہد لیتے ہیں کہ دُنیا اور اس کی لذات، رونقوں، عجائبات، بلڈنگوں، کرّوفرّ اور شوکت وغیرہ کی طرف بے رغبتی سے نگاہ کریں۔

اِمام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماگئے ہیں:

''جو کوئی دُنیا میں رغبت کرے گا نجاست سے ضرور آلودہ ہوجائے گا۔''

واجب ہے کہ ایسوں کے پاس آمد و رفت نہ کرے اور ان سے میل ملاپ بجز ضرورتِ شدیدہ کے نہ ہو۔

مزارعین کی زیادہ رعایت کرے:

عہد: ۲۰:... مشائخ، مریدوں سے عہد لیتے ہیں کہ اگر تمہاری ملکیت میں زمین ہو تو مزارعین کی زیادہ رعایت ہونی چاہئے۔

اپنا ظاہر و باطن یکساں کریں:

عہد: ۲۱:... مشائخ، مریدوں سے عہد لیتے ہیں کہ اپنے نفس سے اس قدر مجاہدہ کرائیں کہ آپ کا ظاہر و باطن یکساں ہو جائے، جیسے ظاہر میں آپ نیک اعمال کرتے ہیں، اسی طرح دِل کو بھی اَمراضِ باطنہ سے پاک و صاف رکھیں، بلکہ باطن کو ظاہر سے زیادہ سنواریں، تاکہ آپ صفتِ نفاق سے پاک صاف ہو جائیں۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی وصیت میں یہ بھی ہے کہ:

''ہمیشہ اس سے بچو کہ تم ظاہر میں خدا تعالیٰ کے دوست بنو اور باطن میں دُشمن رہو۔''

یعنی ایسا نہ ہونا چاہئے کہ ظاہر میں اولیاء اللہ رہو، اور باطن میں تکبر، حسد اور کینہ وغیرہ ہو، اور زبان صداقت کی ہو اور اس پر عمل نہ ہو۔

مرید کو توجہ سے مجبور نہ کریں و حقیقتِ توجہ:

عہد: ۲۲:... مشائخ یہ بھی عہد لیتے ہیں کہ اپنے مرید پر ایسی توجہ نہ دو کہ وہ مجبور ہو جائے، کیونکہ یہ خلافِ سنت ہے، توجہ کی حقیقت یہ ہے کہ دِل سے دُعا اور آرزو کرنا کہ فلاں شخص کی حالت دُرست ہو جائے یا اس کو نسبت مع اللہ حاصل ہو جائے، یا اپنے دِل کو اس کی طرف متوجہ کر دینا تاکہ شیخ کے دِل کے انوار مرید کے دِل میں پہنچ

جائیں۔ کبھی اس توجہ کے اثرات مشائخ کے کھانے پینے کی چیزوں، ان کی باتوں یا ان کے چلنے پھرنے کی جگہ میں سرایت کرجاتے ہیں، جو شخص ان کو استعمال کرتا ہے یا شیخ کی باتیں سنتا ہے، اس کو نسبت مع اللہ نصیب ہوجاتی ہے، تو گویا وہ چیزیں شیخ کے قائم مقام ہوجاتی ہیں، گویا کہ شیخ کے جسم و رُوح کی حقیقت کا نمونہ وہ چیزیں ہیں۔ اور شیخ کا ایسی توجہ کرنا کہ مرید مجبور ہوجائے، نہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے اور نہ اسلافِ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ سے، اور جن مشائخ متأخرین رحمہم اللہ تعالیٰ سے اس طرح کی توجہ منقول ہے، اگر نقل صحیح ہو تو وہ شاذ و نادر ہے۔

آبروریزی کرنے والے سے میل جول کم کریں:

عہد:۲۳:... مشائخ، مریدوں سے یہ عہد بھی لیتے ہیں کہ جو شخص آبروریزی کرے یا بُرا بھلا کہے، اس سے ملنا جلنا اس لئے کم کریں کہ اس کو دیکھنے سے گرانی ہوگی، اور اس کو غصّے کی تکلیف نہ ہو۔

تمام اعمال و معاملات میں توحید حاصل کریں:

عہد:۲۴:... مشائخ، مریدوں سے یہ عہد بھی لیتے ہیں کہ جملہ اقوال، اعمال، اخلاق اور معاملات میں توحیدِ خالص حاصل کریں، یوں نہ کہیں کہ فلاں چیز ہماری ہے یا ہمارے پاس ہے، ہاں! بطریقِ مجاز یا بھولے سے زبان سے نکل جائے تو مضائقہ نہیں، کسی بزرگ نے دُعا کی:

> ''اے اللہ! میری مغفرت فرما، کیونکہ آپ کا وعدہ ہے کہ جو آپ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے، اس کی مغفرت کردی جائے گی۔''

اچانک ہاتف نے آواز دی کہ: ''دُودھ کے دن کا قصہ یاد کر!'' اس پر وہ

بزرگ شرمندہ ہوئے اور یاد کیا کہ کسی نے دُودھ پینے کو دیا، بزرگ نے کہا کہ: ’’مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں یہ مجھے ضرر نہ پہنچائے؟‘‘

ضرر کی نسبت دُودھ کی طرف کردی گئی تھی، جس پر تنبیہ کی گئی۔ ہر بول چال میں وہ لوگ فکر کرتے ہیں کہ غیراللہ کی طرف نسبت نہ ہوجائے۔

شیخ میں جو عیب نظر آئے اس کو اپنا عیب سمجھیں:

عہد:۲۵:... مشائخ، مریدین سے یہ عہد بھی لیتے ہیں کہ شیخ میں نقصان و عیب کی جو بات نظر آئے، اس کو اپنا عیب و نقصان سمجھیں، کیونکہ شیخ ہماری حالت کا آئینہ ہے، اگر ہم دُرست ہوتے تو ہم بھی اس نقصان کو جان لیتے، اسی طرح اگر ذِکر و اَشغال کے کرنے پر دِل کے کھلنے میں دیر ہورہی ہے، تو یہ نہ سمجھے کہ شیخ کی ناواقفیت ہے، بلکہ یہ توقف ہماری کم ہمتی سے ہے، جیسا کہ طب میں ہے کہ برودتِ رحم حمل کے قرار پانے کا سبب ہے، تو جب تک مرید کا نفس خواہشاتِ حرام و لذات سے سرد نہ ہوگا، طلب و اشتیاقِ محبوب کی تپش و سوزش سے منوّر نہ ہوگا، جیسے گیلی لکڑی کو آگ لگانے سے صرف دُھواں ہی دُھواں نکلتا ہے، یعنی اس مرید سے جھوٹے دعوے اور رعونت کی ایسی باتیں پیدا ہوں گی، جو صوفیہ میں آج کل شائع ہیں۔

مرید کو شیخ پر اعتقاد و یقین جتنا زیادہ ہوگا اتنا ہی شیخ سے فیض زیادہ ہوگا، اور اعتقاد و یقین جتنا کم ہوگا، اتنا ہی شیخ کے فیض سے ناقص رہے گا، مثلاً: مرید یہ اعتقاد کرے کہ شیخ میں تواضع کم ہے، تو مرید میں عبدیت و تواضع کم آئے گی، اور اگر یہ اعتقاد ہو کہ شیخ جملہ مقاماتِ عالیہ پر پہنچا ہوا ہے، تو مرید کو بھی جملہ مقاماتِ عالیہ سے حصہ ملے گا، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

ما سوا اللہ کی محبت دِل میں جمع نہ ہونے دیں:

عہد:۲۶:... مریدین دِل میں کسی چیز کی محبت کو جمنے نہ دیں، خواہ مال کی محبت ہو یا اولاد اور متاع وغیرہ کی، کیونکہ حق تعالیٰ شانہ بڑے غیور ہیں، وہ اپنے مؤمن بندہ کے دِل میں غیروں کی محبت دیکھنا پسند نہیں کرتے، ہاں! جن لوگوں کی محبت کا حکم فرمایا ہے، جیسے انبیاءؑ، ملائکہؑ، صحابہؓ، تابعینؒ، صلحاء وغیرہ، تو ان لوگوں سے حکمِ الٰہی کی بجاآوری کے لئے محبت کرنا چاہئے۔ پس واضح ہوگیا کہ ذکرِ نفی و اثبات یعنی ''لا الٰہ الا اللہ'' میں جو مشائخ فرماتے ہیں کہ کلمہ ''لا'' سے نفی غیر اللہ کی ہو، یعنی غیر کی محبت دُور کر رہے ہیں، اس سے انبیاء و اولیاء کی محبت نکالنا مراد نہیں، بلکہ وہ محبت نکالنا مقصود ہے جو اللہ تعالیٰ کی محبت میں خلل انداز ہے۔

شبہ کا جواب:... حضرت علی خواص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

> ''بسا اوقات تمہارے بیوی بچوں پر مصیبت اس لئے آتی ہے کہ تمہارے دِل میں ان کی محبت جم گئی تھی۔''

مطالب و مفاہیمِ قرآن میں احتیاط:

عہد:۲۷:... مشائخ، مریدوں سے عہد لیتے ہیں کہ قرآن مجید و حدیث شریف سے جو مطلب تمہیں سمجھ میں آئے، اس میں یوں کہو کہ اس کا مطلب میری سمجھ میں یہ آیا ہے، اور یوں نہ کہو کہ اس کا بس یہی مطلب ہے جو ہم نے سمجھا ہے، قرآن مجید میں ہر مطلب میں اس سے ترقی بھی ہوسکتی ہے، جیسا کہ ارشاد ہے: ''وَفَوْقَ كُلِّ ذِیْ عِلْمٍ عَلِیْمٌ'' (یوسف:۷۶)۔

حقوق اللہ اور حقوق العباد پر ہمیشہ نظر رکھیں:

عہد:۲۸:... مشائخ، مریدین سے یہ عہد بھی لیتے ہیں کہ جس قدر حقوق

اللہ وحقوق العباد ہیں، اس میں ہمیشہ نظر کرتے رہیں کہ کسی کی فروگزاشت تو نہیں ہوئی؟ اور اپنے ذاتی حقوق پر کبھی نظر نہ کریں، مگر شکرِ الٰہی کے بجالانے کے لئے، اور اس کی ضرورت اس لئے ہے تاکہ ہمیشہ اقرار کرتے رہیں کہ محبتِ الٰہی ہم پر قائم و دائم ہے۔

شیخ عبدالعزیز دیرینیؒ سے عرض کیا گیا کہ:

''کوئی کرامت ظاہر فرمایئے کہ جس سے ہمارا اعتقاد پختہ ہو اور آپ سے سلوک سیکھنے کا شوق زیادہ ہو۔ آپؒ ذرا خاموش ہوگئے، پھر فرمایا کہ: میرے عزیزو! کیا ہم جیسوں کے لئے آج رُوئے زمین پر اس سے زیادہ کوئی کرامت رہ گئی ہے کہ حق تعالیٰ نے ہم کو زمین کے اُوپر صحیح و سالم چھوڑ رکھا ہے اور زمین کے اندر نہیں دَھنسایا؟''

دوست و دُشمن کی پہچان:

عہد:۲۹:... مشائخ، مریدین سے یہ عہد بھی لیتے ہیں کہ تم لوگ دُشمن کی پہچان کرو، تمہارا دوست وہ ہے جو تمہارے عیوب کو ظاہر کرے، اور تمہاری صفاتِ حمیدہ کو مٹانا چاہے، مثلاً: یہ ریاکار اور متکبر ہے۔ اور دُشمن وہ ہے جو تمہاری تعریف کرکے تمہیں عجب، کبر، تفاخر اور شیخی بازی میں لانا چاہتا ہے۔

نرمی سے بات کریں:

عہد:۳۰:... مشائخ، مریدوں سے یہ وعدہ بھی لیتے ہیں کہ تمام اہلِ معاصی کے ساتھ نرمی سے بات کریں، خواہ شرابی ہو یا جواری، زانی ہو یا چور، یہ سہل طریقہ

ہے ان کے توبہ کرنے کا۔ جب حضرت داوٗد علیہ السلام گنہگاروں سے نفرت کرنے لگے، تو وحی سے حکم ہوا:

> ''جس کی حالت دُرست ہے، اس کو تو آپ کی ضرورت نہیں، اور جس کی حالت خراب ہے، آپ ان سے اعراض کرتے ہیں، پھر آپ کو پیغمبر کس لئے بنایا گیا ہے؟''

بدگمانی سے بچیں:

عہد:۳۱:... مشائخ، مریدوں سے یہ وعدہ بھی لیتے ہیں کہ اگر کسی مالدار کو کھلم کھلا زکوٰۃ دیتا نہ دیکھیں تو اس سے بدگمان نہ ہوں، بلکہ اس کے ساتھ نیک گمان رکھیں، مثلاً خفیہ زکوٰۃ دیتا ہوگا، یا اس وقت نہیں دی اور فوری دینا واجب بھی نہیں، کیا ہوا؟ دیدے گا، اسی طرح کسی عالم کی شان میں زبان درازی سے بچیں، کیونکہ غیبت کرنا گناہ ہے اور علماء کا گوشت زہر آلود ہے۔

مشہور مہمان نواز کے پاس قیام نہ کریں:

عہد:۳۲:... جب کسی جگہ سفر کریں تو مشہور مہمان نواز کے ہاں قیام نہ کریں، کیونکہ اس کے پاس اور بہت سے مہمان ہوں گے، آپ کا بھی اس پر بار (بوجھ) پڑ جائے گا، اگر سواری ساتھ ہو تو اس کا انتظام خود کریں، اس پر بار نہ ڈالیں، اگر کسی شیخ و عالم کے ہاں مہمان ہوں، تو ایسی بات ہرگز نہ کریں کہ اس کے مرید، طالب اور ملازم وغیرہ آپ کی طرف ملتفت و راغب ہوں۔

عمل میں کوتاہی کی علامات:

عہد:۳۳:... مشائخ یہ عہد بھی لیتے ہیں کہ جس طالبِ علم میں عمل کی کوتاہی دیکھیں، اوّل تو اسے سمجھائیں، اگر وہ نہ سمجھے تو اس کو رُخصت کردیں، اسی

طرح جو طالبِ علم، علم میں مخلص نہیں، بلکہ کسی غرض و مطلب کی بنا پر پڑھتا ہے، لوجہ اللہ نہیں پڑھتا، اس کو بھی رُخصت کر دیں۔

عمل میں کوتاہی کی علامت یہ ہے کہ اُستاذ کے سامنے اس کو بے ادب پائیں، بات چیت کرتے وقت نگاہ نیچی نہ کرتا ہو، پیچھے بیٹھ کر اُستاذ کی حرمت نہیں رکھتا، اس کی اولاد سے مقابلہ کی سی بات کرتا ہے، اُستاذ کے ساتھ بحث و مباحثہ کرتا ہے، کاہلی کی وجہ سے بے وضو یا حالتِ جنابت میں بغیر غسل کے سو رہتا ہے، اعمالِ دِینیّہ پر تنخواہ لیتا ہے اور کام نہیں کرتا، مسجد میں قرآن مجید پڑھنے کی آواز سن کر بھی لہو و لعب میں مشغول رہتا ہے، جماعت میں حاضر نہیں ہوتا، دُنیاداروں کی خوشامد کرتا ہے، صوفیوں کے ساتھ اُٹھنا بیٹھنا کرتا ہے تاکہ لوگ صوفی سمجھیں حالانکہ خود صوفی نہیں۔

شبہ کا جواب:...عزیزو! اہلِ دُنیا کی حالت سے دھوکا نہ کھانا چاہئے کہ ان کا کام بغیر اخلاص کے چل رہا ہے، دُنیا میں اگر ان کا کام چل گیا تو کیا ہوا؟ جب آخرت میں کارآمد نہیں تو کچھ بھی نہیں۔

طالبِ علم کا یہ خیال کرنا کہ درسیات سے فارغ ہوکر عملیات کی طرف توجہ کریں گے، شیطانی وسوسہ ہے اور دُوسروں کو تعلیم دینا، یہ تبعاً مقصود ہے، اصل مقصود تو خود عمل کرنا ہے۔ پس طبیب اگر خود بدپرہیز ہے اور مریض کو شفا ہوگئی تو کیا فائدہ؟ کیونکہ وہ خود تو موت کا مزہ چکھنے والا ہے۔ کسی عالم یا عابد میں جب یہ بات دیکھو کہ وہ اغنیاء کی مجلس میں اپنے علم و تقویٰ کا ذکر پسند کرتا ہے تو سمجھ جاؤ کہ وہ ریاکار ہے۔

حضرت صالح مزیؒ نے فرمایا کہ:

''طالبِ علم کے مخلص ہونے کی علامت یہ ہے کہ اگر کسی نے اس کو جاہل، ریاکار یا شہرت پسند کہہ دیا تو اگر اس سے

اس کا دِل تنگ ہوتا ہے تو وہ ریاکار ہے، اور اگر خوش ہوتا ہے تو وہ مخلص ہے۔''

انت بما تعلم لم تعمل

فکیف تطلب علم ما لم تعمل

ترجمہ:... ''معلوم شدہ بات پر تو نے عمل نہیں کیا، پھر نئی معلومات کے حاصل کرنے کی تجھے کیوں فکر ہے؟''

ریاکار عالم کی علامت یہ ہے کہ وہ لوگوں کو علم کی رغبت دِلائے تاکہ اس کے پاس لوگ پڑھنے آئیں، پھر اگر لوگ دُوسرے عالم کے پاس جائیں، تو وہ غیرت کرتا ہے۔

حضرت شیخ معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''خدا کی قسم! اگر عمل کے لئے لوگ پڑھتے تو ہر کڑوی بات کو دوا کی طرح گھونٹ گھونٹ پیتے اور یہ لذت اور مزہ بھول جاتے۔''

اِمام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ: بیہودہ لوگ کون ہیں؟ آپؒ نے فرمایا:

''جو اپنے علم کے ذریعے سے دُنیا کماتے ہیں۔''

اِمام شافعیؒ نے فرمایا کہ:

''اگر علم نے نفع نہ دیا، تو وہ نقصان ضرور پہنچائے گا۔''

دُنیادار لوگوں سے دوستی نہ کریں:

عہد:۳۴:... مشائخ، مریدوں سے یہ عہد بھی لیتے ہیں کہ ان لوگوں سے

دوستی کریں جو دُنیا سے بے رغبت اور منصب لینے سے کنارہ کش رہیں، کیونکہ منصب لینے سے آدمی حبِ ریاست کی بلا میں ضرور مبتلا ہو جاتا ہے، اِلَّا مَنْ شَآءَ اللهُ!

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ:

''جو شخص قرآن کا عالم ہو، پھر دُنیا سے محبت کرے، اس کو قرآن مجید اندر سے آواز دیتا ہے کہ تو نے میرے مواعظ و نصائح کہاں کھوئے؟ میرا تو کوئی حرف نہیں کہتا کہ تو دُنیا سے رغبت کر!''

بڑا بن کر نہ رہیں:

عہد:۳۵:... مشائخ، مریدوں سے عہد لیتے ہیں کہ اپنے مسلمان بھائیوں سے بڑا بن کر نہ رہیں، دُنیادار خود تو ان صوفیہ کے ہاں جا نہیں سکتے، کسی تقریب، نکاح یا ولیمہ میں ان کو زیارت کے لئے بلاتے ہیں، اگر سالک تکبر کی وجہ سے دُنیاداروں سے ملتا ملاتا نہیں، تو بُرا ہے، اور اگر گناہ سے بچنے کے لئے نہیں جاتا یا کوئی اور شرعی وجہ ہے، تو سالک کے لئے نہ جانا جائز ہے۔

مقاماتِ عالیہ کی تحصیل کی ترغیب:

عہد:۳۶:... مشائخ، مریدوں سے عہد لیتے ہیں کہ اپنے دوستوں اور بھائیوں کو مقاماتِ عالیہ حاصل کرنے کی ہدایت کرتے رہیں، اور ان کو نقصان و پستی کی حالت میں برباد ہوتا نہ چھوڑیں، کیونکہ ان کی بابت تم سے سوال کیا جائے گا، اس عہد پر آج کل کم عمل کیا جاتا ہے، پس جس کسی کو ایسا شیخ مل جائے جو اس کو نصیحت اور روک ٹوک کرتا ہے، اور غلطی پر اسے بُرا بھلا بھی کہتا ہے تو سالک کے لئے ضروری

ہے کہ اس سے چمٹ جائے، اور اس کے پاس رہ پڑے، کیونکہ ایسا شیخ، کبریتِ احمر کی طرح کمیاب ہے۔

دِین والے کو نصیحت اور اسلام کی تبلیغ و نصرت کی وجہ:

عہد:۳۷:... مشائخ، مریدوں سے عہد لیتے ہیں کہ جس کو ہم دِین میں پختہ دیکھیں، اس کو نصیحت کرنے کے لئے خاص وقت کا انتظار نہ کریں، بلکہ جلدی نصیحت کردیا کریں، اگرچہ بھرے مجمع ہی میں کیوں نہ ہو، ہاں! اگر شیخ سوچے کہ وہ شخص نصیحت کرنے سے دِل میں مکدّر ہوگا تو پھر چپکے سے اسے نصیحت کرنا چاہئے، کیونکہ ایسے شخص کے دِل میں نفاق اور کھوٹ ہے، وگرنہ وہ نصیحت سے خوش ہوتا، اور اگر فکر و اندیشہ ہو کہ اس کو نیک کام کرنے کی نصیحت سے نفرت بڑھ جائے گی، اور اس کا دِین برباد ہوجائے گا تو پھر ایک بار ہی نصیحت کافی ہے، نفرت کی وجہ اکثر یہ ہوتی ہے کہ خود اس شخص میں توفیق کی کمی ہے یا تمہارا اِخلاص کامل نہیں، یا نصیحت کرنے والے کو نصیحت کرنے کا سلیقہ نہیں آتا۔

مجرم پر رحمت نہ ہونی چاہئے:

عہد:۳۸:... مشائخ، مریدوں سے یہ عہد بھی لیتے ہیں کہ جس شخص کو شریعت کی تلوار یا تازیانۂ شرع سے مارا گیا، جیسے چور اور ناحق قتل کرنے والا، ہمارے دِل میں اس کے لئے شفقت و رحمت پیدا نہ ہونی چاہئے کیونکہ قرآنِ کریم میں ہے:

"وَلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللهِ" (النور:۲)

حق تعالیٰ نے جو سزا اس کے لئے مقرر کی ہے، وہ عینِ رحمت ہے، وہ ہم سے زیادہ مہربان ہے، اگر ہم اس پر اجرائے قانون میں رحمت کرنے لگیں تو حق تعالیٰ کی جانب کی رعایت نہ رہے گی۔

شیخ احمد زاہدی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ:

''جب کسی کو تنگی اور پریشانی میں مبتلا دیکھو تو جلدی سے یہ مت کہو کہ یہ بے چارہ اس سزا کا مستحق نہ تھا، یا یوں نہ کہو کہ یہ ایسی سزا کا مستحق تھا، پہلی صورت میں تمہاری رحمت اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بڑھ گئی، اور دُوسری صورت میں اپنے مسلمان بھائی پر مسرّت اور خوشی ظاہر ہوتی ہے۔''

عقیقے میں شریک نہ ہوں:

عہد:۳۹:... مشائخ، مریدوں سے عہد لیتے ہیں کہ عقیقہ یا شادی کی تقریب میں شریک ہونے کے لئے کسی کی درخواست منظور نہ کیا کریں، بالخصوص اگر وہ علماء وصلحاء سے مشابہت رکھتے ہوں، ہاں! اگر کوئی مصلحتِ شرعی ایسی ہو جس میں جانے کو نہ جانے پر ترجیح ہو، تو شرکت میں مضائقہ نہیں، آج کل یہ تقریبات مقابلہ اور تفاخر کے لئے کی جاتی ہیں، حتیٰ کہ بڑے لوگ علماء وصلحاء تک اس میں مبتلا ہیں، نیز اکثر تقریبات میں لہو ولعب کا سامان یعنی راگ باجہ بھی ہوتا ہے، اور ایسی تقریبات میں شریک ہونا علماء وصلحاء کی شان کے خلاف ہے، کیونکہ ایسی تقریبات ہیبت وعظمت کو کھونے والی ہیں۔

عرس میں شرکت نہ کرنا چاہئے:

عہد:۴۰:... مشائخ، مریدوں سے عہد لیتے ہیں کہ عرسوں کی دعوت بھی قبول نہ کیا کریں، جو مسلمانوں کی قبروں پر کئے جاتے ہیں، بالخصوص اگر قبرستان میں عرس ہو تو بالکل نہ جاؤ، کیونکہ ان میں مسلمانوں، اولیاء اللہ اور شہداء کی قبروں کو پاخانہ، پیشاب، گدھے اور خچروں کی لید اور ان پر چلنے پھرنے سے ناپاک اور پلید کیا جاتا

ہے، قبروں پر کھانا پینا، چلنا پھرنا، پیشاب پاخانہ وغیرہ کرنا منع ہے، جس کی وجہ سے شرکتِ عرس کے لئے بلانا اور جانا بالکل بے اصل ہے، البتہ بزرگوں کی رُوحِ پاک کو کلام مجید بخشنا، طعام اور نقد وغیرہ کا ثواب بخشنا جائز ہے، اور جو چیز شرع میں نہیں ہے، اس کا کرنا ممنوع ہے۔

مشتبہ جگہ کی دعوت قبول نہ کرنا:

عہد:۴۱:... مشائخ، مریدوں سے یہ عہد بھی لیتے ہیں کہ ایسے لوگوں کے گھر کا کھانا نہ کھایا کریں جو کمانے میں حلال وحرام کا کچھ خیال نہیں کرتے، یا فخر و دِکھلاوے کے لئے دعوتیں کرتے ہیں، اخلاص اور محبت سے دعوت نہیں کرتے، یا دین فروشی کرکے دُنیا کماتے ہیں، جیسا کہ بعض درویشوں نے درویشی کو ذریعۂ معاش بنا رکھا ہے، کیونکہ یہ سب کھانے بخیل آدمی کے گھر کا کھانا کھانے کی طرح ظلمت اور گندگی پیدا کرتے ہیں۔

اسی طرح آج کل جمعرات اور قل خوانی وغیرہ کے طعاموں کے متعلق بزرگ یہی فرماتے ہیں، ہاں! اگر سخت ضرورت ہو تو کھانا دُرست ہے۔

جو عابد و زاہد اپنے دِین کے ذریعہ سے کماتا ہے، اس کی علامت یہ ہے کہ جب وہ نیند سے اُٹھتا ہے تو مدہوش کی طرح دیر تک اسے ہوش نہیں آتا۔

دِین فروشی نہ کرکے کھانے والے کی علامت یہ ہے کہ اگر وہ تمام اعمالِ صالحہ سے خالی بھی ہوجائے، جب بھی لوگ اس کی خدمت اور اس کے ساتھ احسان و سلوک کم نہ کریں گے، جس کے ساتھ لوگوں کو ایسی محبت ہو، اس کو اپنے دوستوں، شاگردوں اور مریدوں سے ہدایا قبول کرنا جائز ہے، اور اگر وہ یہ سمجھے کہ لوگوں نے میرا

اگر کوئی گناہ دیکھ لیا تو میری خدمت بند کردیں گے، تو یہ شخص دِین فروشی کرکے دُنیا کماتا اور کھاتا ہے۔

میں اسی ظلم کے لائق تھا:

عہد:۴۲:... مشائخ، مریدوں سے عہد لیتے ہیں کہ جب کوئی ظالم ان پر ظلم کرے تو اپنے آپ کو اس کا بلکہ اس سے بھی زیادہ کا مستحق سمجھیں، اور یہ خیال کریں کہ جو شخص آگ میں جلانے کے قابل تھا، وہ ذرا سی راکھ پڑنے سے کیسے ناخوش ہو؟ بلکہ خوش ہونا چاہئے کہ بڑی بلا سے نجات ملی:

''رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گزشت''

بندگانِ خدا تعالیٰ پر مصیبت گناہوں کی سزا میں نہیں آتی، مگر ان کے جسم کو تکلیف تو ہوتی ہے:

درد از یار است و درماں نیز ہم
دِل فدائے او شدہ جاں نیز ہم

معیارِ فرق یہ ہے کہ جس کو مصیبت سے پریشانی اور دِل کو بے چینی ہو، اس کے حق میں وہ مصیبت اور پریشانی سزا ہے، اور اگر دِل مصیبت و پریشانی سے بے چین نہ ہو تو وہ مصیبت اور پریشانی اس کے لئے نعمت ہے، اور اس کے درجے بلند کرنے کے لئے بھیجی گئی ہے۔

سائل کو واپس نہ کریں:

عہد:۴۳:... مشائخ، مریدوں سے عہد لیتے ہیں کہ کسی حاجت مند سائل کو کبھی خالی ہاتھ واپس نہ کریں، ہاں! سائل ایسی چیز کا سوال کرے کہ وہ آپ پورا نہ

کرسکیں یا اپنے کو اس چیز کی سخت ضرورت ہے، تو اس کے سوال کے رَدّ کرنے کا مضائقہ نہیں۔

ممتاز ہوکر نہ رہیں:

عہد:۴۴:... مشائخ، مریدوں سے عہد لیتے ہیں کہ جہاں تک ممکن ہو، اپنے بھائیوں سے کسی خصلتِ محمودہ میں ممتاز ہوکر نہ رہیں، کیونکہ اس سے دِل کی رونق بجھ جائے گی، لہٰذا امتیازی شان سے بچنا چاہئے کہ اس سے شہرت ہوتی ہے، اور شہرت موجبِ عجب و کبر وغیرہ ہے، ہاں! اگر کسی کو حق تعالیٰ نے مقتدا بنادیا ہو تو وہ معذور ہے، کیونکہ وہ خود اپنے کو ممتاز بنانا نہیں چاہتا، وہ ممتاز بنایا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی جانب کو اپنی جانب پر ترجیح دیا کریں:

عہد:۴۵:... مشائخ، مریدوں سے عہد لیتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی جانب کو ہمیشہ اپنی جانب پر ترجیح دیا کریں، اور کبھی ایسا کام نہ کیا کریں جو خدا تعالیٰ کی حفاظت و پناہ توڑنے کا سبب بن جائے، مثلاً: یتیم و مسکین خدا تعالیٰ کی پناہ میں ہیں، ان کو ایذا دے کر خدا تعالیٰ کی پناہ کو نہ توڑیں، اور جو صبح کی نماز جماعت سے پڑھتا ہے، اس کو تکلیف نہ دینا چاہئے، وہ دن بھر خدا کی پناہ میں رہتا ہے۔

حجاج بن یوسف باوجودیکہ نہایت سفاک تھا، لیکن وہ بھی ایسے شخص کا خون نہ کرتا تھا جس نے صبح کی نماز باجماعت پڑھی ہو، اس پر وہ کہتا کہ میں خدا تعالیٰ کی پناہ کو نہیں توڑتا۔

سیّد کی عزّت:

عہد:۴۶:... مشائخ، مریدوں سے عہد لیتے ہیں کہ آپ اپنے کو کسی سیّد

سے زیادہ نہ سمجھیں، اگر چہ وہ سیّد جاہل ہی ہو، اور تم عالم ہو، اسی طرح بہتر ہے کہ سیّد کی مطلقہ سے نکاح بھی نہ کریں، اگر چہ اُس نے تین طلاق دی ہو، اور نہ کسی ضرورت سے اُس سیّد سے خدمت لیں، اور اس ادب کا ہر سیّد کے ساتھ لحاظ کرنا چاہئے، خواہ اس کا نسب صحیح ہو یا اس میں کسی قسم کا شبہ ہو، اللہ تعالیٰ نے ان کو ہم پر جو فضیلت دی ہے، وہ ان کے کسی عمل یا بھلائی پر موقوف نہیں، بلکہ یہ فضیلت عنایتِ خاصہ کے سبب سے ہے، ہاں! اگر سیّد علی الاعلان فاسق ہو اور اس کی تعظیم سے دِین و قانون کا مفسدہ ہو، تو ایسے شخص کی تعظیم نہ کرنے میں مضائقہ نہیں۔

بیعت کی شرائط:

عہد ۴۷:... مشائخ، مریدوں سے عہد لیتے ہیں کہ اس وقت تک کسی سے خاص عہد یعنی بیعت وغیرہ نہ لیں جب تک وہ ان تمام حقوق کو ادا نہ کرے، جو اس کے اُوپر کسی مال یا آبرو کے متعلق ہیں۔ بیعت ہونے والا اوّل اپنے گناہوں سے توبہ کرے، اور پھر اگر کچھ عباداتِ واجبہ نماز وغیرہ اس کی فوت ہوئی ہوں، تو ان کو قضا کرنا شروع کرے، اور حقوق العباد کی ادائیگی کا بندوبست کرے۔ اگر یہ چیزیں نہیں کرتا تو اگر عمر بھر بھی ریاضت کرے گا، ہرگز مقصودِ حقیقی تک نہ پہنچے گا، اور علم بقدرِ ضرورت حاصل کرے، پھر شیخِ کامل سے کچھ حاصل کرے:

در رہِ لیلیٰ خطرہا است بجان
شرطِ اوّل آنست کہ مجنوں باشی

بیعت کے بعد شیخ پر لازم ہے:

عہد: ۴۸:... مشائخ، مریدوں سے عہد لیتے ہیں کہ جب مرید سے عہد

لے چکیں، یعنی سلسلہ سلوک میں داخل کرلیں تو اس مرید کی نگاہ داشت سے غفلت نہ کریں، اگر اس میں کوئی بُری بات دیکھیں تو اس پر روک ٹوک کریں، اس کی مرضی پر اسے نہ چھوڑیں، شیخ کا مرید پر سختی کرنا عینِ شفقت ہے، مرید کو بد پرہیزی پر تنبیہ کرنا عینِ رحمت ہے، اس پر شیخ پوری ہمت و توجہ خرچ کرے، ورنہ عہد میں خیانت ہوئی۔

پیر بھائی کی زیارت:

عہد:۴۹:... مشائخ، مریدوں سے بار بار عہد لیتے ہیں کہ وہ اپنے سب پیر بھائیوں کی، خواہ مخلص ہوں یا نہ ہوں، زیارت کرتے رہا کریں، ان کے پاس پیادہ اور پیدل چل کر بھی جائیں، شرعی سنتیں محض بہانوں سے نہیں چھوٹ سکتیں۔

یادداشت کا طریقہ:

عہد:۵۰:... مشائخ، مریدوں سے بار بار عہد لیتے ہیں کہ جب تک ہم کھانے پینے، پیر پھیلانے اور سونے سے پہلے زبان سے یا فقط دِل سے بہ دستور ''یا اللہ'' یعنی اے خداوندا! میں اجازت چاہتا ہوں نہ کہہ لیں، اس وقت تک کوئی کام شروع نہ کیا کریں، اگرچہ شریعت کی طرف سے ہم کو اس کے بغیر بھی ان کاموں کی اجازت ہے، لیکن زیادہ ادب اس میں ہے کہ ہم بدستور ''یا اللہ'' کہہ لیا کریں، بلکہ یہ یادداشت پیدا ہونے کا بڑا عجیب طریقہ ہے۔

راز اس میں یہ ہے کہ جب کوئی سلاطین و حکام کے دربار میں جانا چاہتا ہے تو پہلے ادب سے اجازت مانگا کرتا ہے، تو یہ سالک بھی جب کوئی کام کھانے پینے وغیرہ کا کرے تو لفظِ ''یا اللہ'' سے اجازت طلب کرے۔

مصیبت زدہ کی حاجت روائی ضرور کریں:

عہد:۵۱:... مشائخ، مریدوں سے عہد لیتے ہیں کہ کسی مصیبت زدہ کی

حاجت روائی سے چھپ کر نہ بیٹھیں، البتہ کوئی معقول عذر ہو تو اور بات ہے، مثلاً: غلبۂ حال سے کسی سے بات نہ کرسکتا ہو۔

حکومت میں دخل نہ دیں:

عہد:۵۲:... مشائخ، مریدوں سے عہد لیتے ہیں کہ حوائجِ متعلقہ سلطنت و حکومت میں دخل نہ دیا کریں، یعنی ایسے اُمور میں دخل نہ دیں کہ مقدمات وغیرہ میں توجہ اور ہمت کی درخواست کریں، پس مشائخ کو چاہئے کہ مقدمات وغیرہ کے تعویذوں وغیرہ میں مشغول ہوکر اپنے اوراد و وظائف کو ضائع مت کریں، اگر لوگ نہیں چھوڑتے تو پھر زاری سے درخواست کرے کہ: ''اے اللہ! مجھے نفس کے حوالے نہ فرمائیے۔''

مجامعت کے بعد بغیر غسل نہ سویا کریں:

عہد:۵۳:... مشائخ، مریدوں سے عہد لیتے ہیں کہ مجامعت و جنابت کی حالت میں نہ سویا کریں، پس اپنے متعلقین کو حکم کریں کہ مجامعت اخیر شب میں کریں اور فوراً غسل کرلیا کریں، تاکہ رُوحِ انسانی حق تعالیٰ شانہ کی جناب میں رَدّ نہ کی جائے، نیز رحمت کے فرشتے سونے والے کے ساتھ رہ سکیں، اور جنابت کی حالت میں سوجانا گو شرعاً حرام نہیں، مگر رُوحانیت کی ترقی کے خلاف ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ضعفائے اُمت کے لئے جائز فرمایا ہے، اور مناسب ہے کہ حدثِ اصغر یعنی بے وضو ہونے کی حالت میں بھی نہ سوئیں، کم از کم تیمّم کرکے سوئیں، اس طرح باطنی طہارت کرکے سوئیں، یعنی سوتے وقت کسی سے حسد، کینہ، خیانت، مکر و فریب یا تکبر وغیرہ دِل میں لے کر یا خدا تعالیٰ کی کسی تقدیر پر ناراض ہوکر نہ سوئیں، بلکہ توبہ و اِستغفار کرلینا چاہئے، کیونکہ ممکن ہے کہ نیند میں فوت ہوجائے تو اس کا خاتمہ بُرا نہ ہو۔

مجلسِ ذکر کی حمایت:

عہد:۵۴:... مشائخ، مریدوں سے عہد لیتے ہیں کہ اگر تمہاری وجہ سے ذِکر اللہ، تلاوتِ قرآن مجید یا دُرود شریف کی مجلس میں بزرگ جمع ہوتے ہیں، اور کسی دن تم نہیں جاسکتے، اور مجلس لوگوں سے خالی رہی، یا لوگ کم آئے تو تم پر واجب ہے کہ اس کی قضا کرو، جس قدر ذکر یا تلاوت میں سب لوگ جمع ہوا کرتے تھے، اسی طرح تم تن تنہا بیٹھ کر پورا کرو، تاکہ ارشادِ الٰہی: "وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرَاتِ" (آل عمران:۱۱۴) پر عمل ہوجائے۔

طعن کرنے والے کو نصیحت:

عہد:۵۵:... مشائخ، مریدوں سے عہد لیتے ہیں کہ جب کسی کو کسی پر اعتراض، طعن یا بے آبروئی کرتا دیکھو، تو حکمت اور عمدہ نصیحت سے اس کا علاج کیا کرو۔ طعن وغیرہ وہی کرتا ہے جس کے دِل میں اپنی بڑائی اور دُوسرے کی حقارت ہو، حقیقت میں یہ طعن کرنے والا خود ہی اس مطعون سے بُرا ہے۔

ان راتوں میں کم سویا کریں:

عہد:۵۶:... مشائخ، مریدوں سے عہد لیتے ہیں کہ تم پچھلی تہائی رات نہ سویا کرو، اسی طرح جمعہ کی رات، شعبان کی پندرھویں رات، شبِ قدر کی راتوں اور عیدالفطر و عیدالاضحیٰ کی راتوں میں کم سویا کریں، ہاں! معذوری ہوتو اور بات ہے، کیونکہ یہ اوقات جلوسِ شاہی اور دربارِ سلطانی کے ہیں۔

عزیز! عالم غیب کا انتظام بھی عالم ظاہر کی مملکت کے مشابہ ہے، ایسے دربار میں محرومی، تمام محرومی ہے۔

نفس کے باریک مکر کو خوب سوچیں:

عہد:٥٧:... مشائخ، مریدوں سے عہد لیتے ہیں کہ جب تک اپنے نفس کے باریک دھوکوں کی مبالغہ کے ساتھ تفتیش نہ کرلیں، اس وقت تک کسی مسلمان سے قطع تعلق اور بول چال بند نہ کریں، کیونکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ حقیقت میں محض حظِ نفس کے لئے قطع تعلق کرتا ہے، لیکن نفس کہتا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے واسطے قطع تعلق کر رہا ہوں۔

طاعت کرنے سے حق ادا نہ سمجھیں:

عہد:٥٨:... مشائخ، مریدوں سے عہد لیتے ہیں کہ جتنا بھی طاعت کریں، یہ نہ سمجھیں کہ ہم نے حق تعالیٰ کا کچھ حق ادا کرلیا ہے، بلکہ یہ سمجھے کہ جو کچھ طاعت ہو رہی ہے، محض اس کی توفیق سے ہے:

منت منہ کہ خدمتِ سلطان ہمے کنی
منت از و شمار کہ بخدمت بداشتت
جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

مدح کرنے والوں کو روکیں:

عہد:٥٩:... مشائخ، مریدوں سے عہد لیتے ہیں کہ جو کوئی شعر یا نثر میں تمہاری مدح کرے، خواہ تنہائی میں یا مجمع میں، اس کو ڈانٹ دیا کریں، حمد کے لائق حق

تعالیٰ کی ذات ہے، پس جو کوئی اپنی مدح کرتا یا سنتا ہے، وہ بھی اپنے کو لائقِ حمد سمجھتا ہے، تو حق تعالیٰ کے ساتھ ایک گونہ شرکت کو اس نے پسند کیا ہے، اور ذرا سا شرک بھی کفرِ طریقت ہے، اگر کوئی کہے کہ مدح سے مجھ میں تغیر نہیں ہوتا، تو کیا مذمت سننے کے وقت بھی اسے تغیر نہیں ہوتا؟ اگر ہوتا ہے تو وہ اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہے۔

سیّدی احمد کبیر رفاعی رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ ہے کہ:

''جو شخص تمام احوال میں اپنے نفس کو متہم نہ سمجھے، اس کا نام مردانِ طریقت میں نہیں لکھا جاسکتا۔''

پھر ہم جیسوں میں کوئی کیا دعویٰ کرسکتا ہے؟

مدح کرنے والے کو نرمی سے سمجھائیں:

عہد:٦٠:... مشائخ، مریدوں سے عہد لیتے ہیں کہ جو کوئی تمہاری مدح کرے، اس کے منہ میں مٹی جھونک دیا کریں۔

شیخ محی الدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

''تعریف کرنے والے کے سامنے مٹی رکھ دیں، اور نرمی سے کہیں کہ: جو مٹی سے پیدا ہوا، وہ کب اس قابل ہے کہ تم اس کی مدح کرو؟''

خادمِ مسجد سے دُشمنی نہ کریں:

عہد:٦١:... مشائخ، مریدوں سے عہد لیتے ہیں کہ تم مؤذّن یا کسی خادمِ مسجد سے، جس قسم کا بھی خادم ہو، دُشمنی پیدا نہ کرو، جبکہ یہ لوگ اپنے فرضِ منصبی کو

محض ثواب سمجھ کر یا کسی اور اچھی نیت سے کرتے ہوں، البتہ کسی ضرورتِ شرعی سے اگر عداوت کی جائے تو مضائقہ نہیں، مثلاً: یہ لوگ کسی حرام کام میں مشغول ہوں۔ یہی برتاؤ سب مسلمانوں سے ہونا چاہئے، اس کی مثال ایسی ہے جیسا کہ فقہاء نے فرمایا ہے کہ: روزہ دار کے لئے ہی غیبت سے بچنا ضروری ہے، حالانکہ غیبت سے بچنا سب کے لئے ضروری ہے، مگر روزہ دار کو خصوصیت کے ساتھ اس سے بچنے کا حکم کیا گیا ہے۔

آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

والصلوة والسلام علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ واتباعہ اجمعین من الصلوة والسلام افضلہما واکملہما وادومہما

سبحانک اللہم وبحمدک اشہد ان لا الہ الا انت استغفرک واتوب الیک

اللہم تقبل منا انک انت السمیع العلیم، اللہم آمین!

(ماہِ رجب ۱۳۷۵ھ)

اذکارِ سلسلۂ قادریہ رضی اللہ عنہم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامداً ومصلیاً، اما بعد!

جاننا چاہئے کہ سلسلۂ قادریہ کے بزرگوں (رحمہم اللہ و رضی اللہ تعالیٰ عنہم) سے سلسلے کے، اسباق کی ترکیبات اور ترتیبات مختلف طور سے منقول ہیں۔

یہ بزرگ، مریدین کو حسبِ طبائع و استعداد ذکر و اذکار بتلاتے ہیں، پھر ایک ذکر مثلاً: ''لا اِلٰہ اِلا اللہ'' ہے، اس کی ترکیب بھی علیحدہ علیحدہ تعلیم فرماتے ہیں، کبھی کسی کو ''لا'' ناف سے سر تک، اور ''اِلٰہ'' دائیں مونڈھے پر، اور ''اِلا اللہ'' کو قلب پر، اور بعض کو یہ ترکیب تعلیم فرماتے ہیں جو ذیل میں مسطور ہے، یعنی ''لا'' کو قلب سے رُوح تک، اور ''اِلٰہ'' کو لطیفہ سر پر، اور ''اِلا اللہ'' کو قلب پر۔ خلاصہ یہ کہ ہر سبق کی ترکیبیں بھی مختلف ہیں، اور معانی کا تصوّر بھی علیحدہ علیحدہ ہے، مثلاً: ''لا اِلٰہ اِلاَّ اللہ'' کے معانی کا تصوّر: ''نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے'' یا ''نہیں کوئی مقصود سوائے اللہ کے'' ہے، بعض بزرگ کسی ایک معنی کا تصوّر تعلیم فرماتے ہیں اور بعض تمام معانی مذکور کا تصوّر کراتے ہیں، مگر ترتیب کے ساتھ۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو عافیت سے تمام کمالات نصیب فرمائے، اب اسباق پیشِ خدمت ہیں:

سبق ۱:...ذکرِ قلبی:

زبان سے ''اللہ'' کہنا اور اس کی ضرب دِل پر لگانا، ایک ہزار یا بارہ سو بار پڑھے۔

سبق ۲:...ذکرِ رُوحی:

زبان سے ''اللہ'' کہنا اور اس کی ضرب لطیفۂ رُوح پر لگانا، لطیفۂ رُوح دائیں جانب دِل کے محاذات میں ہے، ایک ہزار یا بارہ سو پڑھے۔

سبق ۳:...ذکرِ سری:

زبان سے ''اللہ'' کہنا اور لطیفۂ قلبی اور رُوحی کے درمیانی مقام پر ضرب لگانا، ایک ہزار یا بارہ سو ذکر کرے۔

سبق ۴:...ذکرِ نفسی:

زبان سے ''اللہ'' کہنا اور ناف کے نیچے ضرب لگانا، ایک ہزار یا بارہ سو ذکر کرے۔

فائدہ:...شیخ جب ذکرِ نفسی بتلائے تو آئندہ کے لئے ذکر کی ابتدا نفسی سے کرنے کا حکم فرمائے۔

سبق ۵:...ذکرِ خفی:

زبان سے ''اللہ'' کہنا اور پیشانی کی سطح پر ضرب لگانا، ایک ہزار یا بارہ سو ذکر کرے۔

سبق ۶:...ذکرِ اخفیٰ:

زبان سے ''اللہ'' کہنا اور سر کی چوٹی یعنی تالو کے مقام پر ضرب لگانا، ایک ہزار یا بارہ سو ذکر کرے۔

سبق۷:... پاس انفاس:

قلبی، رُوحی اور سری تینوں لطائف پر سے لفظ ''اللہ'' کو سانس کے ساتھ خیال کے ذریعہ اُوپر اخفیٰ تک لے جانا، اور پھر وہاں سے سانس چھوڑتے ہوئے لفظ ''ھوٗ'' خیال کے ذریعہ ناک سے نکالنا، اور ایک وقت میں نہ کریں، بلکہ ایک تسبیح (ایک سو) پڑھ کر، اگلی تسبیح بعد میں کریں، تاکہ دِماغ ضعیف نہ ہوجائے۔

سبق۸:... ذکرِ ارّہ:

زبان سے لفظ ''اللہ'' کہتے ہوئے داہنے مونڈھے سے شروع کریں، اور لطیفہ رُوحی یا لطیفہ سری پر سے گزارتے ہوئے لطیفۂ قلبی پر لفظ ''ھوٗ'' کہہ کر ختم کریں۔

سبق۹:... مراقبہ سبع صفات:

تمام لطائف پر زبان سے کہے ''بصیر میں نہیں، تُو ہے، کلیم میں نہیں، تُو ہے، سمیع میں نہیں، تُو ہے، حی میں نہیں، تُو ہے، قدیر میں نہیں، تُو ہے، مرید میں نہیں، تُو ہے، علیم میں نہیں، تُو ہے'' یہ ایک دور ہوگا، اس طرح تین دور یا جتنا ہوسکے کرے۔

سبق۱۰:... سلطان الاذکار:

ناف سے لفظ ''اللہ'' کو خیال سے اُوپر عرشِ معلّیٰ تک لے جانا اور خیال کرنا کہ ملائکہ عظام تسبیح میں مشغول ہیں، اور چار ملائکہ: جبرائیل، میکائیل، عزرائیل اور اسرافیل کی آواز کانوں سے سن رہا ہوں، اور پھر عرشِ معلّیٰ سے لفظ ''ھوٗ'' خیال کے ذریعہ نیچے تحت الثریٰ تک پہنچادے۔

سبق ۱۱:...نفی اثبات:

حبس دم کر کے خیال کے ذریعہ ''لا'' کو ناف سے لطیفہ سری تک کھینچے، پھر ''اِلٰہ'' کے ''الف'' کو سری سے، ''ل'' کو خفی سے اور ''ہ'' کو اخفی سے خیال کے ذریعہ ادا کرے، پھر لطیفہ رُوحی پر آکر ''اِلَّا'' کے ''الف'' کو رُوحی سے، ''لا'' کو سری سے اور لفظ ''اللہ'' کو قلب سے خیال کے ذریعہ کہتا رہے، جب سانس گھٹنے لگے تو لطائفِ ستہ پر خیال کے ذریعہ ''محمد رسول اللہ'' کہے۔

سبق ۱۲:...مراقبہ نورانی:

لطائفِ ستہ (قلب، رُوح، سرّ، خفی، اَخفی اور نفس) پر بیک وقت اسمِ ذات ''اللہ'' کو چمکتا ہوا خیال کرے، ''اللّٰھم صل علٰی سیّدنا محمدٍ النبی الاُمی واٰلہٖ وبارک وسلم'' تین سو بار پڑھے۔

ترکیب:... گیارہ دفعہ سورۂ اِخلاص پڑھ کر شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کو ثواب پہنچائے، ذکرِ جہر میں: افضل الذکر ''لا اِلٰہ اِلا اللہ محمد رسول اللہ'' (صلی اللہ علیہ وسلم) تین دفعہ کہہ کر ''لا اِلٰہ اِلا اللہ'' کہتا رہے، دس تسبیح (یعنی ایک ہزار مرتبہ پڑھے)۔ پھر ''اِلا اللہ'' دس تسبیح، پھر ''اللہ'' دس تسبیح اور پھر ''ھو'' دس تسبیح پڑھے، بعدۂ مراقبہ کرے۔ پھر تین، پانچ یا سات دفعہ لفظ ''اللہ'' قلب پر زبان سے کہہ کر دُعا کرے۔عوام وخواص کے لئے یہی اسباق ہیں، اور اَخص الخواص کے لئے اور اسباق بھی ہیں۔

دیگر اسباق ومراقبات:

بعض برزگ ''وَاللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطٌ''، ''نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ'' اور ''یُحِبُّھُمْ وَیُحِبُّوْنَہٗ'' وغیرہ کا مراقبہ بھی کراتے ہیں۔

بعض بزرگ "اَللّٰہُ حَاضِرِیْ، اَللّٰہُ نَاظِرِیْ، اَللّٰہُ مَعِیْ" اَذکار کے بعد پڑھنا تعلیم فرماتے ہیں، اور پاس انفاس کا ذکر زیادہ کراتے ہیں، اُوپر سانس جائے "ھو، ھو" ناک سے یا منہ سے سانس اندر جائے، قلب پر "اللہ" آئے، اس کی مداومت کرے۔

اٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین
والصلوٰۃ والسلام علیٰ حبیبہ محمد والہٖ واصحابہٖ
واتباعہٖ اجمعین

عبداللہ عفی عنہ
نقشبندی قادری بہلوی شجاع آبادی
۵/رجب ۱۳۸۹ھ

فوائد مہماتِ تصوف و دفعِ مغالطات



تصوف کے اہم اُمور اور مُغالطوں کا ازالہ



قطب الارشاد حضرت مولانا محمد عبداللہ بہلوی قدس سرہ

بِسۡمِ اللهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
رَبِّ یَسِّرۡ وَتَمِّمۡ بِالۡخَیۡرِ
وَتَقَبَّلۡ مِنَّا اِنَّکَ اَنۡتَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ
اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ وَحۡدَهٗ لا شَرِیۡکَ لَهٗ لَهُ الۡمُلۡکُ وَلَهُ
التَّصَرُّفُ وَلَهُ النِّعۡمَةُ لا اِلٰهَ غَیۡرُهٗ مِنۡهُ التَّوۡفِیۡقُ وَالۡهِدَایَةُ
وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلامُ عَلٰی نَبِیِّهٖ خَیۡرِ خَلۡقِهٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ
وَّاٰلِهٖ وَاَصۡحَابِهٖ وَاَتۡبَاعِهٖ زِنَةَ عَرۡشِهٖ وَمِدَادَ کَلِمَاتِهٖ وَرِضٰی
نَفۡسِهٖ دَائِمًا بِدَوَامِ ذَاتِهٖ وَصِفَاتِهٖ، اَمَّا بَعۡدُ.

تصوّف دراصل عینِ اسلام بلکہ کمالِ اسلام کا نام ہے، یا دین کی رُوح، معنی، کیف اور کمال کا نام ہے، اور بغیر صوفی بنے اسلام کی دینی، دُنیوی، انفرادی، اجتماعی، قومی اور سیاسی برکات وثمرات سے کما حقہ ہم کنار ہونا عملاً ناممکن ہے، مگر بدقسمتی سے دین کے تمام شعبوں سے زیادہ اس میں غلطیاں، بلکہ گمراہیاں سرایت کرگئی ہیں، جس کی بدولت رہا سہا دِین بھی معنویت سے خالی، بے جان اور بے کیف ہوکر رہ گیا ہے، جس کی حقیقت پر پردے پڑگئے، اوراس کی تابانی پر بدعات کی ظلمت غالب آگئی اور دُکان دار صوفیوں کے ہاتھوں تصوّف بھی کسبِ معاش کے فنون میں سے ایک فن بن کر رہ گیا، اس کے علاوہ جہاں کہیں اس کا وجود رہا، وہ بھی چند فلسفیانہ خیالات کا

مجموعہ بن کر رہ گیا، اوراد و وظائف کا نصاب معین ہوکر صرف خلافت ملنا مقصد بن گیا، سلف صالحین نے اس فن کے جو ابواب و مسائل منقح کئے تھے، وہ بالکل فراموش ہوگئے، اور جہاں کسی قدر اس کا نام ونشان رہا، وہاں بھی وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کی ناقابلِ افہام و تفہیم، بلکہ ناقص تعبیرات، اور اعمال میں صرف ذکر، فکر اور مراقبہ کے چند اُصول پر اکتفا ہوا، طریقت و شریعت کو متضاد و مقابل ٹھہرالیا گیا، تصحیحِ عقائد، تحسینِ عبادت، اتباعِ سنت، اصلاحِ اعمال، ادائے حقوق العباد، ازالۂ رذائل اور تحصیلِ محامد (محاسن) اکثر جگہ سے مٹ گئے۔

علمائے ظاہر، چونکہ باطن کے منکر یا اس سے ناآشنا تھے، اس لئے صوفیوں کے نزدیک ان کی نصیحت بے قدر ہوئی، اور یہ سمجھا گیا کہ یہ لوگ طریقت کے راز سے واقف نہیں، لہٰذا ان کی بات سننے کے قابل نہیں، اور علمائے ظاہر، تصوف کے منکر یا ناآشنا ہونے کی بنا پر دکان دار صوفیوں کو دیکھ کر اصل فنِ سلوک کو ضلالت و گمراہی قرار دینے لگے، اور اس کے اُصول و مسائل کو خلافِ شریعت و خلافِ سنت سمجھنے لگے۔

یہ بھی نہیں کہ علمائے حق اور صوفیائے برحق کا بالکل وجود ہی نہ تھا، بلکہ کہیں کہیں ان کے فیوض و برکات بھی جاری تھے، مگر محدود حلقوں میں تھے، اور اس فن کی تدوین، ترتیب، اُصول، تحقیقِ مسائل، تالیفِ رسائل اور اصل سلوک کے مضامین کو کتاب، سنت، سلف صالحین اور اولیائے کرام کی تشریح و توضیح سے ملاکر دیکھنے کا کام بہت کم تھا۔ رَدِّ شبہات، دفعِ شکوک اور رفعِ اوہام کے لئے کوئی سلسلہ نہ تھا، اللہ تعالیٰ نے حکیم الاُمت، مجدّد الملّت، حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ و رضی عنہ کو اس کی توفیق بخشی کہ انہوں نے ہر فن کے اور خصوصاً تصوّف کے اُصول وضوابط بیان فرمائے، تمام شکوک وشبہات کو دفع کیا، تمام اوہام کا جواب دیا، شریعت، طریقت، حقیقت اور ناسوت وملکوت کے توافق، تطابق، دقائق اور حقائق کو شریعت وسنت کے

معیار میں بیان کر کے چھلکے کو مغز سے، اور صحیح صوفیوں کو بناوٹی دُکان دار صوفی سے ممتاز کر کے عوام و خواص کے لئے نصف النہار کے سورج کی طرح ظاہر و باہر کر دیا، جَزَاہُ اللہُ تَعَالٰی فِی الدَّارَیْنِ خَیْرًا!

حضرت دام فیوضہ اور دُوسرے اخیارِ کرام کی کتب سے حقائق، دقائق اور دفعِ شبہات کی چند چیزیں پیشِ خدمت ہیں، گو بندہ اس کا اہل نہیں، مگر: ''مَنْ لَّمْ یُدْرِکْ کُلَّہٗ لَمْ یَتْرُکْ کُلَّہٗ'' (جو شخص ساری چیز نہیں پاسکتا، تو جو کچھ تھوڑا بہت پاسکتا ہے، اس کو نہ چھوڑے) کے مصداق چند چیزیں پیش کی جاتی ہیں، وَاللہُ الْمُوَفِّقُ وَمِنْہُ الْقَبُوْلُ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللہِ!

تصوّف کیا چیز ہے؟

یاد رکھنا چاہئے کہ جس طرح انسانِ کامل کے دو رُخ ہیں: ظاہر و باطن یا قلب و قالب، اسی طرح دِینِ کامل کے بھی دو رُخ ہیں: شریعت و طریقت۔ جیسے محض جسم کا نام انسان نہیں، بلکہ رُوح مع الجسد کا نام انسان ہے، ویسے ہی دِین بھی محض نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ اَحکام کا نام نہیں، بلکہ نماز میں خشوع اور اِخلاص کا ہونا بھی ضروری ہے، ریا والی نماز کسی کام کی نہیں، زکوٰۃ سے دفعِ بخل اور مال کی قربانی، روزہ سے شہوتِ نفس کا توڑ بھی ضروری ہے، اسی طرح حج کے اَحکام: اِحرام، طواف، عرفات و منیٰ وغیرہ کا بجالانا ضروری ہے، ویسے ہی ان سے مال، جان اور وطن وغیرہ کی قربانی کا جذبہ اور ربّ تعالیٰ کے فرمان پر عشقِ رحمٰن و رحیم، اور توحید کا سبق حاصل کرنا بھی ضروری ہے۔ علیٰ ہذا القیاس ہر حکمِ شریعت کا قانونِ شریعت کے مطابق کرنا جیسے ضروری ہے، ویسے ہی اس کی روایت و طریقت کا حصول بھی ضروری ہے۔ یہی چیزیں یعنی خشوع، اِخلاص، توکل، تسلیم وغیرہ، طریقت ہیں، جو کہ جزوِ شریعت، اور

قرآن و حدیث میں مذکور ہیں، اور باطن و رُوحانیت ہیں۔ اور شریعت اس مجموعۂ ظاہر و باطن کا نام ہے۔

چنانچہ جیسے قرآنِ کریم میں: ''اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ''، ''وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ''، ''کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ''، ''وَلِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ'' وغیرہ ہے، ویسے ہی: ''قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَکّٰھَا''، ''اَلَا لِلّٰہِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ''، ''وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ''، ''یُحِبُّھُمْ وَیُحِبُّوْنَہٗ''، ''مَنْ اَتَی اللّٰہَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ'' بھی ہے، پس جس طرح اعمالِ ظاہرہ حکمِ خداوندی ہیں، ویسے ہی اعمالِ باطنہ بھی حکمِ خداوندی ہیں۔

پس طریقت، شریعت کا جزو ہے، نہ کہ غیرِ شریعت، جیسے کتاب ''قدوری'' ابواب الطہارت، ابواب الصلوٰۃ، ابواب الزکوٰۃ اور ابواب البیوع وغیرہ کے مجموعہ کا نام ہے، نہ کہ ایک، ایک علیحدہ باب کا، ایسے ہی شریعت اس مجموعۂ ظاہر و باطن کا نام ہے۔ اگر شریعت کے ظاہری اعمال و اَحکام پر عمل کرنا ضروری ہے، تو باطنی اَحکامِ شریعت کا حصول و وصول بھی ضروری ہے، اور اسی کا نام تصوّف ہے۔ پس تصوّف تعمیر الظاہر والباطن کو کہا جاتا ہے، نہ محض ظاہری اَحکام و اعمال کا حصول تصوّف ہے، نہ محض باطنی اعمال اِخلاص، شکر وغیرہ کا حصول تصوّف ہے، بلکہ ظاہری اور باطنی اعمال کے مجموعہ کے حصول کا نام تصوّف ہے، اور اسی کا نام شریعت ہے۔ پس تصوّف و شریعت ایک دُوسرے کے عین ہیں، ایک دُوسرے کے لازم و ملزوم نہیں، اور ایک دُوسرے کے مغائر و مقابل بھی نہیں، فافہم!

تصوّف کے بغیر مسلمان، کامل مسلمان نہیں رہ سکتا!

جب شریعت و تصوّف ایک دُوسرے کے عین ہیں، تو جیسے بغیر شریعت کے کوئی شخص مسلمان نہیں رہ سکتا، ویسے ہی بغیر تصوّف کے بھی کوئی شخص مسلمان نہیں رہ

سکتا، جو شریعت کا منکر ہے، وہ تصوّف کا منکر ہے، اور جو تصوّف کا منکر ہے، وہ شریعت کا منکر ہے، اگر اس پر کسی کو چڑ آئے یا غصّے سے بھر جائے تو در حقیقت وہ تصوّف کا معنی و مطلب ہی نہیں سمجھا۔

ایک مغالطے کا ازالہ:

بعض لوگوں نے قلب و باطن کے تزکیہ و صفائی پر اس قدر زور دیا ہے کہ گویا سارا تصوّف یہی ہے، اور چونکہ غیر مسلم اشراقیہ اور خصوصاً ہندوستان کے جوگیوں میں تزکیہ و صفائی بکثرت پائی جاتی ہے، اور بڑے خوارق کے ساتھ پائی جاتی ہے، اس لئے ان کو بھی بہتوں نے صوفی ہی سمجھ رکھا ہے، اور ''اَلصُّوفِيُّ لَا مَذْهَبَ لَهٗ'' کا مقولہ پڑھ کر صوفی کو اسلام کی قید سے بھی خارج اور آزاد سمجھ لیا ہے۔

جواب:... اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہے: ''قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا'' (الشّمس:۹) (جس نے تزکیہ کیا، وہ کامیاب ہوا)، اس سے وہ تزکیہ مراد ہے جو موجبِ فلاح ہو، اور وہ اِتباعِ شریعت میں منحصر ہے، کیونکہ قرآنِ کریم کا اعلان ہے:

''وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ''

(آل عمران:۸۵)

ترجمہ:... ''جس نے اسلام کے سوا (زندگی گزارنے کا) کوئی طریقہ اختیار کیا، اس کو بالکل قبول نہ کیا جائے گا۔''

پس جوگی وغیرہ جو ریاضت کرتے ہیں، وہ سرے سے صفائی ہی نہیں، یا لغوی معنی کے اعتبار سے اگر اُسے صفائی کہو تو ساتھ ہی ''غیر مقبول'' بھی کہنا پڑے گا، اس معنی کے اعتبار سے صفائی دو قسم کی ہوئی: صفائی مقبول اور صفائی مردود۔

صفائیست در آب و آئینہ نیز
لیکن صفا را باید تمیز

صفائی مقبول وہ ہے جو خدا تعالیٰ کو پسند ہے، اور وہ اِتباعِ شریعت ہے اور بس، اور مقولہ: "اَلصُّوْفِیُّ لَا مَذْهَبَ لَهٗ" کا یہ مطلب نہیں کہ کافر بھی صوفی ہوسکتا ہے، بلکہ یہ مطلب ہے کہ صوفی کو حقیقتِ حق معلوم ہونے کے بعد وہ کسی خاص راستے کا مقید نہیں، بلکہ جو چیز یقینی مشروح ہوجائے، اسی کا معتقد اور اس پر عامل ہوتا ہے، علم الیقین سے عین الیقین کا نصیب ہونا، قرآن مجید یا حدیثِ صحیح سے ہوگا، وگرنہ اِلہام اور کشف تو ظنی چیزیں ہیں، قطعی اور یقینی نہیں ہیں۔ کشف کونی تو ابنِ صیاد کو، جس پر دجال ہونے کا شبہ تھا، بھی حاصل تھا (کذا فی صحیح مسلم)۔ پس تصوّفِ اسلام وہی ہے جو اِتباعِ شریعت میں ہے، اِتباعِ شریعت کے سوا تصوّف، اسلام نہیں۔

شعلے اُٹھیں ہزار، تجلّی مگر کہاں؟
یہ آگ ہے ضرور، مگر طور کی نہیں!

دُوسرا مغالطہ:

اکثر علمائے ظاہر کو یہ دھوکا ہوا ہے کہ: حضراتِ صوفیہ کے بہت سے حقائق، معارف، اذکار، اشغال، مجاہدات، مراقبات، احوال، کیفیات، کشف، کرامات، ترکِ لذّت، ترکِ تعلقات، بیعت، نسبت، رسوم اور عادات وغیرہ کی خاص خاص صورتوں کا کتاب وسنت کی عام ومنصوص تعلیمات میں بظاہر کہیں نام ونشان نہیں ہے، جس سے یہ مغالطہ ہوگیا کہ تصوّف وطریقت کی اصل اور حقیقت یہی بدعات ہیں۔

جواب:... اس کا جواب یہ ہے کہ تصوّف کے بارے میں دوست، دُشمن، معتقد اور منکر سب ہی ایک مشترک غلطی میں پڑ گئے ہیں کہ ان چیزوں کو تصوّف کے مقاصد و غایات سمجھ لیا گیا ہے، حالانکہ اُن کی اصل حیثیت تدبیر و مقدّمات یا آثار و ثمرات کی ہے، اور یہ چیزیں مقاصدِ تصوّف قطعاً نہیں، اس لئے ان کو بدعات کہنا

سرے سے غلط ہے۔

کیونکہ بدعت نام ہے اِحداث فی الدین کا، یعنی دِین میں دِین کا مقصد جان کر کسی نئی چیز کا اضافہ کرنا، نہ کہ اِحداث لِلدِّین یعنی مقاصدِ دِین کے حصول کے لئے تجربہ کی بنا پر کسی نئی تدبیر کا اختیار کرنا، جیسے طب میں صحت کے حصول کے لئے نئی نئی تدابیر و ادویہ کا تجربہ اور اضافہ ہوا کرتا ہے، یا خود دِین میں علومِ دِین کی حفاظت و اشاعت کے لئے مدرسے کھولنا، کتب خانے قائم کرنا، درس و تدریس کے لئے نصابِ تعلیم کی نئی نئی صورتیں تجویز کرنا، امتحانی سند دینا، یہ سب باتیں نئی یا اضافے ہیں، لیکن چونکہ اِحداث لِلدِّین ہیں، یعنی یہ اضافے دِین کی اشاعت کے لئے ہیں، اس لئے بدعات نہیں، اور نہ ہی ان کی اصل اور بنیاد کتاب و سنت میں ڈھونڈنے کی ضرورت ہے۔

مثلاً: نماز میں خشوع: "هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ"، اور حضورِ قلب "لَا صلوٰۃ اِلَّا بحضور القلب" مقصود و مأمور ہے، اور تجربہ سے ذکر، شغل یا مراقبہ کی کوئی خاص صورت و ہیئت جو اس مقصد کے حصول میں معین ہو، اور اس میں کوئی شرعی ممانعت بھی نہ ہو، اس کو خود ایجاد و اختیار کر لینا یا دُوسرے لوگوں سے معلوم کر لینا، ایسا ہی ہے جیسے جہاد کے لئے تیر و تفنگ کے بجائے بندوق اور مشین گن کا خریدنا اور سیکھنا، اور صوفیہ کے ہاں پاس انفاس کا جو شغل ہے، اس سے یکسوئی ہوتی ہے اور خطرات دفع ہوجاتے ہیں۔

اسی طرح ذکر کے مختلف طُرق ہیں، جس کو جس طریق میں جمعیت خاطر ہو، اسے وہی اختیار کرنا چاہئے، کیونکہ جمعیت خاطر گو خود مقصود نہیں، لیکن حصولِ مقصود کا مقدمہ اور پیش خیمہ ہے، اس لئے مطلوب ہے، اور مقدّمات کا حصولِ مقصد میں بہت دخل ہوتا ہے، جیسے صَرف و نحو کے پڑھنے کو قرآنِ مجید کے سمجھنے میں بڑا دخل ہے، اس

لئے مشائخ نے مقاصد کے لئے کچھ مقدّمات تجویز کئے ہیں، اور اُن کو عملاً ایسی اہمیت دی ہے جیسے خود مقاصد کو دی گئی ہے۔ (کذا فی اضافات الیومیہ حصہ ہفتم حکیم الامت قدس سرہٗ)

ان چیزوں کے مقدّمات ہونے کی دلیل یہ ہے کہ مقاصد کی طرح ان مقدّمات میں سے کسی خاص مقدّمہ کو اختیار کرنا ہی لازم و واجب نہیں، بلکہ جس سے جمعیت خاطر ہو، وہی کرتا رہے، مثلاً: ذکرِ زبانی، قلبی یا پاسِ انفاس وغیرہ کا ذکر کرتا رہے، اور جمعیت کا مطلوب ہونا اس حدیث سے واضح ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ:

''اگر کھانا تیار ہو اور نماز بھی تیار ہو (یعنی جب بھوک کا تقاضا ہو) تو پہلے کھانا کھالے، پھر نماز پڑھے۔''

(ابوداؤد ج:۲ ص:۱۷۱)

اس میں بظاہر یہ علت معلوم ہوتی ہے کہ اگر پہلے نماز پڑھی تو طبیعت مُشوّش رہے گی، اور نماز میں جمعیت نہ ہوگی، اور اس کے برعکس کیا، تو نماز میں جمعیت اور کھانے میں تشویش نہ ہوگی۔

اسی طرح ''حبسِ دَم'' جو جوگیوں کا شغل ہے، چونکہ یہ ان کا مذہبی یا قومی شعار نہیں، اور خطرات کے دفع کرنے کے لئے نافع بھی ہے، اس لئے صوفیہ نے اس کو بھی اپنے ہاں لے لیا، اور اس میں تشبّہ ممنوع نہیں، کیونکہ نہ تو یہ ان کا قومی شعار ہے اور نہ مذہبی، اس لئے اس کو تدبیری حیثیت سے محض نفع کے لئے لے لیا گیا، جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی مدینہ طیبہ کے اردگرد خندق کی تجویز مان لی تھی، اور یہ انتظام و تجویز فارسی لوگوں کا کوئی قومی یا مذہبی شعار نہ تھا، محض ایک تدبیر تھی، اس لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کی اجازت دے دی۔

یہی حکمت ہے ذکرِ جہری میں، کہ اس میں وساوس و خطرات کم آتے ہیں، کیونکہ اپنی آواز جو کانوں میں آتی رہتی ہے، تو قلب آسانی سے اُدھر متوجہ رہ سکتا ہے،

سو یہ خفیف جہر سے بھی حاصل ہے۔

اسی طرح ضرب میں، یعنی: ''اَللّٰہُ، اَللّٰہ'' یا ''اِلَّا اللّٰہُ، اِلَّا اللّٰہ'' کی ضرب دِل پر لگانے میں بھی طبّی حکمت ہے کہ حرکتِ ضعیفہ سے حرارت پیدا ہوتی ہے، اور حرارت سے رقت، اور رقت سے تأثر، اور تأثر اطاعت ومحبت کا معین ہوتا ہے، جو کہ مقاصد ہیں، پس ضرب ذریعۂ مقصود ہونے کی بنا مقصود بالغیر ہے، لیکن زیادہ زور سے ضرب لگانے میں خفقان پیدا ہونے کا ڈر ہے، لہٰذا اِعتدال سے تجاوز نہ کرے۔

پھر ذکر کے ساتھ دائیں، بائیں گردن پھیرنا ذکر میں یکسوئی، خطرات بند ہونے اور مطلب میں پوری توجہ ہونے کا سبب اور ذریعہ ہے، مگر یہ قوی المزاج کے لئے ہونا چاہئے، ضعیف المزاج کا قلب تھوڑے سے مشاغل سے بھی متأثر ہوجاتا ہے۔

اسی طرح محاسبہ و مراقبۂ موت، یعنی موت کے بعد سے حساب و کتاب وغیرہ تک کے واقعات کا اس طرح تصوّر کرنا کہ گویا وہ معاملات ہم کو پیش آرہے ہیں، اس کی بھی یہ حکمت و غایت ہے کہ کثرتِ ذکر سے اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس مراقبہ سے دُنیا سے نفرت پیدا ہوگی، اور یہی محبت و نفرت اس کا کام بنا دے گی، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

کثرتِ ذکر:

ذکر کی کثرت و دوام پر کتبِ تصوّف مثلاً: ''قصد السبیل''، ''احیاء العلوم'' وغیرہ میں اتنا زور ہے کہ تصوّف کے دو مرتبے ٹھہرا کر پہلا مرتبہ ظاہر کو مندوب و مستحب طاعت کے ساتھ آراستہ کرنا اور دُوسرا مرتبہ جزوِ باطن کو دوامِ ذکر میں مشغول رکھنا قرار دیا گیا ہے۔

ذکر کی یہ کثرت اور دوام خود قرآنِ مجید میں منصوص ہے، جیسے کہ: ''اُذْکُرُوا

اللہَ ذِکْرًا کَثِیْرًا"، "اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللہَ قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِھِمْ" وغیرہ آیات سے کثرتِ ذکر، بلکہ دوامِ ذکر بھی ثابت ہے۔ اور انسان کی یہی تین حالتیں ہیں، یعنی: کھڑے، بیٹھے اور سوتے، اور کسی کام کی کثرت کے لئے محاورۃً بھی ان تین حالتوں کا ذکر کیا جاتا ہے، جب ان سب میں ذکر اور دوام ہوگا، تو آیت: "لَا تُلْھِیْھِمْ تِجَارَۃٌ وَّلَا بَیْعٌ عَنْ ذِکْرِ اللہِ" کا مصداق ہوگا، یعنی ان کو تجارت اور کاروبار کی مصروفیت اللہ کے ذکر سے مشغول نہیں کرسکتی، اور مصروفیت و مشغولیت کے اوقات میں ذکر سے غافل نہ ہونا قلبی ذکر کی صورت میں ہی ہوسکتا ہے۔

ذکر کے لغوی معنی یادداشت کے ہیں، یعنی جب کسی شے کو یاد کیا جاتا ہے یا ازخود یاد آجاتی ہے، تو اس کا مطلب یہی ہے کہ ذہن کو اس طرف متوجہ کیا جاتا ہے یا ازخود متوجہ ہوگیا، تو اس کی جانب ذہنی یا قلبی توجہ اور التفات سے کام لے رہا ہے، لیکن زبان سے اس کا نام ونشان سرے سے نہیں ہوتا، لہٰذا یاد و ذکر دراصل نام ہے مذکور کو یاد کرنے یا اس کی طرف قلبی توجہ کرنے کا، نہ کہ محض زبانی تلفظ کا، یہی ذکرِ قلب ہے، جس سے دِل میں خاص تعلق کی یاد تازہ رہا کرتی ہے، جس سے زندگی کی ہر حرکت وسکون میں اللہ تعالیٰ کی رضا، عزّت، محبت، سزا، جزا اور تعمیل فرمان پیشِ نظر رہتی ہے، جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ بشری سہو وخطا کے علاوہ دیدہ و دانستہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی یا چھوٹے بڑے گناہ کے قریب جانا عملاً ناممکن ہوگا، فافہم!

یاد رکھنا چاہئے کہ علم اور یاد میں فرق ہے، اس لئے کہ چوری کرنے والے کو سزا، قید اور رُسوائی کا علم ہوتا ہے، جبکہ بعض حضرات باوجود فاقہ اور ضرورت کے چوری تو کجا، خود سرکاری مال گزاری کو بھی نہیں ٹالتے، کہ کہیں ادا نہ کرنے میں رُسوائی نہ ہوجائے، دیکھئے! علم دونوں کو ہے، مگر ایک باوجود علم کے چوری کا اقدام کررہا ہے، اور دُوسرا تازیانہ کے اندیشے سے جرم تک جانا پسند نہیں کرتا، پس اسی

طرح ذکر کی حقیقت کو سمجھو کہ ذکرِ قلبی والا نافرمانی کے قریب تک نہیں جاتا، اور جس کو حقیقی ذکرِ قلب میسر نہیں، وہ ذکر بھی کئے جاتا ہے اور جرم بھی کئے جاتا ہے، دراصل اس کو خیالِ ذکر تو ہے، مگر سچ مچ (حقیقتاً) ذکر حاصل نہیں۔ گویا اس کو علمِ خدا تو ہے، مگر ذکر و یادِ خدا نہیں ہے۔

ذکر اللہ کے مراتب:

۱:...بعض کو ذاتِ حاکم کی یاد کافی ہوتی ہے، یعنی اس کو حاکم سے ایسا خاص تعلق ہوتا ہے کہ اس کی مخالفت و نافرمانی نہیں کرتا، اس کو سزائے جیل وغیرہ کی یاد کی کوئی ضرورت نہیں۔

۲:...بعض ایسے وقت میں حاکم کی ناراضی کے اندیشہ سے مخالفت نہیں کرتے۔

۳:...بعض کو یہ اندیشہ بھی نہیں ہوتا، بلکہ حیا و شرم مانع ہوتی ہے۔

۴:...بعض کو حیا و شرم بھی مانع نہیں ہوتی، بلکہ اس کی طرف التفات بھی نہیں ہوتا، اس تعلق کا کوئی نام ہی نہیں، کیونکہ:

خوبی ہمیں کرشمہ و ناز و خرام نیست
بسیار شیوہ ہا است بتاں را کہ نام نیست

ذکر کے درجات:

اوّل:... پہلا درجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام کو یاد کرو۔

دوم:... یہ کہ بواسطہ نام کے ذات کو یاد کرو۔

سوم:... یہ کہ نام کا واسطہ بھی نہ رہے، محض ذات کے ذکر پر قادر ہو جائے، وغیرہ ذالک۔

محبوب سے تعلق کے درجات:

اوّل:... پہلا درجہ یہ ہے کہ محبوب کے نام کی حظ اور لذّت آتی ہے۔

دوم:... یہ کہ اس کی یاد کو نہیں بھولتا۔

سوم:... یہ کہ محبوب اور محبوب کے متعلقات، احباب، وطن، اقرباء سب محبوب ہوجاتے ہیں۔

چہارم:... یہ کہ اگر اس کو کہا جائے کہ: تجھے کسی گناہ پر سزا نہ ہوگی، جب بھی اَحکام کی مخالفت نہ کرے گا۔

پنجم:... یہ کہ اگر اس کو آواز آئے کہ: تیرا خاتمہ کفر پر ہوگا، تب بھی اعمال میں کوتاہی نہ کرے گا۔

ایک بزرگ کو ذکر میں آواز آئی کہ: جو چاہے کر، تیرا خاتمہ کفر پر ہوگا، پریشان ہوا، مگر ذکر، نماز وغیرہ نہیں چھوڑی، مرشد کے پاس جاکر عرض کیا، مرشد نے فرمایا کہ: یہ محبوب کی دشنام ہے، کام میں لگے رہو:

بدم گفتی وخور سندم عفاک اللہ نکو گفتی

جوابِ تلخ می زیبد لبِ لعل شکر خارا

ترجمہ:... ''تو نے مجھے بُرا کہا اور میں خوش ہوں، اللہ تجھے معاف کرے، تو نے اچھا ہی کہا، میٹھی آواز والے سرخ ہونٹ سے تلخ جواب زیب دیتا ہے۔''

محبت کا ایک درجہ یہ بھی ہے کہ بعض لوگوں کو اللہ تعالیٰ اپنی محبت کی وجہ سے طرح طرح سے پریشان کرتے ہیں، یا یوں کہو کہ امتحان کرتے ہیں، ان کا رونا چلاّنا اللہ تعالیٰ کو پسند ہے:

ذوقہا دارم بہ یاریہائے تو
خوش نماید گریہ شبہائے تو

ترجمہ:... ”میں تیری دوستی میں بہت ذوق رکھتا ہوں،
تیرا راتوں کا رونا بہت اچھا لگتا ہے۔“

جیسے بچوں کو محبت سے چھیڑا جائے، کبھی وہ رونے لگتے ہیں یا مارنے لگ جاتے ہیں، اور ان کی یہ ادائیں چھیڑنے والوں کو پسند آتی ہیں:

پر دریم دشمن ومی کشیم دوست
کس را نرسد چون وچرا در قضائے ما

ترجمہ:... ”ہم دشمن کو پالتے ہیں اور دوست کو قتل کرتے ہیں، کسی کو ہماری قضا میں چوں چرا کا حق نہیں پہنچتا۔“

قلب کا جاری ہونا، ایک مغالطے کا ازالہ:

قلب کا جاری ہونا یہ ہے کہ ہر وقت خداوند تعالیٰ کی یاد دِل پر حاضر رہے۔

اکثر لوگ کہا کرتے ہیں کہ فلاں بزرگ کی بوٹیاں پھڑکتی ہیں، یہ بہت کامل ہے، اور جن لوگوں میں یہ بات نہیں ہوتی، ان کی نسبت کہتے ہیں: یہ نیک بخت ہیں، مگر ان میں کمالاتِ باطنی نہیں، حالانکہ کمالاتِ باطنی بالکل مخفی چیزیں ہیں، ان کو بوٹیوں کے تھرکنے سے کچھ تعلق نہیں، ہاں! کبھی ذکرِ قلبی پر کچھ تحرک (حرکت) ہوجائے تو دُرست ہے، تحرک ذکرِ قلبی کو لازم نہیں، نہ بوٹی کے تحرک کو ذکرِ قلبی کہتے ہیں، ذکرِ قلبی یہ ہے کہ ذاتِ مذکور کا اس طرح استحضار ہو کہ گویا ہم اس کے سامنے حاضر ہیں، اس کو دیکھ رہے ہیں، یا وہ ہم کو دیکھ رہا ہے، اسی کا نام ”احسان“ ہے، یہی شریعت کا عین مقصود ہے، اور یہی خلاصۂ تصوّف ہے، کہ طاعت کا اہتمام، ذکر کا دوام اور معصیت و

غفلت سے اجتنابِ تام ہو۔

دوسرے مغالطے کا جواب:

اکثر صوفیوں کا یہ خیال ہے کہ نفسِ ذکر ہی تمام اعمال واخلاق کی اصلاح کے لئے کافی ہے، اور وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں: ”انا جلیس من ذکرنی“ یعنی جب اللہ تعالیٰ اس کے جلیس اور ہم نشین ہیں، تو معاصی میں کیسے مبتلا ہوگا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ: ”ذَکَرَنِیْ“ میں خود تدابیرِ اصلاح بھی داخل ہیں کہ معالجہ امراض کے بغیر ذکر ہی متحقق نہ ہوگا، کیونکہ جس کی یاد کا دعویٰ ہو، اگر اس سے بات نہ کرے، نہ خط کا جواب دے، نہ اس کا فرمان مانے، تو یہ یاد ہرگز نہیں کہلائے گی، لہٰذا جو ذکر اصلاح کے بغیر ہو، وہ ایسی ہی یاد ہے۔

اکثر مشائخ میں بھی یہ مرض پایا جاتا ہے کہ مرید کو کچھ اذکار کی تعلیم فرما کر فارغ ہوجاتے ہیں، وہ ان کے اعمال واخلاق کی کوتاہیوں پر کسی قسم کی کوئی روک ٹوک نہیں فرماتے، اور اس کا کوئی علاج وتدبیر بھی نہیں کرتے، بلکہ اگر سالک کسی مرض کو بیان کرے تو اکثر اس کے لئے کوئی وظیفہ یا ذکر وغیرہ تجویز کرتے ہیں، اللہ اکبر! حالانکہ پہلے اعمال واخلاق کی اصلاح کی ضرورت ہے، اَوراد و وظائف کا دُوسرا، تیسرا درجہ ہے، حالانکہ طاعات ومعاصی دونوں اختیاری چیزیں ہیں، اُن میں وظیفے کو کیا دخل ہے؟ رہا طریقۂ اصلاح! سو اُمورِ اختیاریہ میں اختیار کے سوا اور کچھ نہیں، فافہم!

مشائخِ کرام کے لئے:

”قصد السبیل“ وغیرہ کتب کے حوالہ سے سالکین کے لئے دستور العمل یہ ہے کہ: سالکین کے چار طبقات ہیں: عامیٔ مشغول، عامیٔ فارغ، عالمِ مشغول، عالمِ فارغ۔

۱، ۲:... عامی مشغول اور فارغ کے لئے تو اشغال کی سرے سے ممانعت فرمائی

گئی ہے، کیونکہ اس میں طرح طرح کے خطرات ہیں، جن کا تحمل عامی سے نہیں ہوسکتا، اس لئے کہ کبھی تو وہ پیر کو حاجت روا، مشکل کشا سمجھنے لگتا ہے، اور کبھی اپنے میں کچھ انوار وکشف دیکھ کر مدعیٔ ولایت ہوکر عجب کے مرض میں پھنس جاتا ہے، وغیر ذالک۔

۳:... عالمِ مشغول میں یہ قید ہے کہ وہ شیخ سے دُور رہ کر شغل نہ کرے، البتہ اگر اس نے کچھ عرصہ شیخ کی خدمت میں حاضر ہوکر یہ کام کیا ہو، تو پھر غائبانہ بھی کچھ کرسکتا ہے۔

۴:... عالمِ فارغ میں بھی ایسے علماء کو اشغال دیئے جاسکتے ہیں، جو ایک طرف دِین و شریعت کا پورا علم رکھتے ہوں، اور دُوسری طرف فکرِ معاش سے فارغ ہوں، تاکہ جاہل صوفیوں کی خلافِ شرع رسوم و بدعات کا شکار نہ ہوسکیں، اور اشغال و مراقبات یا ان کے ثمرات و کیفیات وغیرہ کے عدمِ تحمل کی وجہ سے حدودِ شرعیہ سے تجاوز نہ کرسکیں، فافہم!

شیخ کیسا ہونا چاہئے؟

حضرت حکیم الاُمت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ ''آداب الشیخ والمرید'' میں تحریر فرمایا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ:

> ''شیخ کے لئے لازم ہے کہ اس میں دِین انبیاء (علیہم الصلوٰۃ والسلام) کا سا ہو، تدبیر اطباء کی سی، اور سیاست بادشاہوں کی سی، تب کہا جائے گا کہ یہ اُستاذ ہے، اور شیخ پر واجب ہے کہ کسی شخص کو اس وقت تک مرید نہ کرے جب تک اس کا امتحان نہ کرلے۔''

اسی طرح شیخ ابنِ عربی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ:

''شیخ و پیر کے لئے لابد (ضروری) ہے کہ اس میں
دین انبیاء (علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام) کا سا ہو، اور سیاست
ملوک (بادشاہوں) کی سی ہو۔''

پیر و مرید کی حیثیت طبیب و مریض کی سی ہے:

جاننا چاہئے کہ اصل مقصود نفس کی اصلاح، مأموراتِ شریعت کا اِخلاص کے ساتھ بجالانا، اور منہیات سے احتراز کرنا ہے، اور یہ ایک مستقل فن ہے۔ شیخ وہ ہوتا ہے جو علل و امراضِ رُوحانیہ اور ان کے معالجات سے بخوبی واقف و ماہر ہو، اور مریدوں کو ان اعمال کی تعلیم اور ان طرق پر کاربند کرتا ہو اور بوقتِ ضرورت سیاست سے بھی کام لیتا ہو، اور مریدوں کو مطلق العنان نہ چھوڑتا ہو، لیکن افسوس! کہ آہستہ آہستہ ایسا انقلاب آیا کہ اب یہ فن مردہ کی مانند ہوگیا۔

مغالطے کا ازالہ:

اکثر مسند نشین اس فن سے ناواقف ہوتے ہیں، اور اُن کے ہاں صرف اذکار و اشغال کی تعلیم رہتی ہے، اور طالبین نے ان اذکار و اشغال کی پابندی کی، اس پر جو کیفیات و احوال وارد ہوئے، اس کو انہوں نے وصول الی اللہ سمجھ لیا، خواہ باطن، کبر، حسد، ریا وغیرہ رذائل سے ملوّث رہے، حالانکہ کیفیات کا حصول عنداللہ مقبولیت کی دلیل نہیں، کیونکہ یہ کیفیات تو خاص تدبیروں سے فاسقوں کو، بلکہ کافروں کو بھی حاصل ہوجاتی ہیں۔

لہٰذا مرید و سالک پر واجب ہے کہ مرشد سے اپنے امراضِ قلبیہ: حبِ مال، حبِ جاہ، بغض، حسد، بخل، حرص، ریا، نفاق، کبر، عجب اور طمع وغیرہ، جن کو رذائل کہتے ہیں، کا علاج کرائے، جو شخص بغض اور حسد کی آگ میں جل رہا ہے یا ریا و نفاق

میں گرفتار ہے، وہ جانتا ہے کہ میری طاعت و خیرات لوگوں کے دِکھلاوے کے لئے ہے یا مکر و فریب سے سنا رہا ہوں، وہ خوش ہے کہ حالات و کیفیات وارد ہو رہی ہیں، مقبولیت عنداللہ ہو رہی ہے، حالانکہ اصل پیری امراضِ قلبیہ کا علاج کرنے کا نام ہے، مرشد تشخیصِ امراضِ قلبیہ اور علاج کرتا ہے، اور سالک و مرید علاج کروا رہا ہے، اور شفا اللہ تعالیٰ عطا فرمائیں گے۔

شیخِ کامل کی پہچان:

شیخِ کامل کی درج ذیل علامات ہیں:

۱:...شریعت کا بقدرِ ضرورت علم رکھتا ہو۔

۲:...عقائد، اعمال اور اخلاق میں شرع کا پابند ہو۔

۳:...دُنیا کی حرص نہ رکھتا ہو، کمال کا دعویٰ نہ کرتا ہو، کہ یہ بھی دُنیا کا ایک شعبہ ہے۔

۴:...کسی شیخِ کامل کی صحبت میں کچھ عرصہ رہا ہو۔

۵:...اس زمانے کے منصف علماء و مشائخ اس کو اچھا سمجھتے ہوں۔

۶:... بہ نسبت عوام کے، خواص یعنی فہیم و دِین دار لوگ اس کی طرف زیادہ مائل ہوں۔

۷:...اس سے جو لوگ بیعت ہوں، ان میں سے اکثر کی حالت پابندیٔ شرع، اتباعِ سنت اور قلتِ حرصِ دُنیا کے اعتبار سے اچھی ہو۔

۸:...وہ شیخ تعلیم و تلقین میں مریدوں کے حال پر شفقت رکھتا ہو، اور اُن کی بُری بات سنے یا دیکھے تو ان کو روک ٹوک بھی کرتا ہو، یہ نہ ہو کہ ان کو ان کی مرضی پر چھوڑ دے۔

۹:...اس کی صحبت میں چند بار بیٹھنے سے دُنیا کی محبت میں کمی اور حق تعالیٰ کی محبت میں زیادتی محسوس ہوتی ہو۔

۱۰:...خود بھی ذاکر و شاغل ہو، کہ عمل یا عمل کے عزم کے بغیر، تعلیم میں برکت نہیں ہوتی۔

۱۱:...مرید پر یہ لازم ہے کہ وہ یہ نہ دیکھے کہ شیخ کی توجہ سے لوگ مرغ بسمل یعنی نیم کشتہ مرغ کی طرح تڑپنے لگتے ہیں یا نہیں؟ کیونکہ یہ بزرگی کے لوازم میں سے نہیں ہے، اصل میں یہ نفسانی تصرف ہے، جو مشق سے بڑھ جاتا ہے، غیر متقی، بلکہ غیر مسلم بھی ایسا کرسکتا ہے، اس سے چنداں نفع دیرپا نہیں ہوتا، البتہ اس سے چند دن ایک گونہ انفعال پیدا ہوجاتا ہے۔

رسمی بیعت ضروری نہیں:

پیری مریدی یا بیعت کو بھی بہتوں نے درویشی کے لئے لازم یا محض رسمی بیعت کو ہی کافی سمجھ رکھا ہے، یہ سراسر جہل ہے، دراصل پیری مریدی کی غرض و غایت ظاہری و باطنی اعمال و اخلاق کی اصلاح ہے، خصوصاً نفسانی امراض کا علاج ضروری ہے، اگر پیر و مرید دونوں کی جانب سے اصلاح و علاج کا پوری طرح اہتمام ہو، تو رسمی بیعت قطعاً ضروری نہیں، البتہ نفسِ بیعت میں کسی قدر برکت ضرور ہے، اکثر و بیشتر بیعت اور پیر کی شرم سے لوگ نیک اعمال کی طرف راغب ہوجاتے ہیں، اگر اس قدر بھی نہ ہو، تو پھر بیعت غیر مفید ہے۔

تعلیم وتربیت کے لئے ضروری چیزیں:

تصوّف ظاہر و باطن کی اصلاح کا نام ہے، جب تک ظاہری اعمال کی اصلاح نہ ہو، باطن کی اصلاح بھی مشکل ہے۔

پہلے تجلیہ ہے، یعنی میل کچیل صاف کرنا، پھر تحلیہ ہے، یعنی زیب و زینت سے آراستہ ہونا۔

پہلے اپنے آپ کو منہیات یعنی ممنوعاتِ شرعی سے دُور رکھے، پھر مامورات کے عمل سے زیب و زینت کرے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ جب تک غلط اعمال نہ رُکیں، نیکی نہ کرے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ ممنوع چیزوں سے رُکنے کا عزم بالجزم کرے، اور نیکی میں بھی ہمت کرے، اور اس کے لئے درج ذیل اُمور پیشِ نظر رہیں:

۱:...ظاہری اعمال پر صحیح طور پر عمل کرنے کے لئے کم سے کم بہشتی زیور اور بہشتی گوہر کو سبقاً پڑھے، یا اس کا مطالعہ کرتا رہے، کیونکہ جن باتوں کا کرنا یا چھوڑنا ضروری ہے، وہ اس میں مذکور ہیں، مثلاً: ترکہ سے لڑکیوں کو حصہ نہ دینا، اہلِ حکومت و ریاست کا غرباء پر ظلم کرنا، جھوٹی نالش کرنا، رشوت کی آمدنی، جھوٹ بولنا، تجارت میں دغا کرنا، وغیرہ، ان کو دُرست کرے۔

۲:...اس طریق میں دو چیزیں ہیں: اعمال اور احوال۔ اعمال مقصود ہیں اور اختیاری ہیں، جبکہ احوال غیر مقصود اور غیر اختیاری ہیں، اگر احوال یعنی لذّت، شوق اور اِستغراق وغیرہ پیدا نہ ہوں، تو مقصود میں خلل نہیں آتا، اگر کبھی پیدا ہوں تو اعمال ہی سے پیدا ہوتے ہیں، طالبِ خدا باش طالبِ لذّت مباش، (طالبِ خدا بن، طالبِ لذّت نہ بن)، قربِ خداوندی و رضا مولیٰ تعالیٰ کے اسباب اعمالِ صحیحہ ہیں، نہ کہ احوال، فافہم!

اگر کسی نے احوال کو مقصود سمجھا اور وہ حاصل بھی ہوگئے، تو طالبِ احوال کے خیال میں خوب ہوا، اور اگر حاصل نہ ہوئے تو پھر کبھی تو اللہ تعالیٰ سے بے اعتقادی و بے اعتمادی کی نوبت آجاتی ہے، اور بزبانِ حال کہتا ہے کہ: مقبولیتِ دُعا و اعمال کے وعدے کہاں گئے؟ اور کہتا ہے: رَحمٰن، رحیم اور ارحم الراحمین کے اثرات تو

دیکھے نہیں، کبھی مرشد و شیخ سے بے یقین ہوجاتا ہے کہ خود ان کو طریق کا پتا نہیں، یا ہمارے ساتھ بخیلی کرتے ہیں، کبھی سلوک و طریق کو چھوڑ دیتا ہے، کبھی خودکشی کرلیتا ہے، وغیر ذالک من الفسادات، فافہم!

۳:... سلوکِ مسنون آسان چیز ہے، لہٰذا جو قرب کے اسباب ہیں، یعنی ظاہری اعمال جیسے: نماز، روزہ وغیرہ، اور باطنی اعمال جیسے: خوف، شکر وغیرہ، ان کی تحصیل میں مشغول رہے۔

اور جو بُعد کے اسباب ہیں، یعنی ظاہری و باطنی معصیت، ان سے مجتنب رہے، اس کی ضرورت نہیں کہ اسبابِ قرب میں ملکہ پیدا کرنے کی فکر کرے اور نہ اس کی حاجت ہے کہ اسبابِ بُعد کا مادّہ سرے سے منقطع ہوجائے، مثلاً: غضب، شہوت وغیرہ کا مادّہ ہی نہ رہے۔

اُمورِ اختیاریہ میں سے جس میں کوتاہی ہوجائے، اس کو مضر و مہتم بالشان سمجھے اور اس کی اصلاح کرے، باقی اُمورِ غیر اختیاریہ کے وجود و عدمِ وجود کی طرف التفات نہ کرے، مثلاً: یہ نہ سوچے کہ غلط خیال کیوں نہیں رُکتے؟ اور اس کی اصلاح میں بھی زیادہ کاوش نہ کرے، اگر اتفاقاً کوئی اَمرِ منکر صادر ہوجائے تو اس سے اِستغفار کرے، مگر اس کے پیچھے نہ پڑے کہ: ہائے! مجھ سے یہ کام کیوں صادر ہوا؟ یا یہ کام مجھ سے کیوں فوت ہوا؟

سخت گیر جہاں بہ مرد مان سخت کوش

بس فضل ہوتے ہوتے ہوجائے گا، حدیث میں آتا ہے:

”سَدِّدُوْا وَقَارِبُوْا وَاسْتَقِیْمُوْا وَلَنْ تُحْصُوْا، مَا جَعَلَ عَلَیْکُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ.“

ترجمہ:...”استقامت اختیار کرو، اور سیدھے چلتے رہو،

اور ہرگز شمار نہ کرو، اور تم پر دِین میں کوئی تنگی نہیں رکھی۔"

رُوحِ سلوک:

اہلِ طریق کے ہاں یہ اُصول مقرّر و مُسلّم ہے کہ: "طلب مقصود ہے، وصول مقصود نہیں":

یابم او را یا نہ یابم جستجوئے می کنم
حاصل آید یا نہ آید آرزوئے می کنم

ترجمہ:... "میں اس کو پاؤں یا نہ پاؤں، تلاش کرتا رہوں گا، حاصل ہو یا نہ ہو، آرزو کرتا رہوں گا۔"

اس کی شرح یہ ہے کہ مقصود کے حصول کا قلب میں زیادہ تقاضا نہ رکھے، کہ ہائے! کیوں حاصل نہ ہوا؟ کیونکہ یہ بھی حجاب ہے، اس سے تشویش ہوگی، اور تشویش جمعیت وتفویض کے لئے تباہ کن ہے، اور جمعیت وتفویض ہی شرطِ وصول ہے، اس کو خوب راسخ کرلیا جائے کہ یہ رُوحِ سلوک ہے۔ پورا کامل، بجز انبیاء علیٰ نبیّنا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کے کوئی بھی نہیں، اور وہ بھی اپنے کو کامل نہیں سمجھتے، سب کو اپنے حال و کمال کے موافق نقص نظر آتے ہیں، خواہ حقیقی ہوں یا اضافی، لہٰذا کمال کی توقع ہی چھوڑنا واجب ہے، ہاں! سعیٔ کمال کی توقع، بلکہ عزم واجب ہے۔

ریاضت سے رذائل کا استیصال نہیں ہوتا:

اکثر کا خیال ہے کہ مجاہدہ و ریاضت سے بُری باتوں کا میلان ہی طبیعت سے نیست و نابود ہوجائے، اخلاقِ ذمیمہ کی جڑ ہی کٹ جائے۔ یہ غلط خیال ہے، ریاضت سے اخلاقِ ذمیمہ کے اُصول کا ازالہ نہیں ہوتا، بلکہ ان کی تہذیب ہوجاتی ہے۔

جس کا حاصل یہ ہے کہ ان اُصول کے آثار کا ازالہ ہوجاتا ہے، یعنی ان کا مصرف یا استعمال بدل جاتا ہے، مثلاً: کسی میں بخل اور غضب موجود تھا، تو ریاضت سے اس کی جڑ نہیں کٹ جاتی کہ سرے سے غضب و بخل ہی نہ رہے، بلکہ پہلے مواقعِ خیر میں بخل کرتا تھا اور نیک بندوں پر غصہ کرتا تھا، اب نامشروع جگہ بخل کرے گا اور مبغوضانِ الٰہی اور نفس پر غصہ کرے گا۔ اس طرح اخلاقِ ذمیمہ، بُعد کے بجائے قرب کا سبب بن گئے۔

اس سے اس اختلاف کا بھی فیصلہ ہوگیا کہ ریاضت سے تبدیلیٔ اخلاق ہوسکتی ہے یا نہیں؟ معلوم ہوگیا کہ تبدیلیٔ اُصول تو نہیں ہوسکتی، کیونکہ حدیث میں ہے:

"اِذَا سَمِعْتُمْ بِرَجُلٍ زَالَ عَنْ جِبِلَّتِہٖ فَلَا تُصَدِّقُوْہُ." (مجمع الزوائد ج:۷ ص:۱۹۶ باب فرغ الی کل عبد من خلقہ)

ترجمہ:... "جب سنو کہ کوئی شخص اپنی ذاتی طبیعت سے بدل گیا، تو اس کو نہ ماننا۔"

البتہ آثار و مصارف یا استعمالات بدل سکتے ہیں، اس لئے مجاہدہ و ریاضت اپنانے کا حکم ہے۔

فائدہ:... نفس کا کسی معصیت یا بداخلاقی کی طرف محض طبعی رُجحان و تقاضا، جب تک کہ اس کے مقتضا پر عمل نہ کرے، نہ معصیت ہے اور نہ بداخلاقی، انسان صرف اس کا مکلّف ہے کہ اخلاقِ رذیلہ کے مقتضیات پر عمل نہ کرے، رہا یہ کہ طبعی تقاضے زائل ہوجائیں، اس کا نہ انسان مکلّف ہے، نہ بہ سہولت یہ اَمر میسر ہوسکتا ہے، البتہ ریاضت و مجاہدہ سے اتنا ہوجاتا ہے کہ نفس آسانی سے قابو میں آجاتا ہے، تربیت یافتہ گھوڑا ابھی کبھی کبھی شوخی کرتا ہے، لیکن آسانی سے رام ہوجاتا ہے، فافہم!

بیعت وارادت:

پیری، مریدی یا بیعت و اِرادت کی حقیقت وضرورت میں بھی بہت اِفراط وتفریط سے کام لیا گیا ہے، کسی نے اس کو بدعت سمجھ رکھا ہے، اور کسی نے ایک رسم بنا رکھا ہے، بس دست بوسی و پابوسی کرلی، باقی خود کچھ کرنے کی ضرورت نہیں، حالانکہ نری پیری، مریدی میں کچھ نہیں رکھا، اصل تو کام کرنا ہے، اور کام کرنے کے لئے کسی رہبر کا ہاتھ پکڑنا ہے، اور کسی رہبرِ کامل کا ہاتھ پکڑنے اور صحبت اختیار کرنے سے کام کرنا آسان ہوجاتا ہے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ سلسلے میں داخل ہونے سے کچھ برکات نہیں، لیکن محض بیعت ہی کو اصل سمجھنا بڑی غلطی ہے، آج کل پیری، مریدی میں وہ جہل پھیلا ہے کہ الامان والحفیظ!

بیعت کی حقیقت:

بیعت کی حقیقت خود بیعت، اِرادت اور مرید کی اصطلاح، بلکہ لفظی معنی ہی سے واضح ہے، پس مرید وہ ہے جو اپنی دِینی، خصوصاً باطنی وقلبی اصلاح کے لئے ضروری وسائل کو اختیار کرے، اپنی منزلِ مقصود کے لئے کسی زیادہ واقفِ کار کو رہبر بنائے، تاکہ نہ صرف گمراہی کے خطرات سے بچے، بلکہ راستہ بھی سہولت سے طے ہو۔

ضرورتِ پیر ومرشد:

اگر کسی نے طب کی کتابوں کو پڑھ لیا، چاہے باقاعدہ اُستاذ سے ہی کیوں نہ پڑھا ہو، مگر جب تک اس نے کسی حاذق طبیب و اُستاذ کے پاس بیٹھ کر اس کا عملی تجربہ نہیں کیا، تو اگر کسی مریض کا کتابوں یا کتابی نسخوں سے علاج کرنے لگے گا، تو ہلاکت کے خطرات کو دعوت دینے کے مترادف ہوگا۔

اسی طرح سمجھو کہ وکیل بننے کے لئے گھر بیٹھ کر وکالت کی کتابیں پڑھ کر

وکیل نہیں بن سکتا، بلکہ باقاعدہ لیکچروں کی تکمیل اور امتحان کے لئے سینئر مشاق وکیل کے ساتھ کام کرنا اور تجربہ حاصل کرنا ضروری ہے۔

اسی طرح وہ بھی احمق ہے جو کسی مشہور پروفیسر کے ہاتھ میں اپنا مقدّمہ دے دے، جس نے عدالت کی صورت بھی کبھی نہیں دیکھی، نہ عدالتی کام میں عملی تجربہ رکھتا ہے۔

جب دُنیوی مقدّمات، تجربات اور مشاہدات کا یہ حال ہے، تو کیا وہ دِینی و رُوحانی مسائل، جن کا معاملہ عالَمِ غیب اور آخرت کے مابعد الطبیعاتی مسائل سے جڑا ہوا ہے، خود سرانجام دے سکتا ہے؟ یا ان کو ہر لیڈر، ایڈیٹر اور پلیڈر تختۂ مشق بنانے کا حق رکھتا ہے؟ اور ان پر مجدّدانہ، مجتہدانہ تحقیقات کرسکتا ہے؟ مگر اب تو بس اُردو، انگریزی میں قرآن و حدیث کے کچھ ترجمے یا اِدھر اُدھر کے اخباری مضامین پڑھ کر دِین کے مفتی، مجدّد اور مجتہد سب کچھ بن بیٹھتے ہیں۔

ایک مشہور عالم و مصنف نے محض کتابی معلومات کے زور پر کسی جگہ تصوّف پر ایسا ہی ظالمانہ لیکچر دیا، اس پر ایک بڑے ذہین سجادہ نشین نے کیا خوب کہا کہ:

> ''حضرت! اگر تصوّف خالی کتابوں سے حاصل ہوجاتا ہے، تو میں آپ سے بڑا صوفی کسی کو نہیں جانتا۔''

تو بس عرض یہ ہے کہ اصلاحِ قلب، اخلاقِ رذیلہ کا دفعیہ، اخلاقِ حمیدہ کی تحصیل، معارف کی تحقیقات، اور سالکین کی استعداد کے مطابق غریبانہ، امیرانہ علاجات مرشدِ ماہر کے سوا عادۃً مشکل ہی نہیں، بلکہ ناممکن ہے:

دامنِ راہبر بگیر و بس برو!

محبت و اِتباعِ شیخ:

یاد رکھنا چاہئے کہ اس طریق میں انقیادِ محض کی سخت ضرورت ہے، بیعت کی اصل و رُوح یہی محبت و اِتباع ہے، پیر کے کہنے پر کام شروع کردو، اس کو نہ دیکھو کہ نفع ہوا یا نہیں؟ اِن شاء اللہ تعالیٰ کام بن جائے گا، جس قدر مرشدِ صحیح سے محبت کا رابطہ بڑھتا جائے گا، دُور رہ کر بھی اسی قدر فیض یاب ہوسکے گا، اور بے محبت، مرشد کے شرعی حکم کی تعمیل نہ کرنے سے گو قریب بھی ہوگا، لیکن بے نصیب رہے گا۔

اگر شیخ کی تعلیم پر عمل اور اس کے کہنے پر اطمینان نہ ہو، تو اگر ساری عمر بھی چکی پیسے گا تو ذرّہ بھر نفع نہ ہوگا۔ ہاں! یہ جائز ہے کہ اس کو شیخ ہی تسلیم نہ کرے، تو پھر اس کے فرمان کی تعمیل بھی ضروری نہیں، لیکن تسلیم کرنے کے بعد پھر چون وچرا کرنا، مرشد پر اعتراض کرنا اور اپنی رائے کو دخل دینا، محرومی کی علامت ہے۔

پیر و مرشد کا تعلق بڑا نازک ہے، اس کے آداب بھی جدا ہیں، قرآنِ مجید میں ہے: ''وَاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ'' جس کو میری طرف رُجوع وانابت ہے، اس کے تابع ہونا، منیب الی اللہ کا مأمور بہٖ ہے۔

صحبتِ شیخ:

راستہ کے خطرات یا اس کی ٹھوکروں سے بچنے کے لئے کسی ماہرِ فن کی صحبت و اعانت کے بغیر بصیرت پیدا نہیں ہوتی، کسی علم و فن کی معلومات اور چیز ہے، اور بصیرت اور چیز، معلومات تو کتابوں سے بھی آسکتی ہیں، اور بصیرت بغیر صحبت کے نہیں آسکتی، ہمارے لئے صحبت کی اہمیت کے لئے سب سے بڑی دلیل صحابیت ہے، کہ ادنیٰ سے ادنیٰ صحابی کی فضیلت اعلیٰ سے اعلیٰ محدثین و فقہاء اور بڑے سے بڑے اقطاب و اَبدال پر مُسلّم ہے، اور ظاہر ہے کہ اس فضیلت کا مدار محض حضورِ اکرم صلی اللہ

علیہ وسلم کی صحبت ہی ہے:

یک زمانہ صحبتِ با اولیاء

بہتر اَز صد سالہ طاعتِ بے ریا

ترجمہ:...''اولیاء اللہ کی تھوڑے وقت کی صحبت اختیار

کرنا، سو سال کی بے ریا عبادت سے بہتر ہے۔''

اس میں مبالغہ نہیں، جن کو تجربہ ہے، وہ جانتے ہیں کہ ایک دن کی صحبت سے جو کچھ نصیب ہوتا ہے، وہ سالہا سال کی کتب خوانی سے نصیب نہیں ہوتا، بیعت کے بعد اگر وقت اور مہلت میسر ہو تو چندے پیر کی خدمت میں رہے، یا کبھی کبھی اپنے پیر یا کسی متقی بزرگ کی خدمت میں بیٹھا کرے۔ اگر کوئی شخص نہ عالم ہو اور نہ کسی محقق کی صحبت میں رہا ہو، خدا کی قسم! اس کو کسی اللہ والے کی صحبت میں چھ مہینے تک رکھو، بشرطیکہ وہ عاقل ہو، تو محقق اور صاحبِ بصیرت بن جائے گا۔

وحدتِ شیخ:

اس سلسلے میں ایک بڑی ضرورت یہ بھی ہے کہ وحدتِ شیخ ہو، یعنی ایک ہی شیخ ہو، خصوصاً ابتدا میں اگر ہمارا تعلق کئی شیوخ سے رہا یا مختلف ذوق و مذاق کے اہل اللہ کی صحبت میں آنا جانا رہا، تو اس آزادی اور بے قیدی کی بدولت حصولِ اطمینان کے بجائے انتشار میں مبتلا ہونا یقینی ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ انسان کی سلامتی مقید رہنے میں ہے، اور اطلاق (آزادی) مضر ہے، کیونکہ اطمینان اور چین بدوں تقید کے نصیب نہیں ہوتا، اگر بیمار ایک طبیب کی تشخیص و دوا کا پابند نہیں رہا، تو شفا مشکل ہوگی۔

محبت قائم رکھنے کا طریقہ:

اس محبت کے قائم رکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ اہل اللہ کی صحبت اختیار کیجئے! زیادہ نہ ہوتو ہفتہ میں ایک بار یا مہینہ میں ایک بار، اگر یہ بھی ممکن نہ ہوتو مرشد کے ملفوظات ہی پڑھا کیجئے! ان کو محض تذکرہ اور فن کی کتابوں کی طرح نہ دیکھئے! بلکہ تأمل اور تعمق سے دیکھئے! اور بار بار دیکھئے! فافہم! اِن شاء اللہ تعالیٰ قدرتی طور پر محض فہم کی بصیرت ہی نہیں، بلکہ مصاحب یا ملفوظات کے اندر جو چیز ہے، شدہ شدہ آپ کے اندر بھی آجائے گی۔

دفع مغالطات:

۱:... اکثر عوام اور بعض خواص کی بیعت سے متعلق غلط اغراض ہوتی ہیں، بعضے تو صاحبِ کشف و کرامت بننا چاہتے ہیں، تو اس سلسلے میں عرض ہے کہ جب اس کا خود شیخ میں ہونا ضروری نہیں، تو مرید اس کی ہوس کیونکر کرے؟

۲:... بعضے سمجھتے ہیں کہ پیر بخشش کے ذمہ دار ہوں گے، حالانکہ جب حضور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا تک کو فرمایا:

"یَا فَاطِمَةُ! اَنْقِذِیْ نَفْسَکِ مِنَ النَّارِ"

ترجمہ:... "اے فاطمہ! اپنے کو دوزخ سے بچاؤ۔"

تو بھلا دُوسرا کون پیر کسی مرید کو بچاسکتا ہے؟ جب تک کہ خود مرید اس کے لئے کوشش نہ کرے۔

۳:... بعضے خیال کرتے ہیں کہ پیر صاحب ایک ہی نظر میں کامل کر دیں گے، اگر اسی طرح کام بن جایا کرتے تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کو کچھ بھی نہ کرنا پڑتا، کیونکہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کون کامل النظر ہوگا؟ کہیں بطورِ

خرقِ عادت ایسا ہو بھی گیا، تو خوارق میں دَوام و لزوم نہیں، لہٰذا اس بھروسہ پر رہنا بڑی غلطی ہے۔

۴:... بعضے چاہتے ہیں کہ خوب جوش و خروش، شورش و مستی پیدا ہو، گناہ آپ سے آپ چھوٹ جائیں، خواہش ہی مٹ جائے، نیک کاموں میں ارادہ ہی نہ کرنا پڑے، وساوس و خطرات سب فنا ہو جائیں، بس ایک محویت کا عالَم ہو۔ اس کا منشا بھی ناواقفیت ہے، یہ اُمور من جملہ کیفیات و احوال کے ہیں، جو اِختیار سے خارج ہیں، اور اگرچہ محمود ہوں، مگر مقصود نہیں ہیں، بلکہ ایسی خواہشات میں نفس کا ایک خفی مکر ہوتا ہے کہ وہ لذّت و شہرت کا طالب ہے، اور ان کیفیات سے یہ اُمور حاصل ہوتے ہیں، ورنہ طالبِ رضا کو، جو اَصل مقصود ہے، ان خواہشات سے کیا علاقہ؟

فراق و وصل چہ باشد رضائے دوست طلب
کہ حیف باشد اَز و غیر او تمنائے

ترجمہ:... ''فراق و وصل کیا ہوتا ہے، صرف دوست کی رضامندی طلب کر، کیونکہ اس سے اس کی ذات کے سوا کسی اور چیز کی تمنا کرنا افسوس کی بات ہے۔''

۵:... بعضے سمجھتے ہیں کہ پیر صاحب کے عملیات بڑے مجرّب ہیں، ضرورت کے وقت ان سے تعویذ گنڈے لے لیا کریں گے، یا پیر صاحب بڑے مستجاب الدعوات ہیں، معاملات یا مقدّمات میں ان سے دُعا کرالیا کریں گے، بلکہ اکثر پیروں و مریدوں کا خلاصہ و بزرگی یہی تعویذ وگنڈے کے اثرات ہیں، اگر فائدہ ہوگیا، تو بڑے ولی ہیں، اگر فائدہ نہ ہوا، تو کچھ بھی نہیں ہیں۔

۶:... بعضے یہ کہتے ہیں کہ ذکر و شغل کرنے سے انوار نظر آتے ہیں، یا آوازیں سنائی دیتی ہیں، یہ بھی محض ہوس و نافہمی ہے۔

اوّل تو ذکر و شغل پر ان چیزوں کا مرتب ہونا ضروری نہیں۔

دُوسرے یہ اَصوات و انوار بعض اوقات اس کے اپنے دماغی تصرفات ہوتے ہیں اور یہ چیزیں عالَمِ غیب سے نہیں ہوتیں۔

تیسرے بالفرض عالَمِ غیب سے بھی ہوں، تو کیا ان سے قربِ خداوندی نصیب ہوتا ہے؟ قرب کے لئے تو طاعات بنائی گئی ہیں، وغیر ذالک من الاغلوطات۔

غرض ان چیزوں میں بیعت کی صحیح غرض کوئی بھی نہیں، اس لئے ان سب کو دِل سے نکال کر سلوک کی غرض و مقصود رضائے حق کو سمجھے، جس کا طریق طاعات کا بجا لانا اور ذکر پر مداومت کرنا، یعنی غفلت کو دفع کرنا ہے، شیخ اس کی تعلیم کرتا ہے، اور مرید اس پر کاربند ہوتا ہے، فافہم!

عشق و محبت:

مسلمانوں کے عالم، جاہل، خواص، عوام، تمام طبقات میں عشق و محبت کا لازمۂ تصوّف یا عینِ تصوّف ہونا مُسلّم ہے، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ"

ترجمہ:... "مؤمنوں کو اللہ (تعالیٰ) سے سخت تر محبت ہے۔"

ایک محبت، دوم سخت محبت، سوم سخت تر محبت، آیتِ کریمہ میں "اَشَدُّ حُبًّا" کا صیغہ لاکر سخت تر محبت کی طرف اشارہ ہے، یعنی مؤمنوں کو اللہ تعالیٰ سے سخت تر محبت ہوا کرتی ہے، جس درجہ تک عقل کو رسائی ہے، وہ محبت ہوا کرتی ہے، محبت کا کوئی بالاتر درجہ نہیں ہے جو مؤمنوں کو حاصل نہ ہو، محبت کے سب درجات جیسے: مال، جان، آبرو، وطن، دِل اور دماغ کی قربانی کرنا وغیرہ، مؤمنوں کو حاصل ہیں:

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا!

چنانچہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی قربانیاں اور جاں سپاریاں اس پر شاہد ہیں، جَزَاهُمُ اللهُ خَيْرًا كَمَا هُوَ اَهْلُهُ!

عشقِ الٰہی انسان کا ذاتی معاملہ ہے، کیا دیکھا نہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے: "اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ" رُوحوں کو فرمایا، تو رُوحوں نے بیک زبان عرض کیا: "بَلٰی!" بے شک تو رَبّ ہے۔ رَبّ کے لفظ سے سوال ہوا، جو مقتضی ہے محبت کا، احسان کا، پھر دُنیا میں پیمبران علیہم السلام نے اس محبت کو لوازمِ محبت سے تر و تازہ کر کے کمال کو پہنچایا، لوازمِ محبت طاعاتِ الٰہی اور منہیات سے رُکنا ہیں، علیٰ نبیّنا وعلیھم الصلوٰة والسلام دائمًا ابدًا!

"اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ" میں کون سی محبت مراد ہے؟

یاد رکھنا چاہئے کہ محبت دو قسم پر ہے، ایک اختیاری اور دُوسری غیر اختیاری، بالفاظِ دیگر محبتِ عقلی و محبتِ طبعی۔

پھر محبت کا مدار یا تو محبوب کا انعام و نوال ہوتا ہے، یا حسن و جمال، یا پھر فضل و کمال، چاہو تو ان سب کو کمال، جمال اور نوال سے تعبیر کر دو، پھر یہ کمال یا باعتبار ذاتِ شی کے ہوتا ہے، اس کو فضیلتِ ذاتی کہتے ہیں، یا باعتبار حالتِ خاصہ کے ہوتا ہے، اس کو فضیلتِ اضافی کہتے ہیں۔

پھر محبت کا ایک خاص درجہ ہے، جس میں ہیجان و غلیان یا جوش و خروش ہوتا ہے، اس میں بے خودی، جامہ دری وغیرہ ہوتی ہے، یہ درجہ عشق کے افراط کا ہے، یہ درجہ شرعی سلوک میں مامور و مطلوب نہیں، گو معیوب بھی نہیں، اگر یہ کسی ضعیف القلب

یا مغلوب الحال کا حال ہوجائے تو وہ معذور ہے۔

اصل مطلوب و مأمور بہ "اَشَدُّ حُبًّا لِلّٰہِ" کا درجہ حبِ ایمانی ہے، جس کو حبِ عقلی و اختیاری کہتے ہیں۔ حضرات انبیاء علیہم السلام میں جو صفتِ حب ہوتی ہے، وہ سب اُمت کی محبت سے اعلیٰ، افضل، اکمل اور اَدْوم ہوتی ہے، اس میں ہیجان نہیں ہوتا، اسی لئے بالیقین محبت ہی افضل ہوگی۔

ہاں! کسی خاص وجہ سے کسی میں دُوسری نوع نافع ہوتی ہے، مثلاً: گوشت فی نفسہٖ افضل غذا ہے، لیکن کسی خاص طبیعت میں آش جو کو اصلح کہا جاتا ہے، اور صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ میں سے بعض محبتِ عقلی کو افضل سمجھتے ہیں، اور بعض محبتِ طبعی کو، اپنی اپنی طبیعت کے مذاق پر فرماگئے، جَزَاھُمُ اللّٰہُ تَعَالٰی خَیْرًا!

محبت بڑھانے کا طریقہ:

یاد رکھنا چاہئے کہ عمل میں محبت پیدا کرنے کی خاصیت ہے، تجربہ کرلو، ہر روز کسی کے پاس جایا کرو، تو دیکھوگے کہ اس سے محبت ہوجائے گی، پہلے تھوڑی ہوگی، پھر جاتے جاتے بہت ہی زیادہ تعلق ہوجائے گا۔ اللہ اللہ کرنا شروع کردو، چند دن میں دِل لگ جائے گا، پھر چھوڑنے سے بھی مشکل سے ہی چھوٹے گا۔ اسی طرح تم بھی اختیار سے اتباع کی بناء پر حکمِ الٰہی کا امتثال کرو، لیکن سنت کے مطابق و معیار پر ہو، جلد ہی چند دنوں یا چند مہینوں میں سنت کے رنگ میں رنگے جاؤگے، محبّ بلکہ محبوبِ خدا بن جاؤگے، چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے:

"قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ"

ترجمہ:... "کہہ دے اگر تم اللہ (تعالیٰ) کے ساتھ محبت رکھنا چاہتے ہو، تو میری (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی) تابع داری

کرو، اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ محبت کرنے لگ جائیں گے (یعنی اللہ تعالیٰ کے محبوب بن جاؤگے)۔''

مغالطوں کا ازالہ:

اس پر شبہ ہوتا ہے کہ ہم مدّت سے نمازیں پڑھتے آرہے ہیں، نیک عمل کر رہے ہیں، مگر محبت پیدا نہیں ہوئی، آخر کیوں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ محبت کا سبب محض نیک عمل کرنا نہیں ہوتا، بلکہ اس کی شرائط کے ساتھ عمل کرنا ذریعہ محبت ہوتا ہے، لہٰذا اگر خشوع سے نماز پڑھی جائے تو محبت کیوں نہ پیدا ہوگی؟

نیز عبادت کو بطورِ عادت کے نہ کرتے رہو، بلکہ اس نیت سے کرو کہ اللہ تعالیٰ کی محبت بڑھ جائے، پھر دیکھو کیا ہوتا ہے! محبت و طاعت میں اضافے کی نیت سے عمل کرو۔ اللہ اللہ کرو اور جی لگا کر کرو، محض صورت نہ ہو، بلکہ اس میں کچھ رُوح بھی ہو۔

تیسری بات یہ بھی ہے کہ محبت کے زیادہ ہونے کے لئے اہلِ محبت کی صحبت اختیار کرو، اس سے لوگ بھاگتے ہیں، کچھ کتابیں پڑھ لیتے ہیں اور کتابی سمجھ پیدا ہوجانے سے کامل و مکمل بن بیٹھتے ہیں۔

غرض جو محبت و عشق مأمور و مطلوب ہے، وہ طبعی و نفسانی نہیں، بلکہ عقلی و ایمانی ہے، جو بالکل اپنے اختیار میں ہے، اور اس کی تحصیل کے تینوں اجزاء بالکل اختیاری ہیں، مثلاً:

۱:...اعمالِ صالحہ بہ نیتِ محبت و اطاعت۔

۲:...ذکر اللہ، جلالِ الٰہی کے ساتھ۔

۳:... اہل اللہ سے تعلق وصحبت، اس کے ساتھ طبعی و ذاتی محبت بھی نصیب ہوجائے تو نعمت ہے۔

تصوّف کی باطنیت:

تصوّف کی باطنیت یا سینہ بہ سینہ ہونے کی شہرت، اس کے حامی اور مخالفین کے لئے بڑے فتنہ کا سامان رہی ہے۔ جاہل، غیر محقق اور نام نہاد صوفیوں کے لئے تو اس کی بدولت اِلحاد و اِباحت کا راستہ صاف ہوگیا، جس ہویٰ و ہوس کی، کتاب وسنت میں گنجائش نہ دیکھی، اس کو باطن کا علم یا سینہ بہ سینہ کا راز بتلادیا۔

دُوسری طرف علمائے ظاہر ایسی باتوں سے مشوش ہوکر تصوّف کے سرے سے دُشمن ومنکر ہوگئے، حالانکہ علمِ باطن کہنے کا صحیح معنی یہ ہے کہ اس علم میں قلب و باطن کی اصلاح کے اَحکام ہیں، جیسے علمِ فقہ میں ظاہر و جوارح کے اَحکام ہیں، جیسے فقہ کے تمام ظاہری اَحکام، کتاب وسنت سے مأخوذ ہیں، اسی طرح تصوّف کے باطنی اَحکام بالکلیہ قرآن وحدیث کے منصوصات یا ان ہی پر مبنی ہیں۔

اخفاء کی وجہ:

یاد رکھنا چاہئے کہ ہر علم وفن میں بعض چیزیں ایسی ہوتی ہیں کہ وہ بغیر تجربے کے سمجھ میں نہیں آتیں، اس لئے بعض اوقات ان کی تعبیر، تفہیم کی بجائے اُلٹا غلطی کا سبب بن جاتی ہے، جیسا کہ عام ذوقیات، وجدانیات، صوفیانہ کیفیات اور مکاشفات وغیرہ کا حال ہے۔

پھر یہ بھی تجربہ ہی سے ثابت ہے کہ ان کے اظہار سے اکثر اپنا باطنی نقصان بھی ہوتا ہے، اس لئے بھی ان کا اخفا ضروری ہے۔

تصوّف کے اجزا بہت سے ہیں، من جملہ ان کے احوال بھی ہیں، ان کو کسی

سے بیان نہ کرنا چاہئے، کیونکہ وہ خدا تعالیٰ کے ساتھ اپنے خاص معاملات ہیں، جن کے ظاہر کرنے سے اپنا باطنی نقصان ہوتا ہے۔

نیز اس کا ایک جزو علمِ مکاشفہ و اسرار بھی ہے، ان کو بھی ظاہر نہ کرنا چاہیے، کیونکہ یہ چیزیں اکثر لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتیں اور سننے والوں کو غلط فہمیاں ہو جاتی ہیں۔

''اشرف المسائل'' میں ہے کہ اپنے حالات و اسرار سے کسی کو مطلع نہ کرنا چاہئے، اگرچہ کوئی کتنا ہی مخلص دوست کیوں نہ ہو، ایسا کون ہے جو اپنی بیوی کو اپنے دوست کی بغل میں دینا گوارا کرلے؟ اس کے علاوہ فن کی بعض ایسی پیچیدہ و دقیق باتیں ہوتی ہیں کہ ہر کس و ناکس ان کے فہم کی استعداد نہیں رکھتا، مولانا روم علیہ الرحمۃ نے فرمایا:

نکتہا چوں تیغ پولاد است تیز
گر نداری تو سپر واپس گریز
پیش ایں الماس بے اسپر میا
کز بریدن تیغ را نبود حیا

ترجمہ:... ''باریکیاں تیز فولادی تلوار کی مانند ہیں، اگر تیرے پاس ڈھال نہیں ہے تو واپس بھاگ جا، اس تلوار کے آگے بغیر ڈھال کے مت آ، کیونکہ تلوار کو کاٹنے سے حیا نہیں آتی۔''

اسی واسطے حضرت ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''یَحْرُمُ النَّظْرُ فِیْ کُتُبِنَا'' ہماری کتابوں کا دیکھنا حرام ہے، یعنی بدفہموں کے لئے۔

تیسرے ہر شخص کی استعداد و حالات مختلف ہوتے ہیں، اس کی استعداد کے موافق اس کو تعلیم دی جاتی ہے، اگر کوئی دُوسرا اس کی ریس (رشک) کرے گا تو اُلٹا

ضرر کا اندیشہ ہے، اس لئے جو محقق ہیں، وہ دماغی قوّت وفرصت کو دیکھ کر تعلیم کرتے ہیں، سب کو الگ الگ بتلاتے ہیں، اسی لئے تصوّف کی تعلیم مخفی ہے کہ ہر ایک کا حال جدا ہے۔

علمِ شریعت افضل ہے یا علمِ باطن؟

بعض غیر محقق صوفیا کا خیال ہے کہ علمِ باطن، علمِ شریعت سے افضل ہے، اسی لئے حضرت موسیٰ علیٰ نبیّنا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو حضرت خضر علیہ السلام کے پاس استفادہ کے لئے بھیجا گیا، نیز اس واقعہ سے استنباط کیا گیا کہ اگر پیر وشیخ خلافِ شرع کچھ حکم دے تو مرید کو اس کا اِتباع واجب ہے۔

جواب:... یہ سب دعوے سرے سے باطل ہیں، اوّل یہ کہ خود علمِ باطن، علمِ شریعت ہی کا ایک شعبہ ہے، اصلاحِ ظاہر کے حکم کو فقہ کہتے ہیں، اور اصلاحِ باطن کے حکم کو تصوّف، لہٰذا جزو کس طرح کل سے افضل ہوسکتا ہے؟

دوم:... یہ کہ یہ غیر محقق لوگ کہہ رہے ہیں کہ حضرت خضر علیہ السلام کو علمِ باطن تھا۔ نہیں، نہیں! بلکہ یہ حالاتِ جزئیہ وکونیہ تھے، نہ کہ معارفِ الٰہیہ، جو چیزیں زماناً ومکاناً بعید تھیں، وہ ان کے علم میں قریب ہوگئیں، سو دُور کی چیز کا معلوم ہونا علمِ باطن نہیں، بخلاف حضرت موسیٰ علیہ السلام کے علم کے، کہ وہ علومِ شرعیہ ومعارفِ الٰہیہ ہیں، علمِ ظاہر وباطن سب اس کے شعبے ہیں۔

غرض علمِ خضرؑ کسی طرح سے علمِ موسویؑ سے فائق نہیں۔

پھر اس سے علی الاطلاق پیر کی اطاعت کے وجوب کا مسئلہ مستنبط کرنا بھی غلط ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حضرت خضر علیہ السلام کے کامل ہونے کا فرما دیا تھا، جس سے یقیناً یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ حکمِ الٰہی تعالیٰ کے

خلاف نہ کریں گے، جیسا کہ خود حضرت خضر علیہ السلام نے بعد میں فرمایا کہ: ”وَمَا فَعَلْتُهُ عَنْ اَمْرِیْ“ یعنی اپنے خیال سے نہیں کیا، یعنی میں اس پر مأمور تھا، مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کی وجہ نہ سمجھنے کی وجہ سے انکار فرمایا، ورنہ سکوت وتسلیم کی گنجائش تھی۔

اس کے علاوہ جو پیر خلافِ شرع کا حکم دے، اس کا کامل ہونا بھی مشکوک ہے، نیز حضرت خضر علیہ السلام شریعتِ موسویہ کی اتباع کے مکلّف نہ تھے، ان کی شریعت کچھ اور تھی، بخلاف موجودہ دور کے پیر ومرشد اور مرید کے، کہ ان کی شریعت ایک ہے، اب خلافِ شریعت کا حکم کرنے والے کا اتباع جائز نہیں، بس معلوم ہوا کہ ان کے سب دعوے غلط ہیں، اور مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فرمانا کہ:

گر خضر در بحر کشتی را شکست
صد درستی در شکستِ خضر ہست
وہم موسیٰ باہمہ نور و ہنر
شد ازاں محجوب تو بے پر مپر

ترجمہ:... ”اگر خضر علیہ السلام دریا میں کشتی کو توڑ دے، تو ان کے توڑنے میں سو دُرستی ہے، موسیٰ علیہ السلام کا خیال تمام انوارات و ہنر کے باوجود بھی اس کے دیدار سے محجوب رہا، تو بغیر پروں کے پرواز مت کر۔“

یہ علمِ خضر کو علمِ موسوی پر فضیلت دینا نہیں، بلکہ مطلب یہ ہے کہ جب بعض اکابر کو بعض چھوٹے اسرار پر اطلاع نہیں ہوتی، تو تم چھوٹے ہوکر بڑوں کے اسرار کا انکار کیوں کرتے ہو؟ فافہم!

پٹواری کو جس قدر زمین کا علم ہوتا ہے، بادشاہ کو نہیں ہوتا، محافظ و پہرہ دار

کو جس قدر شہر کے گلی کوچوں کا علم ہوتا ہے، کمشنر کو نہیں ہوتا، تو کیا پٹواری اور محافظ شان میں بڑھ گئے؟ علمِ تکوینات والا گو، شان والا ہے، لیکن کیا وہ علمِ تشریعات والے سے بڑھ جائے گا؟ ناممکن! فافہم!

ایک مغالطہ:

بعض صوفیائے کرام کے کلام میں بعض آیات کے خلافِ ظاہر معانی پر محمول کرنا پایا جاتا ہے، جیسے: ''اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ'' کا مقصود و مدلول کعبہ ہے، اس سے ذہن اس طرف بھی منتقل ہوجائے کہ قلب بھی عرشِ الٰہی ہے، جیسے کعبہ بیت اللہ ہے، جس طرح کعبہ کی تطہیر ضروری ہے، اسی طرح قلب جو مورد تجلیاتِ الٰہیہ ہے، اس کا پاک رکھنا بھی ضروری ہے، اس کو علم الاعتبار کہتے ہیں، نہ کہ تفسیر۔ تفسیر وہی ہے جو مفسرین نے لکھی ہے، اگر کسی نے اسی معنی کو مدلول النص بنایا تو تحریف کردی، اور یہ تفسیر بالرائے ہے، جو مردود ہے۔

پس اگر کوئی اس معنی میں مقیس (مشابہ) کو بایں معنی کہ قیاس مظہر ہے نہ کہ مثبت، مجازاً مدلول النص کہہ دے، تو اس میں کوئی بات قابلِ مؤاخذہ نہیں، ساری خرابی غلو کی ہے۔

دُوسرا مغالطہ:

بعض صوفیا نے یہ تکلف کیا ہے کہ ہر آیت کا ایک ظاہر بنایا ہے، اور ایک باطن، یہ نہایت بعید ہے، کیونکہ اس سے ساری شریعت ناقابلِ اعتبار اور منہدم ہوجاتی ہے۔

اس لئے کہ ہم نے قرآن کا ظاہری معنی، جو لغات و محاوراتِ عرب اور تصریحاتِ مفسرین سے سمجھا ہے، وہی اصل ہو، ممکن ہے کہ اس کا باطن والا معنی اس

کے مخالف ہو، اب ایسی صورتِ حال میں کسی آیت کا حکم متیقن نہ رہے گا بلکہ محتمل ہوجائے گا، نعوذ باللہ من ذالک۔

قرآن کے ظاہری معنی کا انکار کفر ہے، البتہ ظاہر کو تسلیم کرنا اور باطن کی طرف جیسے اہلِ اُصول نے وجوہِ دلالات میں لکھا ہے، جس کو حضراتِ مجتہدین ہی سمجھتے ہیں، اور علم الاعتبار سے کسی معنیٰ و مطلب کا مفہوم ہونا، اس طور سے اس کی طرف رُجوع کرنا محققین کا کام ہے، اور اسی کو باطن کہتے ہیں، نہ کہ وہ جو غیر محقق صوفی کہتے ہیں۔ پھر اس میں ایک حدیث نکالی اور مسئلہ وحدۃ الوجود کو اس میں داخل کیا۔

وحدۃ الوجود کے متعلق مغالطے کا جواب:

یاد رکھنا چاہئے کہ وحدۃِ وجود یا وحدۃِ شہود، اُن مسائل میں سے نہیں ہیں جن پر اعتقاد رکھنا ضروریاتِ دین میں سے سمجھا جائے، نیز وجود و شہود اسلامی تصوّف کا جزوِ لاینفک بھی نہیں، کیونکہ ان کا حاصل: "ارتباط الحادث بالقدیم" ہے، یعنی حادث کے قدیم کے ساتھ ربط و تعلق کی تحقیق ہے، جس کا علمی و کلامی مسئلہ ہونا معلوم ہے، مگر کشف کے دخل کی وجہ سے ان مسائل کو علمِ کلام والوں نے کتب میں درج نہیں کیا، کشف سے استناد ظنی ہوگا، اور ظنیت میں بھی ظنیاتِ اُصولیہ سے کم درجے کا ہوگا، کیونکہ کشف کو کسی شے میں حجت کا درجہ حاصل نہیں (کذا فی بوادر النوادر ملخصاً) پھر جب وحدۃ الوجود اور وحدۃ الموجود مسائلِ کشفیہ میں سے ہیں، ان کو کسی نص کا مدلول بنانا یا کھینچ تان کر ان میں داخل کرنا تکلف سے خالی نہیں، ان مسائل کے لئے یہی غنیمت ہے کہ وہ کسی نص سے متصادم نہ ہوں، یعنی کوئی نص ان کی نفی نہ کرتی ہو، پھر اگر نص سے استنباط کیا جائے تو دو حال سے خالی نہیں: اگر درجہ احتمال میں ہے، تو غلو تو نہیں مگر تکلف ضرور ہے، اور اگر درجہ احتمال سے بڑھا دیا جائے تو غلو ہے، پھر اس کا دعویٰ کرنا

کہ یہ آیت کا مصداق ہے، صریح تحریف ہے۔ غلو کی حد تو یہ ہے کہ بعض مغلوبین نے ''لا الٰہ الا اللہ'' کی تفسیر میں ایک رسالہ ''کلمۃ الحق'' لکھ دیا، جس میں یہ ثابت کرنے کی سعی کی ہے کہ ''نہیں ہے کوئی الٰہ مگر اللہ'' کا مطلب یہ ہے کہ جتنے غیراللہ، اِلٰہ بنائے گئے ہیں، وہ سب (معاذ اللہ) اللہ ہی ہیں، تَعَالَی اللہُ عَمَّا یُشْرِکُوْنَ!

یہ مسئلہ (وحدۃ الوجود) واقعی تیغِ بے نیام ہے، ذرا کجی ہوئی تو ایمان کا خاتمہ ہوجائے گا:

نکتہا چوں تیغ پولاد است تیز
چوں نداری تو سپر واپس گریز
پیش ایں الماس بے سپر میا
کز بریدن تیغ را نبود حیا

(کذا فی تجدیدِ تصوّف)

وجود وشہود کا اصطلاحی فرق:

''وجودیہ'' کے نزدیک عالَم کی حقیقت اسماء وصفات ہیں، جو ظاہر وجود پر متجلی ہوئے، تو اس سے عالَم کے وجود کا خیال پیدا ہوا، جس کی تعبیر کبھی یوں بھی کرتے ہیں کہ: وہ معدومِ محض ہے، مگر ساتھ ہی اَحکام کا مورد ہے، اور کبھی یوں کرتے ہیں کہ: وہ عینِ حق ہے۔

''شہودیہ'' کے نزدیک عالَم کی حقیقت عدمات ہیں، جن پر اسماء وصفات نے تجلّی کی، جس سے وجودِ ظلّی پیدا ہوا۔ اس لئے وہ عالَم کو نہ معدومِ محض سمجھتے ہیں، اور نہ عینِ حق۔ باقی عالَم کے وجودِ حقیقی کی نفی میں دونوں شریک ہیں، اور اس میں اہلِ ظاہر کی ملامت کا دونوں ہدف ہیں۔

عینیت کے معنی:

عینیت کا ایک معنی یہ ہے کہ دو چیزوں کا مکمل طور پر اس طرح ایک ہونا، کہ ان میں کسی قسم کا بھی فرق نہ ہو، اور غیریت کا معنی یہ ہے کہ دونوں میں کسی قسم کا تغایر، امتیاز یا فرق ہو، اس معنی میں عینیت و غیریت میں تناقض ہے، جس میں دونوں کا کسی محل میں جمع ہونا محال ہے، اور لغوی معنی بھی یہی ہے، اور اسی میں اکثر عرفاً استعمال ہوتا ہے، اس اعتبار سے کوئی شے باری تعالیٰ کی عینِ ذات نہیں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ عینیت کے تو وہی مذکورہ بالا معنی لئے جائیں، اور غیریت کے معنی یہ ہوں کہ دو چیزوں میں سے کسی ایک کا دُوسری کے بغیر موجود ہوسکنا، عینیت و غیریت کے اس معنی میں باہم تناقض تو نہیں، مگر تضاد ہے، یعنی دونوں ایک محل پر صادق نہیں آسکتے، مگر مرتفع ہوسکتے ہیں، یہ متکلمین کی اصطلاح ہے، اس تفسیر سے بھی ذاتِ باری تعالیٰ اور مخلوقات میں عینیت نہیں، بلکہ غیریت ہے، اس لئے کہ مخلوقات بدوں باری تعالیٰ کے موجود نہیں ہوسکتی، لیکن باری تعالیٰ بدوں مخلوقات کے پہلے بھی موجود تھے۔

عینیت کے تیسرے معنی یہ ہیں کہ ایک شے کا اپنے وجود میں دُوسری شے کی طرف محتاج ہونا، گو دُوسری پہلی کی طرف محتاج نہ ہو، اور غیریت کے وہی پہلے والے معنی کہ دو چیزوں میں کسی قسم کا تغایر، امتیاز یا فرق ہونا، یہ اصطلاح صوفیا کی ہے، جس کے اعتبار سے ذاتِ باری تعالیٰ اور مخلوقات میں عینیت بھی ہے، کیونکہ مخلوقات اپنی ذات میں ذاتِ باری تعالیٰ کی محتاج ہے، گو ذاتِ باری تعالیٰ اس احتیاج سے مبرا ہے، اور غیریت بھی ہے، کیونکہ ذاتِ باری تعالیٰ اور مخلوقات میں لاکھوں طرح کے فرق ہیں، جیسا کہ فرمایا:

''اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَی اللّٰہِ وَاللّٰہُ ھُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ''

ترجمہ:... ''تم سب اللہ تعالیٰ کے ہر طرح محتاج و تابع ہو، اور اللہ تعالیٰ ہر طرح غنی و بے نیاز ہے۔''

گو اس تیسرے معنی کے اعتبار سے صوفیہ تمام مخلوقات کو عینِ باری تعالیٰ کہتے ہیں، مگر بعض اوقات ایک قید اور بڑھاتے ہیں کہ: مخلوق کو خالق کی طرف احتیاج کا علم و معرفت بھی حاصل ہو، اور اس مقید معنی کے اعتبار سے تمام مخلوقات میں صرف عارف کے لئے عینیت کا اثبات کرتے ہیں، کیونکہ دُوسری مخلوق اس عرفان سے خالی ہے۔

پھر بعض اوقات اس قید پر ایک اور قید بڑھا دیتے ہیں کہ: ایسی معرفت میں اس قدر استغراق ہو کہ خود مخلوق، بلکہ اپنی ذات و ہستی کی طرف بھی التفات نہ رہے، یہ حضرت حکیم الاُمت مجدد الملّۃ تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق ہے، جس سے نہ کسی عامی کو انکار ہوسکتا ہے اور نہ کسی عالم کو توحش، اس کے سمجھنے کے لئے نہ فلسفی ہونے کی حاجت ہے، نہ کسی مابعد الطبیعاتی فلسفہ یا نظریہ کی ضرورت، نہ بندہ کی بندگی میں کوئی فرق آیا، نہ خدا کی خدائی یا تنزیہ میں اس سے کوئی نقص آیا، جَزَاھُمُ اللّٰہُ تَعَالٰی خَیْرًا!

(کذا فی تجدید تصوّف)

فائدہ:... ہمہ اوست کا یہ معنی نہیں کہ ''ہمہ'' اور ''اُو'' ایک ہیں، بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ ''ہمہ'' کی ہستی قابلِ اعتبار نہیں، بلکہ ''اُو'' کی ہستی لائقِ شمار ہے، اور ''باقی'' کی ہستی کے سامنے ''فانی'' کی کوئی ہستی نہیں، پس وحدۃ الوجود کا معنی ہے: وجود ایک ہونا، پس حقیقۃً وجود ایک ہی ہے۔ اور وحدۃ الشہود کا معنی ہے: شہود ایک ہونا، یعنی واقع میں تو متعدّد ہستیاں ہیں، مگر سالک کو ایک کا مشاہدہ ہوتا ہے، اور دُوسرے سب کالعدم ہیں، پس وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود میں اختلاف لفظی ہے، فافہم!

وحدتِ وجود کے قول سے چارہ نہیں:

وحدۃ الشہود والوں کی حقیقت بھی وہی ہے جو وحدۃ الوجود والوں کی ہے، کیونکہ اُن کے نزدیک بھی حقیقی وجود ایک ہے، جیسا کہ شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تھا، فرق صرف یہ ہے کہ شیخ اکبرؒ وجودِ ظلّی کی نفی کرتے ہیں، اور حضرت مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ وجودِ ظلّی کا اثبات کرتے ہیں۔ وجودِ حقیقی واحد ہونے میں دونوں متفق ہیں، چونکہ شیخ اکبرؒ وجودِ ظلّی کے قائل نہیں، اس لئے ان کے مشرب کا لقب وحدۃ الوجود ہوا، اور حضرت مجدّد الف ثانیؒ نے وجودِ ظلّی کا اثبات فرمایا، اس لئے ان کے مشرب کا لقب وحدۃ الشہود ہوا۔ اور شیخ اکبرؒ کی طرف سے یہ عذر پیش فرمایا کہ اُن کو غلبہ نورِ وجود کی وجہ سے وجودِ ظلّی مشہود نہیں ہوا، بلکہ صرف وجودِ واحد ہی مشہود ہوا، لہٰذا بایں معنی کہ حضرت مجدّد صاحبؒ نے مشہور وحدۃ الوجود کی حقیقت وحدۃ الشہود ظاہر فرمائی ہے، اس لئے ان کے مسلک کا لقب وحدۃ الشہود ہوا، کیونکہ اثباتِ وجودِ ظلّی کے باوجود صرف وجودِ حق کا ہی مشاہدہ کرتے تھے، جیسے دن میں ستاروں کا مشاہدہ نہیں ہوتا، باوجودیکہ ستارے موجود ہیں اور موجود سمجھے بھی جاتے ہیں، یہ وجہ تسمیہ باعتبار اصطلاح کے ہے، ورنہ تھوڑے معنی میں وحدۃ الوجود کے قائل ہونے میں سب حضرات برابر ہیں۔

پس اس مسئلے میں چار مذاہب ہیں: ایک علمائے ظاہر کا، دُوسرا بعض حکمائے اسلام کا، تیسرا قائلینِ وحدۃ الوجود کا، اور چوتھا قائلینِ وحدۃ الشہود کا۔ اس میں تین مذاہب تو متفق ہیں، صرف علمائے ظاہر وجود کو کلی مشکک اور اس کے مصداق کو متعدد مانتے ہیں۔

توحیدِ ذات، صفات اور افعال میں مغالطے کا جواب:

اس کا مشہور عنوان "لَا فَاعِلَ اِلَّا اللّٰہُ" ہے، یعنی اللہ کے سوا کوئی فاعل نہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے سوا کسی کی طرف کوئی فعل منسوب نہیں، اس پر کئی طرح کے اِشکالات ہیں، مثلاً:

اوّل:... یہ کہ یہ عقائد کے خلاف ہے۔

دوم:... یہ کہ اس میں قبائح کا صدور جناب باری تعالیٰ سے لازم آتا ہے۔

سوم:... یہ کہ مشاہدہ و وجدان بھی اس کی تکذیب کرتا ہے۔

چہارم:... اس سے تمام شرائع کا ابطال ہوتا ہے۔

جواب:... اس کا مطلب یہ ہے کہ تمام اسباب و افعال کا منتہا، بلکہ یوں کہئے کہ افعال کا خالق بجز حق تعالیٰ کے کوئی نہیں، گو وسائط اور ظاہری اسباب اور بھی ہیں، مگر چونکہ عارف کی دُوسرے وسائط اور فاعلوں کی طرف نظر اور التفات نہیں ہوتا، اس لئے وہ ان کی نفی کرتا ہے۔ سو واقع میں یہ نفی باعتبار قابلِ التفات ہونے یا التفات کرنے کے ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی قابلِ التفات نہیں، یا اس کی طرف التفات نہیں۔

ٹھیک اسی طرح توحیدِ ذاتی و صفاتی کو سمجھئے، کہ اس کا مطلب یہ نہیں کہ بجز صفات وذاتِ خداوندی کے کوئی صفت یا ذات موجود نہیں، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ عارف کو کسی دُوسری ذات وصفت کی طرف التفات نہیں ہوتا، اس کا راز بھی یہی ہے کہ غلبۂ عشق میں عاشق کی نظر میں صرف معشوق ہی معشوق رہ جاتا ہے، اسی مرتبہ میں وحدت کا حکم ہوتا ہے، سو یہ تینوں مراتب توحیدِ وجودی کی فرع ہیں۔

(کذا فی التکشف ج:۳ ص:۱۳، ۱۵)

علمی وحدۃ الوجود سے قربِ مطلوب حاصل نہیں ہوتا:

یاد رکھنا چاہئے کہ: "اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُقَرَّبُوْنَ" والا قرب کتاب وسنت کی رُو سے مطلوب ہے، اس پر صحیح اعتقاد کے ساتھ عمل کیا جائے تو اس سے قربِ الٰہی تعالیٰ نصیب ہوتا ہے۔ وہی کتاب وسنت کا علم ہے، اسی پر اعتقاد وعمل، عرفان وقربِ خداوندی کا موجب ہے، بس۔ پس اگر کسی کو وحدۃِ وجود اور وحدۃِ شہود کا علم حاصل نہیں تو اس کے قرب میں نقص نہیں، اور اگر علم ہے تو قرب میں زیادتی نہیں، اگر بالفرض کسی کافر، فاسق، فاجر اور فلسفی کو اس کا علمِ کامل آجائے اور وہ علمِ دین وعملِ صحیح سے محروم ہو، تو کیا وہ مقرّب ہوجائے گا؟ نہیں بلکہ وہ اس کے ذریعہ زندقہ واباحت کا دروازہ کھولے گا، اور اس کو اسرار وراز بتاکر لوگوں کو گمراہ کرے گا!

قربِ خداوندی اور اتصال کا مطلب:

سوال:... قربِ خداوندی مخلوق کے ساتھ ذاتی ہے یا وصفی؟ اگر اللہ تعالیٰ بالذات قریب ہو تو یہ قرب استویٰ علی العرش کے ساتھ کیسے جمع ہوگا؟ نیز جو لوگ قربِ وصفی کے قائل ہیں، وہ قربِ ذاتی کے قائلین کو کافر کہتے ہیں۔

جواب:... اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ عوام الناس قربِ ذاتی سے معیت جسمانی سمجھ لیتے ہیں، اس لئے علماء نے اس کا اِبطال کیا ہے، بعض نے اس کے قائلین کی تکفیر کی ہے، لیکن اگر معیتِ ذاتی بلاکیف ہو تو اس میں کوئی محذور وممانعت نہیں، نہ استواء علی العرش کے ساتھ اس کا اجتماع ممتنع اور مشکل ہوگا، البتہ جس کو بلاکیفیت کی قید کے ساتھ اعتقاد پر قدرت نہ ہو، تو اس کے لئے سلامتی اسی میں ہے کہ معیتِ وصفی کا قائل رہے۔ (کذا فی بوادر النوادر ص:۵۰، ۵۱)

اتصالے بے تکیّف بے قیاس
ہست ربّ الناس را با جان ناس

قربِ مطلوب کیا ہے؟

یاد رکھنا چاہئے کہ قربِ مطلوب محض علم سے نہیں آتا، بلکہ اِخلاص کے ساتھ اس علم پر عملِ صحیح کرنے سے آتا ہے، اگر کوئی بے نمازی پورے طور پر نماز کا فلسفہ جان لے، مگر رہے بے نمازی کا بے نمازی، تو کیا وہ فلسفۂ نماز کے جاننے سے مقرّب ہوگیا؟

اسی طرح قرب، معیت یا وحدۃ الوجود کے ایمان وعلم کا اصل مقصود و مدعا بھی وحدۃ الشہود ہے، کہ حق تعالیٰ کی ذات وصفات کا حضور یا مقامِ احسان حاصل کیا جائے، یعنی اس کا ماننے یا جاننے والا اپنی زندگی کے سارے اعمال، افعال، حرکات اورسکنات میں اس طرح کا قرب حاصل کرے کہ اللہ تعالیٰ کوقریب اور حاضر ناظر جان کراس طرح عبادت کرے کہ گویا اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے، یا اللہ تعالیٰ اس کو دیکھ رہا ہے، یہ مرتبہ احسان ہے، جو مطلوبِ شرعی ہے، اس استحضار سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بھی بچے گا، اطاعت وفرماں برداری پر بھی کمربستگی ہوگی اور عبادت بھی خشوع و خضوع سے ہوگی۔

جنت بھی مطلوب بالذات نہ ہو:

قرب کا مقصد ...نعوذ باللہ... یہ نہیں کہ خدا تعالیٰ کی گود میں جا کر بیٹھنا ہے، بلکہ محققین کے نزدیک قرب، رضاجوئی کے اس بلند ترین مقام کا نام ہے، جس میں بندہ کا مطلوب ومقصود خود اللہ تعالیٰ کی ذات یا اُن کی رضا ہوتی ہے، حتیٰ کہ جنت بھی مطلوب بالذات نہیں رہتی، بلکہ جنت اس لئے مطلوب ہوتی ہے کہ لقاءِ الٰہی جنت ہی میں ہوگی، لہٰذا جنت بھی مطلوب ہے، اور یہ جو متصوفین کہا کرتے ہیں کہ جنت کی ضرورت نہیں، یہ غلط ہے، اس لئے کہ جس کی رَبِّ کریم جل ثناؤہ ترغیب دے، اس

سے بے رغبتی کا اظہار بے ادبی ہے، ہاں! یہ ضرور ہے کہ جنت مقصود بالذات نہیں:

وصال و ہجر چہ باشد رضائے دوست طلب کن

کہ حیف باشد از و غیر او تمنائے

ترجمہ:... ''فراق و وصل کیا ہوتا ہے، صرف دوست کی رضامندی طلب کر، کیونکہ اس سے اس کی ذات کے سوا اور کسی چیز کی تمنا کرنا، افسوس کی بات ہے۔''

قرب، کمالِ دین کا نام ہے:

قرآنِ مجید میں ہے:

''وَمَآ اَمْوَالُکُمْ وَلَآ اَوْلَادُکُمْ بِالَّتِیْ تُقَرِّبُکُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰٓی اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا....'' (سبا:۳۷)

ترجمہ:... ''تمہارے مال اور تمہاری اولاد ایسی چیز نہیں کہ جس سے تم کو ہمارا قرب دلادے، ہاں! جس نے ایمان لایا اور نیک عمل کئے۔''

اس آیت میں قرب کے لئے ایمان اور عملِ صالح کو سبب بتلایا گیا ہے، اور ظاہر ہے کہ قرب کے لئے ایمان و عملِ صالح کا وہ درجہ مطلوب ہوگا جو کامل ہو، (کیونکہ ناقص تو ادنیٰ درجہ کے مؤمن کو بھی حاصل ہے)، یہ کامل درجہ اِنسانیت کا بلند ترین مرتبہ و مقام ہے، اور: ''اُولٰٓئِکَ الْمُقَرَّبُوْنَ'' میں مذکور ہے، وہی کمالِ ایمان اور عمل یا بالفاظِ دیگر کمالِ دِین ہے، جس کو تصوّف کی اصطلاح میں ''اِحسان'' کہا جاتا ہے، وہ کمالِ ایمان کے ساتھ اعمالِ صالحہ کا تمام و کمال اجتماع ہے۔

درجۂ کمال کے تین اجزا ہیں:

درجۂ کمال تین چیزوں پر موقوف ہے: علم، عمل اور حال۔

اس لئے کہ اگر علم نہیں تو عمل کی اطلاع نہیں ہوگی، اگر علم ہے اور عمل نہیں تو اس اطلاع سے کیا فائدہ؟ کیونکہ اس میں خلوص و بقاء کی اُمید نہیں۔

اگر کسی سے محبت ہوجائے، اس کے پاس آؤ، جاؤ اور کھلاؤ پلاؤ، تو یہ عمل ہے، پھر جب اس کی محبت میں بے چینی ہونے لگے تو یہ حال ہے، اور بے چینی بھی درجۂ کمال پر پہنچ جائے کہ ایک لمحے کے لئے بھی یار کی یاد اور تعمیلِ فرمان سے غفلت نہ ہو، اسی کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''قال را بگذار مرد حال شو'' (آگے اس کا طریقہ بتلاتے ہیں:) ''پیش مرد کاملے پامال شو''، یعنی اس کا حصول لکھنے پڑھنے سے نہیں آتا، کسی کامل کے فیضِ صحبت سے آتا ہے۔

حالِ اور ملکہ پیدا ہونے سے پہلے ارتداد (لوٹنے، رَدّ ہوجانے یا کئے جانے) کا اندیشہ ہے، محبوب کی محبت اتنا پسندیدہ و مرغوب ہوجائے کہ طبعی ہوجائے، جس طرح طبعی و نفسانی مرغوبات و مطلوبات یا دُنیاوی ترقی میں کسی درجہ پر ٹھہرتا ہے اور نہ قانع ہوتا ہے، اسی طرح رُوحانیت و قرب جو بے نہایت ہے، اس میں ترقی کا کیسے طالب نہ ہو؟

نگویم کہ بر آب قادر نیند
کہ بر ساحلِ نیل مستسقی اند

محبوب و معشوق کے قرب، رضا اور خوشنودی میں ایسی مستی و لذت ہوتی ہے کہ کلفت بھی عین راحت ہوجاتی ہے:

ناخوش تو خوش بود بر جان من
دِل فدائے یار دل رنجان من

ترجمہ:... ''تیری ناخوشی میری جان پر خوش ہوتی ہے،
مجھ کو رنج پہنچانے والے یار پر میرا دِل فدا ہے۔''

عبدیت:

شریعت کی اصطلاح میں ایمان وعملِ صالح کے ساتھ اس عشق اور طبعی حال کے کمال کا نام عبدیت ہے، جو عاشق ومعشوق کے درمیان برتاؤ اور معاملہ ہوتا ہے، وہی مملوک وغلام کا اپنے مالک کے ساتھ ہوتا ہے، کیونکہ عبدیت کی حقیقت یہ ہے کہ مالک کے حکم اور مرضی کے سامنے اپنی خواہش و مرضی کو فنا کردے، اور انسان کی آفرینش و پیدائش کا مدعا بھی عبدیت ہے، جیسا کہ قرآنِ کریم میں ہے:

''وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ۔''

یعنی انسان اور جن کو عبادت کے لئے ہی پیدا کیا ہے۔

کامل عبدیت ہی فنا فی اللہ ہے، عبدیت غلامیٔ کامل کا نام ہے، چنانچہ جیسے مالک، غلام کو کہے کہ: کھا! تو کھا سکتا ہے، کہے کہ: چل! تو چل سکتا ہے، کہے کہ: بیٹھ جا! تو بیٹھ سکتا ہے، کوئی کام اس کی رضا وفرمان کے بغیر نہیں کرسکتا، ایسے ہی فنا کا بھی یہی معنی ہے کہ اپنا ارادہ محبوب کے ارادہ میں فنا کردے، اور یہی عبدیت ہے۔ اَوامر و نواہی کا زیادہ تعلق اعمال و افعال سے ہے، خواہ وہ عبادات، معاملات، معاشرت یا اخلاق ہوں، فرمانِ شریعت میں سب کی تعمیل کرنے کا نام عبدیت و بندگی ہے، عبد کی کیا مجال ہے کہ تعمیلِ حکم میں پہلو تہی کرے؟ یا حکم کے اسرار و مصالح معلوم کرنے کی فکر کرے!

بہ در دعا ثنا ترا حکم نیست دم درکش
کہ آنچہ ساقی ماریخت عین الطاف است

ترجمہ:... ''دُعا میں تیری تعریف کرنے والے کا کوئی حکم نہیں ہے، خاموش رہ، کیونکہ جو کچھ ہمارے ساقی نے ڈالا ہے، پوری مہربانی ہے۔''

زبانِ تازہ کردن بہ اقرار تو
نینگیختن علت از کارِ تو

ترجمہ:... ''تیرے اقرار سے زبان تازہ کرنا، تیرے کام کی علت تلاش نہ کرنا۔''

تفویض و دُعا کے متعلق مغالطے کا جواب:

عبدیت و غلامی کا خلاصہ یہ ہے کہ مالک کے سامنے ہم، ہماری ذات اور ہماری صفات، کچھ بھی ہماری نہیں، سب اس کی ملک ہے اور ہم نرے غلام ہیں، اسی عبدیت کا دوسرا عنوان تفویض ہے، تفویض کی حقیقت قطع تجویز ہے، یعنی اپنے کو خدا تعالیٰ کے سپرد کردے کہ وہ جو چاہیں تصرف کریں، اپنی طرف سے کوئی حالت یا نظام تجویز نہیں کرے:

سپردم بہ تو مایۂ خویش را
تو دانی حسابِ کم و بیش را

ترجمہ:... ''میں نے اپنی پونجی تیرے سپرد کردی، کمی بیشی کا حساب تو جانے۔''

اس پر شبہ ہوتا ہے کہ پھر دُعا مانگنا عبث ہے، کیونکہ دُعا اور تفویض میں بظاہر

تعارض معلوم ہوتا ہے، اگر تفویض ہے، تو دُعا مانگنا کیسے؟ اور دُعا مانگنا ہے، تو تفویض نہ ہوئی۔

جواب:...اس کا جواب یہ ہے کہ تفویض کا یہ معنی نہیں کہ مانگے نہیں، بلکہ عزم یہ رکھے کہ مانگنے پر بھی نہ ملا تو اس پر بھی راضی رہوں گا، کیونکہ مانگنا تفویض کے خلاف نہیں، ورنہ مانگنے کا حکم نہ فرمایا جاتا، لہٰذا صاحبِ تفویض جب مانگتا ہے تو حکمِ الٰہی: ''اُدْعُوْنِیْ'' کی تعمیل کر رہا ہے، اور یہی تفویض ہے، اسی طرح: ''وَاُفَوِّضُ اَمْرِیْ اِلَی اللهِ'' سے اشارۃً معلوم ہو رہا کہ تفویض اور دُعا میں کوئی تعارض نہیں، غرض تفویض کلی عبدیت ہے، اور اپنی تجویز سے امتیازی نشان بنانا عبدیت کے بالکل خلاف ہے۔

مگر اکثر نام نہاد صوفی نامعلوم کیسی، کیسی غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ اپنی تجویز کا نام بزرگی رکھ لیا ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے کہ: فلاں بزرگ گھی نہیں کھاتے، فلاں بزرگ گائے کا گوشت نہیں کھاتے، اور فلاں قربانی نہیں کرتے، اور فلاں بڑے رحم دِل ہیں اور جانور کے گلے پر چھری رکھنے کو اچھا نہیں جانتے، یہ سب نام نہاد بزرگی کی علامات ہیں۔ اصل بزرگی تسلیم و انقیاد کا نام ہے، حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ رحم دِل اور خدا ترس کون ہوگا؟ مگر حضورِ اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تو اپنے دستِ مبارک سے قربانی کے ساٹھ اُونٹ ذبح کئے تھے، مگر آج کل کے جہلا اس قسم کی درویشی کو رحم دِلی تصوّر کرتے ہیں۔ سبحان اللہ! یاد رکھنا چاہئے کہ ترکِ حیوانات کے ساتھ چلّہ کشی بدعت ہے، ترکِ حیوانات کہتے ہیں گوشت سے پرہیز کرنے کو، اگر کوئی بطورِ علاج کے گوشت نہ کھائے تو دُرست ہے، اور اگر ثواب جان کر یا مراتب بلند کرنے کے لئے یا فیوض و برکات کے حصول کے لئے گوشت کھانا ترک کرے، تو یہ بدعت اور اعتقادِ فاسد ہے۔

حیاتِ طیبہ:

یاد رکھنا چاہئے کہ معروضاتِ سابقہ سے واضح ہو چکا کہ تصوّف قلب و قالب اور صورت و باطن کے سارے کمالات و فضائل کی تحصیل کا نام ہے، تو جیسے حسنۂ آخرت حاصل ہوگا، ویسے ہی حسنۂ دُنیا بھی نصیب ہوگا، اسی لئے دُنیا و آخرت کی حسنات مانگنے کا حکم ہے:

''رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً''

ترجمہ:... ''اے اللہ! ہمیں دُنیا اور آخرت میں بہتری عطا فرما۔''

اور:

''مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْیِیَنَّهٗ حَیٰوةً طَیِّبَةً.''

ترجمہ:... ''مرد و عورت جو بھی اچھے کام کرے، بشرطیکہ مؤمن بھی ہو، تو ہم اس کو یقیناً دنیا میں بھی مزہ دار زندگی عطا کریں گے۔''

ایمان و عمل صالح، جن کا کمال جامعیت ہی تصوّف ہے، پر دُنیا میں بھی پاکیزہ زندگی کا وعدہ فرمایا ہے۔

اصل راحت قلب کی راحت ہے:

راحت، آرام اور مسرّت فی الواقع نفس و قلب کا ادراک و وجدان ہے، اگر کسی کا دِل کسی وجہ سے بے چین و پریشان ہے، تو تختِ شاہی پر بیٹھ کر بھی اس کو آرام

نہیں آئے گا، اور اگر دِل کو سکون و اطمینان نصیب ہے، تو جھونپڑی کے نیچے دال دلیا کھاتے ہوئے بھی اس کو مزہ دار زندگی میسر ہے، تو حیاتِ طیبہ کو دُنیا کی بھلائی، دولت، ثروت، حکومت، سلطنت، امیرانہ ٹھاٹھ اور رہنے سہنے کے اعلیٰ درجہ کے ظاہری اسباب کے حصول و وصول میں منحصر جاننا، دُنیاوی ترفع، تعلّی اور برتری کے لئے جدوجہد، مسابقت اور منافست کرنا، اسکے پیچھے مرتے رہنا، اور اس غم و غصّے، حزن و خوف اور حبِ جاہ و مال میں رہنا کہ ہائے! فلاں کے پاس مجھ سے زیادہ مال و جاہ ہے، میں نے وہ ڈگری حاصل نہ کی، اِسی طرح جاہ و مال کو ذرا سا خطرہ لاحق ہوا تو خوف وحزن سے دَم نکلنے لگنا وغیرہ، اس کا نام حیاتِ طیبہ رکھنا کس قدر بڑا مغالطہ اور شدید دھوکا ہے! کیونکہ ایسا شخص تو ہمیشہ بغض وحسد کی آگ میں جل رہا ہے، یہ ریا و نفاق میں گرفتار ہے، یہ مکر و فریب میں دن رات گزار رہا ہے، اس کا قلب جیسے دُوسروں کی بڑائی سے کڑھتا اور جلتا رہتا ہے، اسی طرح اپنی بڑائی کی فکر و حفاظت، تکلیف، مصیبت اور اس کے زوال کے حزن میں مرتا رہتا ہے، جب اس کے دِل کو سکون ہی میسر نہیں تو اُسے مسرّت و آرام کی ہوا کیونکر لگے گی؟

اس کے مقابلے میں جس کا دِل ان بیماریوں سے پاک ہے، اور غنائے قلب، تسلیم، رضا، صبر، شکر، قناعت، توکل، انکسار اور تواضع کی دولت سے مالا مال ہے، اور دُوسروں کے جاہ وجلال سے بے پروا ہے، تو ایسے شخص کا کلیجہ ٹھنڈا ہے اور وہ راحت و آرام میں ہے، خواہ دولت وثروت میں ہے یا فقر وفاقہ میں۔ ایسا شخص جو دُنیوی ترقی کی پیاس سے بے تاب ہے، اُمراء، وزراء اور ساہوکاروں کے قدم چوم رہا ہے، ذرا سی حکومت و دولت کے نشے میں چور ہوکر ہزارہا ذِلت، خدمت اور چاپلوسی کا شکار ہے، یہ کم ہمت حیاتِ طیبہ کی لذّت سے محروم ہے، نہ کہ وہ صاحبِ دِل جس کی ہمت کے سامنے دُنیا کی ساری شاہی ہیچ ہے:

از بروں چوں گورِ کافر پُر حلل
واندروں قہرِ خدائے عزّ و جل

عافیت اور اطمینان کے دُشمن:

عافیت اور اطمینان کے بڑے دُشمن رذائلِ نفس اور اخلاقِ سیئہ ہیں، جیسے: حسد، ریا، نفاق، کبر، عجب، حبِ جاہ اور حبِ مال وغیرہ، مثلاً جو شخص اپنے سے زیادہ جاہ و مال والے سے بغض، عداوت اور حسد کی آگ میں جلتا مرتا ہے، اس کو اپنے جاہ و مال سے کیا راحت و مسرّت ہوگی؟

از بروں چوں گورِ کافر پُر حلل
واندروں قہرِ خدائے عزّ و جل

تصوّف کا پہلا قدم رذائل کا ازالہ، یعنی تزکیہ ہے، صاحبِ تزکیہ آدھی روٹی کھاکر، زمین پر سوکر ایسا مطمئن و مسرور ہوتا ہے کہ حسد وغیرہ کی آگ میں جلتے، مرتے دولت مند کو عمر بھر یہ دولت نصیب نہیں ہوتی۔

اصول الوصول اور ضوابطِ سالک میں فائدۂ عجیبہ:

طالبِ صادق اور سالکِ طریق کے لئے اجمالی طور پر مندرجہ ذیل اُمور کا لحاظ رکھنا ضروری ہے:

۱:...اتباعِ سنت ظاہراً و باطناً ہونی چاہئے، کیونکہ:

خلافِ پیمبر کسے راہ گزید
ہرگز بمنزل نخواہد رسید

۲:...شیخِ کامل اور متبعِ سنت کی اتباع ضروری ہے، کیونکہ بلا شیخ و مرشد کے عادتاً اصلاح مشکل و متعذر ہے۔

۳:...اپنے بھلے، بُرے سب اَحوال کی مرشد کو اطلاع کرے، شیخ کی جانب سے تلقین فرمودہ اصلاح پر ضرور کمر بستہ ہوجائے۔

۴:...سالک کو عجلت کی طلب اور جلد ثمرہ حاصل ہونے کا تقاضا مضر ہے۔

۵:...غیر اختیاری چیز کا طالب بالکل نہ بنے، اور اختیاری چیز کو ہاتھ سے نہ جانے دے، یعنی اس پر ضرور عمل کرے۔

حضرت حکیم الاُمت رحمۃ اللہ علیہ نے سیّد سلیمان ندوی علیہ الرحمۃ کو جو خط لکھا، وہ پیشِ خدمت ہے:

''مأمور بہ وجوباً یا استحباباً صرف افعال ہیں، انفعالات نہیں، مثلاً رغبت الی الطاعات، تنفر عن البدعات، استقامت، تثبت، لذّت، شوق اور اصطلاحِ قلب وغیرہ، ان میں جو چیزیں یا بعض چیزوں کے جوارحی افعال ہیں وہ مأمور بہ نہیں، مثلاً: ذوق، شوق وغیرہا، کیونکہ وہ غیر اختیاری ہیں، البتہ وہ انفعالات بعض مطلقاً اور بعض خاص احوال میں محمود ضرور ہیں، اور اسی درجہ میں مطلوب بھی ہیں، مگر وہ سب آثار وثمرات انہیں افعال کے ہیں، اور افعال ہی ان کے اسباب ہیں، ان کی طرف فی الجملہ یا اکثر مفضی ہیں، ان کے علل نہیں کہ ان سے متخلف ہی نہ ہوں، اگر تخلّف بھی ہو تو مضر نہیں، کیونکہ اصل مقصود قرب و رضا کی وہ شرط نہیں، انتہیٰ ملخصاً۔''

پس قرب کے حصول کے لئے جوارح کے افعال ہیں، انہیں کئے جاؤ، انفعال مامور بہ نہیں، فافہم وتدبر!

الحمد لله تعالیٰ حمدًا کثیرًا طیبًا مبارکًا فیه ومبارکًا
علیه کما یحب ربنا ویرضی
اللّٰهم صل علیٰ سیدنا محمد وعلیٰ اٰل سیدنا محمد
افضل صلواتک بعدد معلوماتک وبارک وسلم علیه
اللّٰهم تقبل منا انک انت السمیع العلیم،
لا حول ولا قوة الا بالله

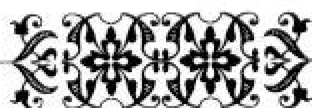
۱۴ رمحرم الحرام ۱۳۸۴ھ

''غیر اختیاری چیز کا طالب بالکل نہ بنے اور اختیاری چیز کو ہاتھ سے نہ جانے دے یعنی اس پر ضرور عمل کرے۔''

آدابُ الذِّکر واقسامُ الفِکر

یعنی

ذکر کے آداب اور غور و فکر کی اقسام



قطب الارشاد حضرت مولانا محمد عبداللہ بہلوی قدس سرہ

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

رَبِّ يَسِّرْ وَتَمِّمْ بِالْخَيْرِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى، اَمَّا بَعْدُ!

اللہ تعالیٰ اپنی یاد اور ذکر ہر شخص سے نہیں کراتے، جس کو اپنا مقرّب بنانا چاہتے ہیں، اُسے اپنے نام کے ورد کی توفیق عطا فرماتے ہیں، کیونکہ بادشاہ اپنی درگاہ میں ہر کسی کو حاضر ہونے کی اجازت نہیں دیتے، ذکر سے فلاحِ دارین یعنی دونوں جہان کی کامیابی حاصل ہوتی ہے، جیسا کہ قرآنِ کریم میں ہے:

"وَاذْكُرُوا اللهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ."

(الانفال:۴۵)

ترجمہ:... "اور اللہ کو بہت یاد کیا کرو تا کہ تم کامیاب ہو۔"

دُوسری جگہ ہے:

"فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ." (البقرۃ:۱۵۲)

ترجمہ:... "پس تم مجھے یاد کرو، میں تمہیں یاد کروں گا۔"

یعنی بندہ کا اللہ کو یاد کرنا، اس کا سبب ہے کہ خداوند کریم جل شانہ اس بندہ کو رحمت سے یاد فرماتے ہیں۔

رَبّ تعالیٰ، ذاکرین کی تعریف فرماتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

''رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللهِ.''

(النور: ۳۷)

ترجمہ:... ''ایسے جوان ہیں کہ ان کو خرید و فروخت، اللہ کے ذکر سے روک نہیں سکتے۔''

حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے ذاکر کو مثل زندہ کے اور ذکر و فکر نہ کرنے والے کو مثل مردہ کے فرمایا ہے، رواہ البخاری۔

صحیح مسلم و ترمذی میں ہے کہ:

جو قوم ذکر کرنے بیٹھے، ان کو فرشتے گھیر لیتے ہیں، رحمت ڈھانپ لیتی ہے، ان پر تسکینِ خاطر نازل ہوتی ہے، اور اللہ تعالیٰ ان کو ان میں یاد فرماتا ہے جو اس کے نزدیک ہیں، وغیر ذالک من الأحادیث الصحیحۃ۔

شیخ شبلی قدس سرہٗ نے اپنے اصحاب کو فرمایا کہ: میں اس کے ساتھ ہم نشین ہوں جو میرا ذکر کرتا ہے، اس میں اشارہ ہے کہ ذکر سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اُنس اور غیروں سے وحشت پیدا ہوتی ہے۔

حضرت ابوعثمان قدس سرہٗ کو کسی نے کہا کہ:

''(ہم) ذکر بہت کرتے ہیں اور اس کی لذّت و شیرینی دِل میں نہیں پاتے؟ فرمایا: شکر کرو! کہ تمہارے اعضاء میں سے ایک عضو حق تعالیٰ کی اطاعت سے آراستہ ہے۔''

شیخ ابنِ عطاء اللہ اسکندری شاذلی رحمۃ اللہ علیہ کتاب الحکم میں فرماتے ہیں کہ:

''ذکر سے غفلت اس سے سخت تر ہے کہ ذکر کرے اور اس میں غفلت ہو جائے۔ یعنی ذکر نہ کرنا اس سے سخت تر ہے، کہ ذکر تو کرے مگر دِل نہ لگے اور غلط خیال آ جائیں۔''

اسی کتاب میں مذکور ہے کہ کلمہ طیبہ بذاتِ خود عالمِ جبروت سے ہے، جو عالَمِ ناسوت سے ظاہر ہوتا ہے، مگر وہ عالَمِ ملکوت کی طرف چڑھتا ہے، وہ کسی دُنیاوی حقیقت سے متعلق نہیں ہوتا، بلکہ جہان کے حقائق اس سے صادر ہوتے ہیں، چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے:

"اِلَیْهِ یَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّیِّبُ" (فاطر:۱۰)

ترجمہ:..."اسی کی طرف پاک کلمے چڑھتے ہیں۔"

جو شخص ہر صبح ہزار بار باوضو یہ کلمہ پڑھے، اس کی رُوح عرش کے نیچے سے کھاتی پیتی ہے، اور جو شخص دوپہر کے وقت ہزار بار پڑھے، اس کے باطن کا شیطان ضعیف ہوجاتا ہے، اور جو شخص چاند کی پہلی تاریخ کو پڑھے، وہ تمام بیماریوں سے محفوظ رہے گا، اور جو شخص شہر میں داخل ہونے سے پہلے پڑھے، وہ تمام فتنوں سے بچے گا، اور جو شخص ظالم سے بچاؤ کے لئے حضورِ دِل سے پڑھے گا، وہ امان میں آئے گا، اور جو شخص کسی غیب کی چیز کی اطلاع کے لئے پڑھے گا، وہ چیز اس پر منکشف ہوجائے گی۔

فائدہ:...اگر کسی شیخ سے اجازت بھی لے لے تو عمدہ تر ہے، اس لئے کہ اجازت میں عظیم تأثیر ہے، اسی طرح شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ کی کتاب المکاتیب والرسائل میں ہے:

"جاننا چاہئے کہ ذکر کے یہ فوائد جو مذکور ہوئے، دُنیوی ہیں، اور عوام کا حصہ ہے، اور کلمہ طیبہ کے ذکر سے خواص اور خاص الخاص کا حصہ فنائے نفس، فنا از خلق اور فنائے ارادت ہوتا ہے، اور بالفاظِ دیگر قربِ الٰہی تعالیٰ ہی ان کا مطمحِ نظر و مقصدِ اعلیٰ ہوتا ہے، جس کا ثمرہ جنتِ فردوس میں فیض بشارت رَبّ

رحمٰن رحیم جل شانہ کی زیارت، اور حضور پُرنور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب و جوار ہی ہے۔''

گر نبودے ذات حق اندر بہشت
بر کنند مستان حضرت قصر جنت خشت خشت

ترجمہ:... ''اگر بہشت میں ذاتِ حق نہ ہوتی تو حضرتِ حق کے مستانے جنت کے محلات کو اِینٹ اِینٹ کر ڈالتے۔''

امید بوئے تو از بہار بود مرا
دگر نہ باگل و گلشن چہ کار بود مرا

ترجمہ:... ''مجھ کو بہار سے تیری بو کی اُمید ہوتی ہے، ورنہ مجھے پھول اور باغ کے ساتھ کیا کام ہے؟''

فنا کی اقسام:

فنا تین قسم پر ہے:

۱:... فنا از خلق: وہ یہ کہ خلقت کی مدح و ذمّ، دینا نہ دینا اور بود و نابود (ہونا یا نہ ہونا) وغیرہ برابر ہوجائے، مخلوق سے تمام اُمیدیں منقطع ہوجائیں، جس کو حدیث میں ''أجمع اليأس مما في ايدي الناس'' سے تعبیر فرمایا ہے۔

۲:... فنا از نفس دروں بردن: یعنی خلوَت و جلوَت میں نفس، شریعت کے حکم کا فرماں بردار ہوجائے، جس کو: ''اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗ اَسْلِمْ، قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ'' (البقرہ:۱۳۱) سے فرمایا ہے۔

۳:... فنا آرزو و خواہش: یعنی بجز رضائے حق وشوقِ دیدار کے کوئی غرض نہ رہے، ارشادِ الٰہی: ''وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ'' اس کا مقتضی ہے، کیونکہ محبتِ کامل

بجز رضائے معشوق ومحبوب کے ہر آرزو کو فنا کردیتی ہے، فافہم!

توحید کی چار اقسام:

کلمہ طیبہ سے دوئی وخودی فنا ہوتی ہے، اور توحیدِ خالص نصیب ہوتی ہے۔

توحید چار قسم پر ہے:

اوّل:... خدا تعالیٰ کو ایک ہی کہے کہ وحدہٗ لاشریک لہٗ ہے، اس کو توحیدِ قولی کہتے ہیں۔

دوم:... خدا تعالیٰ کو یگانہ دانستن، یعنی دِل سے یقین کرے کہ اللہ تعالیٰ کا ذات، صفات اور افعال میں کوئی شریک نہیں، کسی سے بجز خدا تعالیٰ کے عزّت، ذلت، بیماری، شفا، غریبی، امیری، کامیابی، حاجت براری اور مشکل کشائی وغیرہ نہیں ہے۔

سوم:... اللہ تعالیٰ کو یگانہ دیدن، جب محبت صاف اور کامل ہوجاتی ہے تو نظر میں بجز محبوب کے کچھ بھی باقی نہیں رہتا، محبت کو بے گانگی سے جنگ ہے، یگانگی چاہتی ہے، فرمانِ الٰہی: "اَشَدُّ حُبًّا لِلّٰہِ" کا فرمان اس کو مقتضی ہے، اور لا اِلٰہ اِلا اللہ کے معنی لامشہود اِلا اللہ کا یہی مطلب ہے۔

چہارم:... اللہ تعالیٰ کو یگانہ یافتن: وہ یہ ہے کہ بندہ (پانے والا) بھی نہ رہے، اور نسبت یافت بھی گم ہوجائے، اور پانے والا اگر یہ سمجھے کہ میں نے پالیا ہے تو یہ بھی دوئی ہے:

تو درو گم شو کہ تجرید ایں بود
گم شدن گم کن کہ تفرید ایں بود

ترجمہ:... "تو اس میں گم ہوجا، کیونکہ تجرید یہی ہے، گم ہونا، گم کردے، کیونکہ تفرید یہی ہے۔"

یہی مطلب ہے لا اِلٰہ اِلا اللہ یعنی لا موجود الا اللہ کا۔ مگر یاد رہے کہ یہ چیزیں حالی ہیں، قالی نہیں، اور یہ بھی نہیں کہ ہر چیز خدا ہے، کیونکہ: سُبْحٰنَہٗ وَتَعَالٰی عَمَّا یُشْرِکُوْنَ! یہ جُثو یہ کا مذہب ہے، وہ کہتے ہیں کہ: ''ما نیستم ہمہ اوست'' اور اس کو توحید کہتے ہیں، اور اس بہانہ سے اَمر و نہی کی قید سے باہر آتے ہیں، اور اپنے آپ کو صوفی کہلاتے ہیں: بدنام کنندہ نکو نامے چند! (چند نیک ناموں کو بدنام کرنے والے):

سخن وحدت آنگہ از عامی
زان چہ خیزد بغیر بدنامی

ترجمہ:... ''اس وقت عامی سے وحدت کی گفتگو، اس سے بدنامی کے سوا کیا حاصل ہوتا ہے؟''

اور ہمہ اوست، ہمہ زوست یا ہمہ بدوست کا مسئلہ دُوسری چیز ہے، اس کا مطلب بیان کرنے کا یہ مختصر رسالہ متحمل نہیں۔

اس کلمہ طیبہ سے بندہ ناسوت سے ملکوتی صفات حاصل کرتا ہے، یعنی اخلاقِ رذیلہ، مثلاً: حسد، کبر، غفلت، غرور اور ضلال وغیرہ سے پاک ہوتا ہے، اور اخلاقِ حمیدہ، مثلاً: شکر، قناعت، توکل، تسلیم اور رضا وغیرہ سے منوّر ہوتا ہے۔ ذکر ہی سے فنا فی اللہ، بقا باللہ اور رَبّ تعالیٰ کی رضا حاصل ہوتی ہے، حضور اکرم سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا صحیح اِتباع نصیب ہوتا ہے، ذکر ہی حسنِ خاتمہ کے اسباب سے ہے، اور نجات از عذاب کا ذریعہ ہے، ذکر ہی دائم البقا ہے کہ بہشت میں بھی ہوگا۔

ذکر کے آداب:

ہر چیز کے فرائض، واجبات اور مستحبّات ہوتے ہیں، اسی طرح محرمات اور مکروہِ تحریمی وتنزیہی بھی ہوتے ہیں۔

جس چیز پر بقا موقوف ہو، وہ بمنزلہ فرض کے ہوتی ہے، جیسے بدنِ انسان کے لئے سر، جگر اور معدہ کا ہونا۔

وہ چیز کہ جس کے نہ ہونے سے شئ فنا تو نہیں ہوتی، مگر نہ ہونے کی مانند ہوجاتی ہے، اس کو واجب کہتے ہیں، جیسے ٹانگ اور بازو وغیرہ۔

جو چیز کسی شئ کو خوبصورت، منوّر اور روشن بنادے اور اس کے نہ ہونے سے زیب و زینت میں محض نقصان ہو یا اصل چیز اور اس کے فائدے میں نقصان ہو، وہ بمنزلہ مستحب کے ہوتی ہے۔

جو چیز کسی شئ کو فاسد و باطل بنادے، وہ بمنزلہ محرمات کے ہوتی ہے، جیسے مفسداتِ نماز، مثلاً: نماز میں کھانا پینا اور کلام کرنا وغیرہ۔

جو چیز کسی شئ کو ناکارہ بنادے، جیسے نماز میں ترکِ واجب وغیرہ، وہ مکروہِ تحریمی ہے۔

جو حسنِ نماز کو نقصان پہنچائے، جیسے ترکِ سنن وغیرہ، وہ مکروہِ تنزیہی ہے۔

اسی طرح ذکر کے بھی فرائض، واجبات اور مستحبّات ہیں۔

ذکر لغت میں بمعنی یاد کردن ہے، اور اصطلاحِ تصوف میں اللہ تعالیٰ کی یاد کو ذکر کہتے ہیں، چنانچہ ہر وہ چیز جس کے توسل سے یادِ حق ہو، خواہ وہ از قبیل اسم ہو یا رسم، فعل ہو یا قول، کلمہ ہو یا نماز، تلاوتِ قرآن مجید ہو یا دُرود شریف، ادعیہ ہوں یا کیفیات یا کوئی دُوسری چیز، جس سے کہ مطلوب کی یاد ہو، طالب و مطلوب میں ربط پیدا ہو یا اس سے ربط بڑھے، اس کو ذکر کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

پس فرض ذکر سے مراد وہ یاد ہے جس سے ربط بڑھے یا پیدا ہو، پس اگر ذکر سے ذہول، غفلت یا نسیان ہو، تو وہ ذکر نہ کہلائے گا۔

اگر یاد کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف پوری توجہ نہیں ہے اور توجہ کرنے کی

حسبِ طاقت ہمت بھی نہیں کرتا تو کچھ نہ کچھ فائدہ تو ہوگا، مگر جو فائدہ مطلوب ہے، اس کا حاصل ہونا مشکل ہے، چنانچہ توجہ الی اللہ کرنے کی ہمت کرنا واجباتِ ذکر میں سے ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ، تابعین، اولیائے عظام اور سلف صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ سے ذکر کا جو صحیح طریقہ منقول ہے، اُسی طور ذکر کرنا یہ بھی واجباتِ ذکر میں سے ہے، اور مذکور یعنی اللہ تعالیٰ کے جلال، جمال، کمال، احسانات اور انعامات کو مطمحِ نظر رکھتے ہوئے اس کا ذکر جپنا یا کرنا یہ بھی واجباتِ ذکر میں سے ہے، وغیر ذالک من الواجبات۔

فرض، واجب اور سنن کا چھوڑنا، محرمات، مکروہ تحریمی و تنزیہی سے ہے، یعنی فرائضِ ذکر میں سے کسی فرض کا ترک محرمات سے ہوگا اور ترک واجب از واجبات ذکر، مکروہِ تحریمی ہوگا، اور ترکِ سنت از سننِ ذکر، مکروہِ تنزیہی ہوگا۔

سنن و مستحباتِ ذکر:

یاد رکھنا چاہئے کہ سنن و مستحباتِ ذکر بہت ہیں، چند آداب پیشِ خدمت ہیں، اوّل وہ جو ذکر کرنے سے پہلے ہیں، وہ چار ہیں:

۱:...توبہ کرنا، اور حقیقت توبہ کی یہ ہے کہ جو چیز خداوند تعالیٰ کے قرب سے دُور کرے، اس سے دُور ہونا، خواہ وہ قول ہو یا فعل، اخلاقِ فاسدہ ہوں یا عقائدِ باطلہ (بعض اس کو واجباتِ ذکر میں سے فرماتے ہیں)۔

۲:...طہارت، غسل، وضو یا تیمّم، گو ذکر بغیر وضو و غسل کے بھی جائز ہے اور اس کا فائدہ بھی ہوتا ہے، مگر طہارت سے جو نورانیت اور قرب ہوتا ہے، وہ عدمِ طہارت میں نہیں ہوتا۔

۳:... آرام و خاموشی، ذکر سے پہلے دو چار منٹ یا اس سے زیادہ خاموشی اختیار کرے، تاکہ دِل متوجہ الی اللہ تعالیٰ ہوجائے، پھر زبان یا دِل سے ذکر شروع کرے۔

۴:... بعض کے نزدیک یہ بھی سنن ذکر میں سے ہے کہ رابطہ قائم کرے کہ اللہ تعالیٰ سے فیض اور رحمت بواسطہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، میرے شیخ و مرشد کے قلب سے میرے قلب یا جسم پر وارد ہو رہی ہے، اس تصوّر کو رابطہ کہتے ہیں، یا یہ تصوّر کرے کہ، مثلاً: عرش سے انوار، رحمت، تجلی اور فیض میرے قلب یا رُوح پر آرہا ہے۔ حضور پُرنور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور مشائخ کرام گو واسطہ ہیں، مگر خیرالقرون سے ذکر عبادت میں یہ پہلا تصوّر ثابت نہیں، لہٰذا یہ دُوسرا تصوّر کرنا چاہئے، اور بعض فرماتے ہیں کہ اس دُوسرے تصوّر کی بھی ضرورت نہیں، کیونکہ ذکر مأمور بہ ہے، اور تعمیلِ فرمان میں نورانیت، تجلی، قرب اور قبولیت ہے، و مع ہذا۔ یہ دُوسرا تصوّر بھی خیرالقرون سے ثابت نہیں ہے۔

وہ آداب جن کی ذکر کے وقت رعایت کرنا چاہئے، نو ہیں:

اوّل:... پاک جگہ پر بیٹھے، بہتر یہ ہے کہ جیسے التحیات پڑھنے میں بیٹھتا ہے، ویسے بیٹھے، یا چہارزانو بیٹھے یا جس طرح آسانی ہو بیٹھے۔

دوم:... یہ کہ مجلسِ ذکر کو خوشبو سے معطر کرے، اس لئے کہ مجالسِ ذکر میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔

سوم:... کپڑے حسبِ طاقت اچھے پہنے۔

چہارم:... اندھیرے مکان میں رُوبہ قبلہ ہوکر بیٹھے تو عمدہ ہے، اس میں خلوت بھی ہے، اور "تَبَتَّلْ اِلَیْهِ تَبْتِیْلًا" پر بھی عمل ہوجائے گا۔

پنجم:... آنکھ کو بند کرے تاکہ دِل کی آنکھ کھلے اِلاّ یہ کہ نماز ہو، کیونکہ اس میں آنکھ کو بند کرنا خلافِ سنت ہے۔

ششم:... ذکر کے معنی کو دِل میں جاگزیں کرے، معنی کا تصوّر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ، مثلاً: ''سبحان اللہ'' میں تنزیہ، ''الحمد للہ'' میں اللہ تعالیٰ کے کمالاتِ احسانیہ و ذاتیہ اور ''اللہ اکبر'' میں اللہ تعالیٰ کی عظمت کا تصوّر ہر بار پڑھتے وقت کرے، اور نماز میں اللہ تعالیٰ کے سامنے پیشی کا تصوّر کرے، جس ذکر میں اس کا پتا نہ چلے تو اپنے شیخ و مرشد سے پوچھے اور اس معنی کے استحضار میں صدق کا پورا پورا لحاظ رکھے، یعنی یہ دیکھے کہ ''الحمد للہ'' کے معنی میں اپنے کو شاکر پاتا ہے یا نہیں؟ ''اللہ اکبر'' میں اللہ کی عظمت کا تصوّر کرنے میں ربّ تعالیٰ کی ہیبت و جلال اس کے رُوح و جسم میں وارد ہوئے ہیں یا نہیں؟ یہی اس ذکر کے مصداق ہیں، لہٰذا اپنے آپ کو صادق بنانے کی سعی کرے۔

ہفتم:... ذکر کو ہر آلائش سے پاک کرے، یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہی کرے، اور دُوسری نیت، مثلاً: انوار حاصل ہوں، استغراق یا کوئی دُوسرا دُنیوی فائدہ، جیسے: لوگ مجھے عارف اور ذاکر سمجھیں، وغیرہ نہ ہو، بلکہ خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کی نیت ہو، اس کے سوا سب نیتوں کو دفع اور دُور کرے:

ذاکر را اخلاص می باید نخست

ذکرِ بے اخلاص کے باشد درست

ترجمہ:... ''ذاکر کے لئے پہلے اِخلاص چاہئے، بغیر اِخلاص ذکر کب دُرست ہوسکتا ہے؟''

اس کو فرائضِ ذکر میں شمار کرنا بہتر ہے، کیونکہ ذاکر کو صدق و اِخلاص سے صدیقین کا درجہ نصیب ہوتا ہے، ان دو یعنی صدق اور اِخلاص کے آداب کے سلسلے

میں مرید کے قلب میں جو کچھ آئے، اس کو اپنے شیخ سے پوچھے، اس لئے کہ ان کی تحصیل نہایت ضروری ہے، اسی پر فرمایا گیا ہے کہ: یہ ضروری نہیں کہ شیخ کو مرید کا باطن منکشف ہو، ہاں یہ ضروری ہے کہ ذکر کرے اور دِل میں جو خیال آئے، اس کو مرشد سے پوچھے۔ کذا فی کتاب الرسائل والمکاتیب للشیخ المحقق عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ۔

ہشتم:... ذکر کرنے کی جو کیفیت مرشد ارشاد فرمائے، اُسی طرح کرے، مثلاً: اگر مرشد فرمائے کہ کلمہ ''لا اِلٰہ اِلا اللہ'' میں ''لا'' کو ناف سے کھینچ کر دماغ تک اور ''اِلٰہ'' کو داہنے کندھے پر لائے اور ''اِلا اللہ'' کی ضرب قلب یا نفس پر لگائے، تو ویسا ہی کرے، کیونکہ دوا کے استعمال کو طبیب ہی بہتر جانتا ہے۔

نہم:... یہ کہ ذاکر عبد ہے اور ذکر سے عبدیت کا حق ادا کر رہا ہے، بجز رضائے معبود کے کوئی غرض نہ رکھے، اور ذکر کے فائدہ پر بھی نظر نہ کرے، ذکر کا فائدہ نظر آئے یا نہ آئے، ذکر کو نہ چھوڑے:

اگر بخشے زہے رحمت وگرنہ تو شکایت کیا

ریا اور دِکھلاوا آئے تو بھی ذکر کو نہ چھوڑے، اسی طرح اگر لذّت نہ آئے تو بھی ترک نہ کرے:

طالبِ لذّت و فائدہ طالبِ خدا نیست

(لذّت و فائدے کا طالب، خدا کا طالب نہیں ہے)

ہاں! ریا کو دفع کرتا رہے، مگر ذکر کو حذف نہ کرے، آخر ایک دن اِخلاص بھی نصیب ہوجائے گا، اس لئے کہ ٹمٹماتا چراغ، بجھے چراغ سے بہرحال بہتر ہے، وغیر ذالک۔

ذکر کے بعد کے آداب:

جو آداب ذکر کے بعد کے ہیں، وہ چار ہیں:

۱:... جب ذکر ختم کرے تو تھوڑی سی دیر ذکر کی کیفیت اور توجہ الی اللہ کا مراقبہ قائم رکھے اور منتظر بیٹھے۔

۲:... کوئی ایسی چیز، مثلاً: آب ونخود (چنا) وغیرہ جو دِل کو ٹھنڈا کرے، نہ کھائے اور نہ پیئے، تاکہ گرمیٔ ذکر باقی رہے۔

۳:... جو کیفیت، مراقبہ، ذکر یا خواب میں نظر آئے، اس کو مرشد، سالکِ صحیح، یا دانش مند عالم کے علاوہ کسی پر ظاہر نہ کرے۔

۴:... ذکر ختم کرنے کے بعد ذکر کی کیفیت و حالت کی محافظت میں ہمت سے کام لے، ایسا نہ ہو کہ یہ گوہر ضائع ہوجائے۔

یہ سترہ آدابِ ذکر ہیں، ذاکر کو ان کا لحاظ رکھنا ضروری ہے:

ذکر بے تعظیم گفتن بدعت است

واندران یک شرط دیگر حرمت است

ترجمہ:... ''بغیر ادب ذکر بدعت ہے، اس میں ایک دُوسری شرط احترام ہے۔''

فائدہ:... بعض فقہاء ذکرِ قلبی کے منکر ہیں، شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ کتاب المکاتیب والرسائل میں فرماتے ہیں کہ: ذکر کو زبان میں حصر کرنا مکابرہ ہے، اس لئے کہ ذکر نسیان کی ضد ہے، اور نسیان قلب سے مخصوص ہے، لہٰذا ذکر بھی قلب سے ہوگا، ہاں! زبانی ذکر کے بھی آثار ہیں، جو اس کے ساتھ مخصوص ہیں، مگر زبان سے ذکر کو خاص رکھنا اور قلب سے نفی کرنا نہ لغۃً دُرست ہے نہ شرعاً، اِلَّا یہ کہ

شرع نے کسی جگہ ذکر زبانی کو بمنزلہ شرط کے رکھا ہو، تو وہاں زبان سے ذکر کرنا ضروری ہے، جیسے نماز میں قراءتِ قرآن اور معاملات میں طلاق وعتاق وغیرہ، انتہیٰ۔

اسی طرح ذکر کو ''لا الٰہ اِلا اللہ'' سے مخصوص کرنا اور دِل سے ''اللہ، اللہ'' کرنے کو ذکر نہ کہنا، یہ بھی مکابرہ ہے، ذکر کا معنی یاد ہے، یادِ حق ہی ذکر اللہ ہے، اس کی کثرت کا حکم ہے، اسی کو فرمایا:

''رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ .... الاٰية.'' (النور:۳۷)

ترجمہ:...''ایسے جوان ہیں کہ ان کو تجارت (خرید و فروخت) اللہ کے ذکر اور نماز پڑھنے سے نہیں روک سکتی۔''

خرید وفروخت کے وقت ذکر زبانی کیسے ہوگا؟ ظاہر ہے کہ ذکر قلبی ہوگا، اور وہ عام ہے، ''لا الٰہ اِلا اللہ'' ہو یا ''اللہ، اللہ'' کا، تدبرِ قرآن کا ہو یا تفکر فی صفات اللہ کا، فافہم!

فائدہ:... یاد رکھنا چاہئے کہ مشائخ کرام کے اذکار کے بعض انواع، کیفیات وحبسات (حبسِ دم) وغیرہ سنتِ صحیحہ سے ثابت نہیں ہیں، جیسے ذکر ارّہ وغیرہ اور مخصوص ہیئت کذائی وغیرہ، کذا قال الشیخ محدث دہلوی عبدالحق قدس سرہٗ فی الکتاب المذکور۔

ہاں! ان کو بدعت کہنا بھی دُرست نہیں، اس لئے کہ یہ چیزیں حروفِ تہجی کی شناخت، اور عجمیوں کے لئے مدارسِ عربیہ کے موقوف علیہ علوم: صَرف ونحو وغیرہ پڑھنے کی مانند ہیں، اور جس پر دِین کا سمجھنا موقوف ہو، وہ بدعت نہیں ہوسکتا، اسی طرح ان اذکار وکیفیات پر اِصلاحِ قلب اور تعلق مع اللہ موقوف ہے، گو ان کو سنت بھی نہیں کہا جاسکتا، مگر بدعت کہنا بھی غلط ہے، فافہم!

باقی حدیث میں جو ہے کہ: "مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا ھٰذَا فَھُوَ رَدٌّ" (مشکوٰۃ ص:۲۷) یعنی جو شخص ہمارے کام (دِین) میں کوئی نئی چیز لائے وہ مردود ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ اِحداث فی الدّین بدعت ہے، مگر اِحداث للدّین بدعت نہیں، چونکہ صَرف ونحو وغیرہ اِحداث فی الدّین نہیں ہیں، بلکہ اِحداث للدّین ہیں، لہٰذا وہ بدعت نہیں ہیں۔

اسی طرح ذکر میں حبسِ نفس (حبسِ دم) جو چشتیہ، کبرویہ اور شطاریہ میں دفع خواطر کے لئے ضروری ہے، اور انوار وغیرہ کی تحصیل کے لئے سب سے بہتر چیز ہے، اور نقشبندیہ کے نزدیک اگرچہ شرط نہیں مگر اَولیٰ ہے، یہ بھی سنتِ صحیح سے ثابت نہیں ہے، مگر یہ بھی قاعدہ سابقہ کے تحت بدعت نہیں ہے، کذا قال الشیخ المحدث الدہلوی فی کتاب المکاتیب والرسائل، واللہ تعالیٰ اعلم۔

ذکر اور فکر میں سے کون افضل ہے؟

جاننا چاہئے کہ ذکر اور فکر ہر دو بڑی نعمتیں ہیں، مگر ذکر کا درجہ بزرگ و بالاتر ہے، اس لئے کہ بندہ کا ذکر اللہ تعالیٰ کے ذکر کو کھینچ لاتا ہے، جیسا کہ ارشاد ہے: "فَاذْکُرُوْنِیْ اَذْکُرْکُمْ" (البقرۃ:۱۵۲) (تم مجھے یاد کرو، میں تمہیں یاد کروں گا)۔

ابوعلی دقاق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ: ذکر، فکر سے افضل ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو ذکر سے موصوف فرمایا ہے، فکر سے نہیں، جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے:

"ھٰذَا ذِکْرٌ مُّبَارَکٌ اَنْزَلْنٰہُ" (الانبیاء:۵۰)

ترجمہ:... "اس ذکر مبارک یعنی قرآن کو ہم نے نازل فرمایا ہے۔"

نیز ذاکر، رَبّ تعالیٰ کا جلیس و ہم نشین ہوتا ہے، اس کے مطالعہ و مشاہدہ میں غرق ہے، اور متفکر اپنے نفس کا جلیس و ہم نشین ہے، اس لئے کہ فکر کی اکثر اقسام نفس کی طرف راجع ہیں، اس لئے فکر کرنے والا:

۱:... یا تو اپنے وقت میں فکر کر رہا ہوتا ہے، کہ وقت ضائع ہو رہا ہے، طاعت میں خرچ نہیں ہو رہا۔

۲:... یا سابقہ ازل میں فکرمند ہے کہ عاقبت بخیر ہوگی یا نہیں؟

۳:... یا اغلاط و نیکیوں کے شمار میں متفکر ہے، کہ کتنی اغلاط ہوئیں اور کتنی نیکیاں؟ جس کو محاسبہ کہتے ہیں۔

۴:... یا اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے شمار و تواتر احسانات اور اپنے شکر کے ناقص ہونے میں متفکر ہے۔

۵:... یا آیاتِ الٰہیہ زمین و آسمان کی تخلیق یا رضا و ناراضئ باری تعالیٰ میں، جس سے وعدہ میں رغبت اور وعید میں ہیبت آتی ہے۔

۶:... یا صفاتِ باری تعالیٰ: قدرت، قوّت، سمع، بصر اور کلام وغیرہ میں متفکر ہے، جو کہ اعلیٰ قسم کا تفکر ہے، پس اکثر اقسامِ فکر نفس کی طرف راجع ہیں، لہٰذا (مبتدی کے لئے) ذکر، فکر سے افضل ہے، گو فکر بھی نعمتِ عظمیٰ ہے، فافہم!

فائدہ:

ذکر میں ضرب کا حکم:... دِل پر ضرب لگانا نہ مقصود ہے، نہ مقصود کا موقوف علیہ، جس طرح بے تکلف ذکر ہو سکے کافی ہے، ہاں! ضرب جوشِ قلب کے لئے مفید ہے۔

بوقتِ ذکر تصوّر:... ذکر کے وقت مذکور کا تصوّر اَولیٰ ہے، یعنی حق تعالیٰ کا

تصوّر ہو، لیکن اگر یہ خیال نہ جمے، تو پھر یہ تصوّر کرے کہ ذکر قلب سے ادا ہو رہا ہے۔

ذکر میں آسمان کی طرف تصوّر کا حکم:... ذکر، شغل اور تلاوت میں حق تعالیٰ کی نسبت سے آسمان کی جانب تصوّر متعلق ہوجائے تو اس کے دفع کرنے کا قصد نہ کریں، یہ تصوّر فطری ہے، دفع نہیں ہوسکتا، اور کوئی بھی اس سے خالی نہیں، لیکن قصداً ایسا نہ کریں۔

ذکر میں عدمِ لذّت انفع ہے:... ذکر میں لطف اور لذّت کا حاصل ہونا ایک نعمت ہے، اور نہ ہونا دُوسری نعمت ہے، جس کا نام مجاہدہ ہے، یہ پہلے سے نفع میں زیادہ ہے، گو لذّت دار نہ ہو۔

ذکر میں وضو کا حکم:... باوضو ذکر کرنے سے برکت زیادہ ضرور ہوتی ہے، لیکن وضو رکھنا ضروری نہیں، اگر کسی کا وضو نہ ٹھہرتا ہو اور بار بار وضو کرنے سے تکلیف ہو تو تیمّم کرلے، مگر اس تیمّم سے نماز اور قرآن مجید کو چھونا جائز نہیں۔

اَذان اور ذکر:... اَذان کے وقت ذکر سے رُک جانا افضل ہے۔

ذکر میں جی گھبرانے کے متعلق:... اگر مبتدی کا ذکر سے جی گھبراتا ہے تو جی گھبرانے کی مشقت نفع کے اعتبار سے جی لگنے سے کم نہیں، جس طرح ہوسکے حتی الوسع ذکر پورا کرلیا جائے، شدہ شدہ سب دُشواری مبدل بآسانی ہوجائے گی۔ اور منتہی اکثر وقت ذکر میں مست ہوتا ہے، اگر زیادہ ذکر کرنے سے کسی وقت طبیعت اُکتا جائے تو چند منٹ یا گھنٹہ ذکر نہ کرے، تاکہ طبیعت کو اَز سرِ نو نشاط ہوجائے۔

نماز میں ذکر کا حکم:... نماز میں تلاوت اور اَذکار و اَدعیہ نماز کے علاوہ نہ ذکرِ لسانی کرنا چاہئے، نہ قلبی، بلکہ توجہ الی الصلوٰۃ مطلوب ہے، اگر خود بخود ذکرِ قلبی جاری ہوجائے تو پھر حتی الوسع نماز کی طرف توجہ کرے، اور ذکرِ قلبی تحرک کا نام نہیں، بلکہ ملکہ یادداشت کا نام ہے۔

ذکر اور نماز میں جی نہ لگنے کا علاج:... کسی وظیفہ میں یہ اثر نہیں کہ اس سے نماز میں جی لگنے لگے، محققین نے جی لگانے کے لئے یہ فرمایا ہے کہ: کام میں ہمت سے لگا رہے، نہ جی لگنے کا قصد کرے اور نہ انتظار، حتیٰ کہ ذکر میں مداومت کرے، اور مداومت اختیاری چیز ہے، بس اسی پر تمام برکات مرتب ہوجاتی ہیں، جو اس وقت نظر میں نہیں، مدّت کے بعد نظر آجائیں گی، سلوک کا طے ہونا توجہ ہونے اور جی لگنے پر موقوف نہیں، سلوک اصلاح پر موقوف ہے اور مداومتِ ذکر اس کا زینہ ہے، اور اگر نماز کی قرأت اور اذکار کو قصداً پڑھے اور جو لفظ بھول میں پڑھا جائے اس کو دوبارہ پڑھے تو بھی خیالات کم ہوجاتے ہیں، اور اگر الفاظ کے معنی کی طرف توجہ کرے، یہ سوچے اور فکر کرے کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہا ہے یا میں اس کے سامنے پیش ہوں تو بھی غلط خیالات کم ہوجاتے ہیں، اسی طرح ذکر کے معانی سوچنے سے بھی خیالات کم ہوجاتے ہیں۔

ذکر میں صفات کی طرف توجہ کرنے کو اصطلاح میں مشاہدہ کہتے ہیں اور ذات کے تصوّر کو معائنہ کہتے ہیں، ذکر اور فکر اعمال ہیں، جو قرب کے موجب ہیں۔

فائدہ:... ذکر و نماز کو مطالعہ کتاب سے قرب میں زیادہ دخل ہے، مطالعہ کتاب مقصود بالغیر ہے، اس لئے کہ عمل کرنے کے لئے کتاب پڑھی اور دیکھی جاتی ہے، اور ذکر اور نماز عمل ہیں اور مقصود بالذات ہیں۔

دُرود شریف:

حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم پر دُرود بھیجنے سے ہم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر کوئی احسان نہیں کرتے، لہٰذا دُرود پڑھتے وقت اپنے جذبۂ محبت اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے شکریہ کا ارادہ کرے، نیز یہ کہ یہ تو اپنے اُمتی ہونے کا اظہار ہے، اور پھر

اس پر ثواب کا وعدہ مزید برآں ہے، اور دُرود شریف وہ عبادت ہے جو کبھی رَدّ نہیں ہوتی، اس کی مثال یہ ہے کہ ہم شہزادے کے لئے وہ سفارش کریں جس کو بادشاہ خود کرنے والا ہو، تو ایسی سفارش کیسے رَدّ ہو؟ حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک سن کر مجلس میں ایک بار دُرود شریف پڑھنا واجب ہے، اور نام مبارک سننے پر ہر بار دُرود پڑھنا واجب نہیں، ہاں! محبت کا تقاضا یہ ہے کہ ہر بار "صلی اللہ علیہ وسلم" پڑھا کرے۔

آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ واتباعہ اجمعین

سبحانک اللّٰھم وبحمدک اشھد ان لا الٰہ الا انت استغفرک واتوب الیک

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم

۷ر ربیع الاوّل ۱۳۷۶ھ

تتمہ رسالہ آداب الذکر:

ذکر سے دُنیا و آخرت کا فائدہ، اس پر انوار و تجلیات، اور ذکر کے دُوسرے فوائد کا مرتب ہونا، اتباعِ سنتِ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر مشکل ہے، لہٰذا چند سنتوں کا بیان پیشِ خدمت ہے، قبول فرمائیں۔

۱:...کھانے پینے سے پہلے: "بسم اللہ" پڑھنا، اور بعد میں: "الحمد للہ" پڑھنا سنت ہے۔

۲:...سوتے وقت: "اَللّٰھُمَّ بِاسْمِکَ اَمُوْتُ وَاَحْیٰی" (ترمذی ج:۲ ص:۱۷۸) اور جاگنے کے بعد: "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَحْیَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَاِلَیْہِ النُّشُوْرُ" (مشکوٰۃ ص:۲۰۸) پڑھنا، سنت ہے۔

۳:...گھر سے باہر جاتے وقت: ''بِسْمِ اللّٰہِ تَوَکَّلْتُ عَلَی اللّٰہِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ'' (مشکوٰۃ ص:۲۱۵) اور گھر میں آتے وقت: ''بِسْمِ اللّٰہِ وَلَجْنَا وَعَلَی اللّٰہِ رَبِّنَا تَوَکَّلْنَا'' (مشکوٰۃ ص:۲۱۵) پڑھنا سنت ہے۔

۴:... پاخانہ پیشاب کے وقت کپڑے کھولنے سے پہلے: ''اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ'' (ترمذی ج:۱ ص:۳) پڑھنا، اور فارغ ہوکر کپڑا اوڑھنے کے بعد: ''غُفْرَانَکَ'' (ترمذی ج:۱ ص:۳) پڑھنا سنت ہے۔

۵:...عورت سے جماع کے وقت کپڑا دُور کرنے سے پہلے: ''بِسْمِ اللّٰہِ اَللّٰھُمَّ جَنِّبْنَا الشَّیْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّیْطَانَ مِمَّا رَزَقْتَنَا'' (مشکوٰۃ ص:۲۱۲) پڑھنا اور فارغ ہوکر اگر نیند کا ارادہ ہوتو استنجا اور وضو کرکے سونا سنت ہے۔

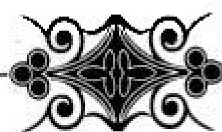
۶:...شام ہونے کے وقت بچوں کو باہر نکلنے سے روکنا چاہئے کہ یہ شیطانوں کے پھیلنے کا وقت ہے، اور جب گھنٹہ گزر جائے تو پھر بچوں کو بے شک جانے دیں، اور دروازہ بند کرنے کے وقت، چراغ بجھاتے وقت، مشک کا منہ بند کرنے کے وقت اور برتن کو ڈھانپنے کے وقت ''بِسْمِ اللّٰہِ'' پڑھنا فرمانِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔
(کذا فی صحاح الستۃ بخاری ومسلم وغیرہ)

”ریا اور دکھلاوا آئے تو بھی ذکر کو نہ
چھوڑے، اسی طرح اگر لذت نہ آئے تو بھی ترک
نہ کرے۔“

انکشاف الاحوال والاوہام

یعنی

احوال و اوہام کا انکشاف



قطب الارشاد حضرت مولانا محمد عبداللہ بہلوی قدس سرہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

حَامِدًا وَّمُصَلِّیًا، اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَّا نَبِیَّ بَعْدَہٗ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ، اَمَّا بَعْدُ!

یاد رکھنا چاہئے کہ ذاکرینِ کرام کو بعض چیزیں نمودار ہوتی ہیں جس سے وہ حیرت وقلق میں پڑجاتے ہیں، ان کے جوابات کتبِ تصوّف میں موجود ہیں، مگر منتشر ہیں، لہٰذا اس سلسلے کی کچھ باتیں پیشِ خدمت ہیں، قبول فرمائیں۔

واضح ہو کہ ذِکر کی کثرت اور خلوت سے اکثر ذاکرین کو کچھ واقعاتِ انکشافیہ، ذِکر کرتے وقت یا مراقبہ میں یا خواب میں نمودار ہوا کرتے ہیں، اس لئے کہ ذِکر سے نورانیت پیدا ہوتی ہے، جیسے ظاہری بصارت (آنکھ) روشنی میں دیکھا کرتی ہے، اسی طرح دِل و رُوح کی بصارت بھی ذِکر وفکر کی روشنی میں، قلب و قالب کی آنکھوں سے اشیائے خفیہ کبھی عیاناً، کبھی صورتِ مثالیہ میں، جاگتے ہوئے یا نیند میں دیکھا کرتی ہے، جیسا کہ ان کے متعلق خواجہ ابویوسف ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"تِلْکَ خَیَالَاتٌ تُرَبّٰی بِھَا اَطْفَالُ الطَّرِیْقَۃِ"

ترجمہ:..."یہ خیالات ہیں جس سے طریقت حاصل کرنے والے بچے پالے جاتے ہیں۔"

بعض واقعاتِ انکشافیہ کی تشریح وفوائد:

ان واقعاتِ انکشافیہ کے بعض فوائد وثمرات یہ ہیں:

ان واقعاتِ انکشافیہ سے سالک ومرید کو ذوق وشوق بڑھتا ہے، اور اپنے حال کی رسیدگی و پژمردگی اور زیادتی ونقصان معلوم ہوتا ہے، اسی طرح ان واقعاتِ انکشافیہ سے سالک ومرید اپنے حالاتِ نفسانی، حیوانی، سبعی، شیطانی، ناسوتی، ملکی، رُوحی اور رُوحانی پر اکثر واقف ہوجاتا ہے، مثلاً: اکثر صفاتِ ذمیمہ میں وہ جانور دِکھائے جاتے ہیں، جن جانوروں پر وہ صفت غالب ہوتی ہے۔

چنانچہ جس سالک ومرید پر صفتِ حرص غالب ہوتی ہے، اس کو چوہا وچیونٹی دِکھائی دیا کرتا ہے کہ وہ اس کو دیکھ رہا ہے یا پکڑ رہا ہے یا وہ چوہا وچیونٹی اس کو چمٹ رہی ہیں۔

جس پر بخل غالب ہے، وہ مثلاً: دیوانہ کتا دیکھتا ہے۔

جس پر حقد (کینہ) وحسد غالب ہے، اس کو گرگ (بھیڑیا) اس طرح دِکھایا جاتا ہے کہ یہ شخص اس سے بھاگ رہا ہے یا وہ اس پر غالب آرہا ہے۔

جس پر بے غیرتی اور شہوتِ جماع غالب ہے، وہ خوک (خنزیر) ومرغا وغیرہ دیکھتا ہے۔

تکبر والے کو چیتا اور غضب والے کو ریچھ دِکھایا جاتا ہے۔

بے حیا کو دراز گوش یعنی گدھا دِکھایا جاتا ہے۔

جس پر صفتِ بہیمیت غالب ہو، وہ بکریاں وغیرہ، اور جس پر صفتِ سبعی (درندگی) غالب ہو، وہ درندے پھاڑنے والے دیکھتا ہے۔

جس پر حیلہ ومکر کرنا غالب ہو، اسے لومڑی وگیدڑ وغیرہ دِکھائی دیتے ہیں۔

جس پر شیطانیت غالب ہو، تو اسے جن و آسیب وغیرہ دِکھائے جاتے ہیں۔
جس پر کئی امراض غالب ہوں تو وہ مختلف اشیاء دیکھتا ہے۔
پس ذِکر کرنے کی برکت سے ان اشیاء کے دیکھنے سے سالک اپنی مذمومہ حالت کا کسی قدر معائنہ کرلیتا ہے، جس کے بعد اپنی مذمومہ حالت کو دفع کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ یاد رکھنا چاہئے کہ یہ چیزیں اکثری ہیں، کلی نہیں۔

فائدہ:... اگر ان چیزوں پر سالک غالب آگیا ہے تو اس پر مذمومہ صفت غالب نہیں، بلکہ صفتِ محمودہ غالب ہے۔ اور اگر وہ چیزیں سالک پر غالب ہیں تو ایک یا کئی صفاتِ مذمومہ اس پر غالب ہیں۔

فائدہ:... کبھی سالک کو کچھ بھی نہیں دِکھایا جاتا اور اصلاح بھی کی جاتی ہے، ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ۔

انکشافات کی تشریح:

اگر سالک دیکھے کہ اُن جانوروں کی صورت کو تبدیل کر رہا ہوں، تو سمجھے کہ اپنے اخلاقِ ذمیمہ کی اصلاح کر رہا ہوں۔

اگر دیکھے کہ ان کے ساتھ جدال و نزاع کر رہا ہوں، تو سمجھے کہ اب تک اصلاح کی کثیر ضرورت ہے۔

اگر پانی صاف و رَواں (جاری)، سبزہ خوش نما، جوہرِ نفس، چاند، سورج، یا ستارے دیکھے، تو یہ چیزیں اس کے مقامات و صفاتِ حمیدہ ہیں۔

اگر انوار بے انتہا دیکھے یا اپنے آپ کو اُڑتا اور ہوا میں جاتا، آسمانوں پر چڑھتا یا کشفِ معانی وغیرہ دیکھے، تو اس کی ملکوتیت وصفائی رُوحانی کی علامت ہے۔

اگر بہشت، دوزخ یا ملائکہ دیکھے، تو اس کی صفاتِ حمیدہ و صفاتِ ملکی کی نموداری ہے۔

اگر سالک کے مشاہدہ میں انوارِ غیب، صفاتِ الوہیت، اِلہامات، اشارات، مکالمات یا صفاتِ ربوبیت ہوں، تو مقامِ فنا و بقا ہے، اور وصول و تخلّق باخلاق اللہ تعالیٰ ہیں۔ اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا بِفَضْلِکَ اٰمِیْنَ.

انکشافات والوں کی علاماتِ صحت:

ایسی نعمت والے کی علامات یہ ہیں کہ سالک تمام مرغوبات و مالوفاتِ جسمانی سے برطرف ہوکر انوارِ غیبی میں مستغرق ہوجائے گا، اس کی عادات، عبادات بن جائیں گی، اور دُنیا، دِین ہوجائے گی، تمام کاموں میں للّٰہیت و اخلاص پیدا ہوجائے گا، حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل، اس کی رُوح رواں ہوجائے گی، اس سے قصداً و ارادۃً ترکِ سنت محال ہوگا، پھر فرائض پر عمل کرنا کیسے ترک ہو؟ جب مستحبّات وسنن کی تعمیل عملاً مثلِ واجبات کے ہو جائے گی؟ سالک دُنیا اور دُنیاداری کی عادات سے متنفر ہوجائے گا، اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خصوصاً خلفائے راشدینؓ سے محبت بڑھ جائے گی، اُن کی عادات و افعال اور انفاسِ طیبات ہی دِل پذیر و دِل پسند ہوجائیں گے، شرک وکفر تو ایک طرف، بدعت سے اس قدر نفرت ہوگی جیسے پاخانہ پیشاب سے۔ اس پر، اسرار قرآن وحدیث بقدرِ استعداد نمودار ہوں گے، قرآن وحدیث سے اس قدر دِل بستگی و پیوستگی ہوجائے گی کہ اپنی جان سے بھی اتنی نہ ہوگی، دوئی (غیر اللہ کا خیال)، خودی (اپنی ذات کا خیال) اور دعویٰ مٹ جائے گا، اگر دوئی، خودی اور دعویٰ میں سے کوئی چیز ذرّہ بھر موجود ہے تو پھر:

خواجہ پندارد کہ دارد حاصلے
خواجہ را حاصل بجز پندار نیست

ترجمہ:... ”خواجہ کا گمان ہے کہ کچھ حاصل رکھتا ہے،
خواجہ کا حاصل گمان کے سوا کچھ نہیں ہے۔“

سالک کا الحبّ للہ والبغض للہ اور دینا نہ دینا اللہ تعالیٰ کے لئے ہوجائے گا، ذِکرِ الٰہی تعالیٰ ہی اس کا مقصدِ حیات ہوگا:

چوں کشایم لب ہمے نام تو آید برزبان
چہ کنم جاناں کہ جز نامے تو ہیچم یاد نیست

ترجمہ:... ”جب میں لب کھولتا ہوں تیرا نام زبان پر آتا ہے، کیا کروں جان کو کہ تیرے نام کے سوا مجھ کو کچھ یاد نہیں۔“

مرشد کی ضرورت:

یاد رکھنا چاہئے کہ اکثر عادۃ اللہ تعالیٰ یوں ہی جاری و ساری ہے کہ بجز مرشد و شیخ کے ان انوار و کیفیات کا حصول و وصول بمنزلہ محال عادی کے ہے، کسی طبیبِ حاذق رُوحانی کی طرف رُجوع کرنا ضروری ہے، مرشد کی صحبت سے اپنی حالت معلوم ہوسکتی ہے، اس کی صحبت سے دِل کو ایک خاص تنبہ پیدا ہوتا ہے اور دِلجمعی حاصل ہوتی ہے کہ سالک کو تمام علائقِ دُنیا سے یکسو ہوکر اپنے نفس کا مطالعہ اور اس کی اصلاح کا موقع مل جاتا ہے، بشرطیکہ محبت و اِتباعِ شیخ کامل اور محنت بقدرِ وسعت ہو، اس کے لئے مدت معتد بہ ضروری ہے۔

انوار پر غرّہ نہ ہونا چاہئے:

فائدہ:... یاد رکھنا چاہئے کہ انوار کی نموداری پر غرّہ نہ ہونا چاہئے، کبھی یہ انوار ناری ہوتے ہیں، جو نفسانی و شیطانی مقتضیات کی ملاوٹ سے پیدا ہوتے ہیں، ان نفسانی و شیطانی مقتضیات میں فرق یہ ہے:

شیطانی خیالات، شبہات اور کیفیات اکثر اعتقادیات و اُصولِ دین، مثلاً: توحید، رسالت، قیامت اور کتاب اللہ کے متعلق ہوتے ہیں۔

نفسانی معاملات اکثر جسمانیت، مثلاً: حبِ جاہ، کبر اور شہوات کے متعلق ہوا کرتے ہیں۔

کبھی عناصرِ اربعہ: آب ، ہوا، آتش اور خاک کی لطافت کی روشنی آنکھوں کے سامنے جھلک مارتی ہے۔

کبھی حواسِ خمسہ ظاہرہ و باطنہ یعنی ذائقہ، لامسہ، باصرہ، سامعہ، حس مشترک اور وہم و خیال وغیرہ کی لطافت کا عکس ہوتا ہے، ان میں اکثر شیطان و جن کی ملاوٹ ہوا کرتی ہے، جیسے دجال و کذّاب سے عجائبات و خوارق اور استدراجات ہوتے ہیں، یہ سب بہیمیت کے آثار ہوتے ہیں۔

کبھی لطائف: قلب، رُوح، سر، خفی اور اخفیٰ کا پَرتو ہوتا ہے، اور کبھی مشکوٰۃِ نبوّت سے انوارِ محمدی منعکس ہوتے ہیں، اور کبھی یہ ملائکہ کرام کی موانست سے ہوتے ہیں۔

ان انوار میں فرق کرنا اور ان متشابہات کی تمیز بجز طبیبِ بصیر اور مرشدِ کامل کے مشکل ہے، لہٰذا مرشدِ حاذق، صاحبِ سنت کا اِتباع ضروری ہے، ناری روشنی شرک، بدعات اور خلافِ سنت میں ہوا کرتی ہے، انوارِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام مجاہدہ، ریاضت اور مطابقتِ سنت میں ہوتے ہیں:

بے مدد پیر نہ امکان تست
(پیر کی مدد کے بغیر تجھے امکان نہیں)

خلاصہ یہ کہ سالک کو ان چیزوں سے عبور کرنا ضروری ہے، صفاتِ خاکی کہ جس میں ٹیلہ ہا وبستی ہا وظلمانیت دیکھتا ہے، اور صفاتِ آبی کہ جس میں سبزی ہا وچشم ہا

دیکھتا ہے، اور صفاتِ ہوائی جس میں ہوا پر اُڑنا وغیرہ دیکھتا ہے، اور صفاتِ آتشی کہ جس میں چراغہا و آتش وغیرہ دیکھتا ہے، اور صفاتِ حیوانی وسبعی وغیرہ سے عبور کر کے عالم ملکوت تک پہنچے۔

کبھی کسی سالک کو ہر مقام پر مثلاً آتش نظر آتی ہے، پھر اس کو کبھی غضب، کبھی ہیبت، کبھی محبت اور کبھی معرفت زیادہ ہوتی ہے، ان چیزوں کو بھی شیخِ کامل سمجھ سکتا ہے۔

کبھی سالک کے مقامات طے ہو رہے ہوتے ہیں، لیکن اس کو کچھ بھی نظر نہیں آتا، اس کے لئے یہی مناسب ہے، اس کو بھی شیخِ کامل ہی سمجھ سکتا ہے، جیسے بیمار کو فائدہ نظر نہیں آتا، مگر طبیب سمجھ رہا ہوتا ہے کہ اس قدر حرارت کم ہوگئی ہے۔

حجاباتِ نورانیہ زیادہ مضر ہیں:

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ: الٰہیات کے سوا باقی تمام مکاشفات قابلِ نفی ہیں، اگرچہ وہ انوارِ ملکوتیہ سے متعلق ہی ہوں، کیونکہ وہ بھی حجابات ہیں، بلکہ حجاباتِ نورانیہ (مثل: استغراق، سکر وغیرہ) حجاباتِ ظلمانیہ (مثل: حسد، کبر وغیرہ) سے زیادہ مضر ہیں، کیونکہ حجاباتِ ظلمانیہ کا محجوب اپنے آپ کو محجوب اور محتاجِ ترقی سمجھتا ہے اور حجاب کے زائل کرنے کے لئے کوشاں ہوتا ہے، بخلاف اس کے حجابِ نورانیہ کا محجوب اپنے آپ کو واصل بحق اور فائز المرام سمجھ کر اس مقام پر محصور ہو جاتا ہے، اور ان انوار کو تجلیاتِ حق سمجھ کر عمر بھر اس تلذذ میں مستغرق ہو کر قربِ حق سے محروم رہ جاتا ہے، چنانچہ بعض صوفیہ سالہا سال رُوح کی تجلی کو ذاتِ حق سمجھ کر اس کی پرستش میں مبتلا رہے۔

(کذا فی دفتر دوم، حصہ اوّل، مولوی محمد نذیر صاحب شارحِ مثنوی ص:۵۶)

حاصل تمام مطالب کا غیر اللہ کی نفی ہے۔

شبہ کا جواب:

اس پر یہ سوال ہوتا ہے کہ پھر شیخ بھی غیر اللہ ہے، اس کی بھی نفی ہونی چاہئے؟ اور عالَمِ ناسوت کی طرح اس کو بھی کیوں نہ ترک کیا جائے؟

جس کا جواب یہ ہے کہ گو بظاہر تعلقِ شیخ بمنزلہ بت کے ہے، مگر درحقیقت یہ بت شکن اور معلّمِ توحید ہے، چنانچہ مثنوی میں ہے:

چوں خلیل آمد خیالِ یار من
صورتش بت معنی او بت شکن

مطلب یہ کہ بے شک مرشد کی ذات غیر اللہ ہے، اس لئے بظاہر اس کو بت کہہ سکتے ہیں، مگر اس کی طرف التجا و التفات اس لئے نہیں کی جاتی کہ وہی مقصود ہے، بلکہ اس لئے کہ وہ ہمارے دِل سے غیر اللہ کا نقش مٹادے اور وصول الی اللہ کے طریقے بتلائے، پس وہ بت شکن اور موصل الی اللہ ہوا۔

صوفیہ کی اصطلاح میں غیر اللہ وہ ہے جس سے خدا کے لئے تعلق نہ ہو، اور خیالِ یار یا تصوّرِ شیخ خدا تعالیٰ سے تعلق کے لئے ہے، پس وہ شیخ نہ غیرِ حق ہے، نہ عینِ حق، بلکہ موصل الی الحق ہے۔ صاحبِ مثنوی نے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مثال دی، اس لئے کہ بظاہر حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ستارہ، چاند اور سورج کو ''هٰذَا رَبِّیْ'' کہا، جو کہ بظاہر شرک و بت پرستی کا عنوان ہے، مگر درحقیقت یہی الفاظ بتوں اور شرک کو تباہ کرنے والے ہیں، ان ہی الفاظ سے تو حضرت خلیل اللہ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا مقصود اُن مشرکین کی بت پرستی کا اِبطال تھا۔ مرشد کے انفاسِ طیبات سے ہی رُوحانی نقائص کا احساس ہوتا ہے، اسی کو معرفتِ

نفس کہتے ہیں، جیسے فرمایا گیا: ''مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ'' (یعنی جس نے اپنے نفس کو پہچانا، اس نے اپنے رَبّ کو پہچان لیا) اور معرفتِ نفس، معرفتِ پروردگار کا زینہ ہے:

بداں خود را کہ از راہ معانی
خدا را دانی از خود را مدانی

ترجمہ:... ''تحقیق کے راستے سے اپنے آپ کو جان،
اپنے آپ کو تو جانتا ہے، خدا کو نہیں جانتا۔''

از خود نہ شناساں مطلب دیدہ حق بیں
حق راچہ شناسند زخود بے خبری چند

ترجمہ:... ''خود ناشناس سے حق بیں آنکھ مت ڈھونڈھ،
خود سے بے خبر، حق کو کیا پہچانے گا؟''

ان سب باتوں سے ضرورتِ شیخ ثابت و مبرہن ہوتی ہے۔

(کذافی شرح مثنوی دفتر دوم ص:۵۸، مولانا محمد نذیر عرشی رحمۃ اللہ علیہ)

راہِ سلوک میں ابتدا و انتہا:

سوال:... راہِ سلوک و طریقت میں ابتدا و انتہا کیا چیز ہے؟

جواب:... ابتدائے سلوک طلبِ راہ و ارادت ہے، اور انتہا اس کی وصول و معرفتِ الٰہی تعالیٰ یا معرفتِ نفس ہے۔

ثانیاً اینکہ ابتدائے سلوک توحیدِ افعالی ہے اور انتہا اس کی توحیدِ ذاتی ہے۔ توحیدِ ذاتی ان صوفیہ کے عرف میں، اعتقاد اور اعتماد اور شہود و خیال میں غیر کا مرتفع ہونا ہے، یعنی بجز حق تعالیٰ کے دُوسرا کوئی خیال میں نہ رہے:

ہر چہ بینم در نظر غیر تو نیست

یا توئے یا خوئے تو یا بوئے تو

ترجمہ:... ”میں جو کچھ دیکھتا ہوں، نظر میں تیرا غیر نہیں ہے، یا تو ہے، یا تیری خو، یا تیری بو ہے۔“

صوفیوں کے مقولہ: ”اَلْفَقْرُ اِذَا تَمَّ هُوَ اللّٰهُ“ کا اشارہ اسی طرف ہے۔

”النهاية هي الرجوع الى البداية“ کا مطلب؟

سوالِ دوم:... حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے قول: ”اَلنِّهَايَةُ هِيَ الرُّجُوْعُ اِلَى الْبِدَايَةِ“ کا کیا معنی ہے؟

جواب:... نہایت، بقا باللہ کو کہتے ہیں، اس وقت سالک تمام طور (مکمل طور پر) متخلّق باخلاق اللہ ہوجاتا ہے۔ حدیث: ”بِیْ يَسْمَعُ وَبِیْ يُبْصِرُ“ (مشکوٰۃ ص:١٩٧) اور آیت: ”وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى“ (الانفال:١٨) کا اس طرف اشارہ ہے، فنا فی اللہ میں صفاتِ سالک محو ہوچکی تھیں اور بقا باللہ میں وہ صفات پھر واپس آئیں، مگر صفاتِ حق کے رنگ میں یعنی متخلّق باخلاق اللہ ہونے کے، یعنی غضب و محبت کا مرجع پہلے مقتضیات نفسانیت تھا، اب محبت ہے تو اللہ تعالیٰ کے لئے، اور غصہ ہے تو اللہ تعالیٰ کے لئے، گویا البغض للہ والحبّ للہ کا مصداق بن گئے، پہلے دینا نہ دینا ہوائے نفس پر تھا، اب اللہ تعالیٰ کے لئے ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:

”مَنْ .... اَعْطٰى لِلّٰهِ وَمَنَعَ لِلّٰهِ فَقَدِ اسْتَكْمَلَ الْاِيْمَانَ“ (مشکوٰۃ ص:١٤)

ترجمہ:... ”جس نے دیا اللہ کے لئے اور نہ دیا تو اللہ کے لئے، اس نے ایمان کو کامل کیا (گویا ایمانِ کامل کا

نمونہ بن گیا)۔“

یہ ہے رجوع الی البدایۃ، یعنی وہی صفات پھر واپس آئیں۔

ترقی کی نہایت ہے یا نہیں؟

سوالِ سوم:... ترقی کی نہایت ہے یا نہیں؟

جواب:... نہایت نہیں ہے:

اے برادر بے نہایت در گہے است
ہرچہ بروئے می رسی بروئے مائیست

ترجمہ:... ”اے بھائی! لا متناہی دربار ہے، تو جس درجہ پر پہنچے، اس پر مت ٹھہر۔“

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ”رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا“ کی تعلیم میں اس طرف اشارہ ہے۔

فنا کامل آنی ہوگی یا زمانی:

فنا کامل یا آنی (ایک آن کے لئے) ہوگی یا زمانی، صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: فنا کامل سے پہلے خواہ اس کو شہودِ وحدت در کثرت ہو یا شہودِ کثرت در وحدت ہو، ہر آن، ہر زمان میں ترقی ہے، ”کُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِیْ شَاْنٍ“ اور جب فنا کامل آجائے اور مرتبہ ذات تک پہنچ جائے تو اس جگہ شاہد ومشہود وشہود کچھ بھی نہیں، اس لئے کہ شہود وغیرہا اثنینیت یعنی دو ہونے کو چاہتے ہیں، جب دو نہیں، ایک ہی ایک ہے، تو ترقی کیسے ہو؟ ”اَلْفَقْرُ اِذَا تَمَّ هُوَ اللّٰهُ“

مگر عرض یہ ہے کہ فنائے کامل وشہودِ ذات کا وارِد ہونا یا آنی ہوگا یا زمانی؟ اور پھر زمانی یا دوامی ہوگا یا غیر دوامی؟

اکثر صوفیہ اس طرف ہیں کہ یہ فنا آنی ہوا کرتی ہے، زمانی نہیں ہوتی۔
اور بعض کا قول یہ ہے کہ زمانی بھی ہوا کرتی ہے۔
اور بہت تھوڑے لوگ ہیں جو فرماتے ہیں کہ فنا کامل دوامی بھی ہوا کرتی ہے، مگر ایسا فرد صدیوں میں کوئی ایک ہوا کرتا ہے، اور دوامی فنا بھی اس کو مقتضی نہیں کہ ترقی نہ ہو، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فنا دوامی کے باوجود ہر آن، ہر زمان میں برزخ، حشر، بہشت میں ہزاروں ترقیات ہوا کرتی ہیں اور ہوں گی، جس کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے بس۔

ظلوم و جہول کا مطلب:

سوالِ چہارم:... انسان کے متعلق سورۂ احزاب کے آخر میں: ''اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا'' (الاحزاب:۷۲) آیا ہے، ظلوم و جہول انسان کی مدح میں ہے یا ذَمّ میں؟

جواب:... اکثر علماء کے نزدیک یہ الفاظ انسان کی مذمت میں ہیں کہ جو امانت آسمان و زمین نہ اُٹھا سکے، انسان نے اُٹھالی، اس نے اپنے نفس پر ظلم کیا ہے اور ناعاقبت اندیشی کی کیونکہ اس کا تحمل نہ ہوسکے گا، اس اعتبار سے جہول ہوا۔

اور صوفیائے کرام کے نزدیک یہ الفاظ انسان کی مدح میں ہیں، اس لئے کہ انسان مظہرِ اتم و جامع صفات متضاد ہے، دُوسری مخلوق میں یا تو صفاتِ طبعی ہیں یا ملکی، اور انسان دونوں صفات ملکی و طبعی کا جامع ہے، انسان میں کسی درجہ کا اختیار ہے کام کرنے اور نہ کرنے کا، مأمورات میں تعمیلِ فرمان کی کلفت کو برداشت کیا اور نہ کرنے والے اختیار کو رفع کیا اور منہیات میں بھی کرنے والے اختیار کو دُور کرکے اپنے نفس کو جبراً روکا، اس اعتبار سے ظلوم ہوا۔

مجاہدہ اور ریاضت یہی ہے کہ مقتضیاتِ نفس کو چھوڑ کر اللہ کے فرمان پر عمل

کرنے اور گناہ نہ کرنے پر طبیعت کو مجبور کرے اور یہ مدح ہے، اور جہول کا لفظ اس طور سے مدح ہے کہ انسان ماسوا اللہ سے بہت ہی جاہل ہے اور یہ رُوحِ انسان کا کمال ہے۔

نماز بے خطرہ کب ہوگی؟

سوالِ پنجم:... نماز بے خطر کس وقت ہوتی ہے؟

جواب:... جب دِل سے غیراللہ تمام (مکمل) طور پر محو ہوجائے اور مشاہدۂ حق تعالیٰ میں مستغرق ہوجائے، اس وقت نماز بے خطر ہوگی۔

حضرت زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ کو نماز میں سانپ گلے میں لپٹ گیا، حضرت کو خبر تک نہ ہوئی۔

خطرہ سے مراد وہ خطرہ ہے جو حضورِ حق میں مزاحم ہو، وگرنہ وہ وسواس ہیں، خطرہ نہیں۔

فنا سالک کو ہوتی ہے یا مطلوب کو؟

سوالِ ششم:... طالب و سالک فانی ہوتا ہے یا مطلوب؟

جواب:... طالب کو فانی کہا جاتا ہے کہ وہ مطلوب میں فنا ہوگیا، یہ فنا فی اللہ ہے، اور مطلوب کو بھی فانی اس جہت سے کہہ سکتے ہیں کہ وہ مطلوب، طالب میں مستتر ہوچکا ہے:

در پردہ نہاں باشم و بے پردہ عیاں

اس طرف مشیر ہے۔

علم حق در علم صوفی گم شد
ایں سخن کے باور مردم شود

ترجمہ:... ’’علمِ حق، علمِ صوفی میں گم ہوا، اس بات کو مرد شہود کے سوا کون یقین کرتا ہے؟‘‘

بظاہر علم صوفی کا ہے، حقیقۃً علم صوفی میں، علمِ حق مستتر ہے۔

اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ فنا نہ صوفی و طالب کو ہے نہ مطلوب کو، بلکہ درمیان سے دوئی کا وہم مرتفع ہو چکا ہے، پس وحدت ہی وحدت رہ گئی ہے، اسی کو فنا سے تعبیر کیا گیا ہے، حقیقت میں نہ فنا طالب کو ہے نہ مطلوب کو۔

سالک کو موت یعنی فنا فی اللہ کے بعد وصل ممکن ہے یا نہیں؟

سوالِ ہفتم:... طالب کو موت یعنی فنا فی اللہ کے بعد وصل ممکن ہے یا نہیں؟

جواب:... وصل اثنینیت کو مقتضی ہے، وصل کہتے ہیں ایک کو دُوسرے سے ملانا، اور فنا میں اثنینیت نہیں، پھر وصل کیسے؟

معشوق و عشق و عاشق ہر سہ یکے است ایں جا
چوں وصل در نگنجد ہجراں چہ کار دارد

ترجمہ:... ’’معشوق، عشق اور عاشق تینوں یہاں ایک ہیں، جب وصل نہیں سماتا، ہجر کو کیا کام ہے؟‘‘

اور اگر موت سے جسدِ عنصری کا مرنا مراد ہے، تو وصل ممکن بلکہ واقع ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے:

’’الموت جسر یوصل الحبیب الی الحبیب‘‘

ترجمہ:... ’’موت ایک پل ہے، جو دوست کو دوست کی طرف پہنچادیتی ہے۔‘‘

حضرت شیخ ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک آخرت میں بھی ترقی ہوگی،
و اللہ تعالیٰ اعلم، اللّٰھم تقبل منا انک انت السمیع العلیم!
ناظرینِ کرام کی خدمت میں عرض ہے کہ اگر کوئی چیز دُرست نظر آئے تو
مؤلفِ نابکار کے لئے حسنِ خاتمہ کی دُعا فرمادیں۔ جزاکم اللہ تعالیٰ خیرًا!

آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین
وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ واتباعہ وسلم تسلیما
من الصلاۃ والسلام اکملھما وادومھما

”مجاہدہ اور ریاضت یہی ہے کہ مقتضیاتِ نفس کو چھوڑ کر اللہ کے فرمان پر عمل کرے اور گناہ نہ کرنے پر طبیعت کو مجبور کرے۔“

التبيین فی ھمزات الشیاطین

یعنی

شیطانی مغالطوں کا بیان

قطب الارشاد حضرت مولانا محمد عبداللہ بہلوی قدس سرہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم
رَبِّ یَسِّرۡ وَلَا تُعَسِّرۡ وَتَمِّمۡ بِالۡخَیۡرِ
اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیۡنَ
اصۡطَفٰی خُصُوۡصًا عَلٰی سَیِّدِنَا خَیۡرِ الۡوَرٰی مُحَمَّدٍ
الۡمُصۡطَفٰی وَاٰلِہِ الۡمُجۡتَبٰی وَاَصۡحَابِہِ الۡمُرۡتَضٰی وَاَتۡبَاعِہِ
الَّذِیۡنَ اہۡتَدَوۡا بِخَیۡرِ الۡہُدٰی، اَمَّا بَعۡدُ!

بندۂ ناکارہ نے جب اپنے آپ کو اور اپنے جیسے تارکِ سنت اور متبع ہویٰ کو اپنے خیالاتِ باطلہ، رُسوماتِ آباء واجداد اور رواجاتِ عادایہ کو خدا بناتے اور ان کے پیچھے دیوانہ وار دوڑتے، حق و سچ کو مٹاتے اور باطل و فاسد پر لڑتے مرتے دیکھا تو خیال آیا کہ اگر وساوسِ شیطانیہ ونفسانیہ میں سے مشت نمونہ از خروار و یکے از ہزار سمجھ دار اُولی الابصار کے پیشِ خدمت کیا جائے تو شاید دیکھنے والا نعمتِ خداداد عقل کی وجہ سے ہوشیار ہوکر تدبر و تذکر میں پڑجائے یا صلاح کار و نیک خصال بن جائے اور بندہ اس کی دُعائے مستجاب سے اور اپنی تحریر کے خلاف کرنے میں شرمسار ہوکر خوفِ الٰہی سے بفضلِ غفار وستار نیک حال ہوجائے۔ **ذالک من فضل اللہ لیس ببعید، وما ذالک علی اللہ بعزیز!**

اس رسالہ میں چند فصول ہیں:

فصلِ اوّل:

سوال:... وساوسِ شیطانیہ ونفسانیہ کس کو کہتے ہیں؟

جواب:... انسان کی انسانیت طبعاً، ذاتاً، عقلاً، نقلاً، مروۃً، عادۃً اور رواجاً اس کو مقتضی ہے کہ اپنے خالق، رازق، مالک اور محسن کی طاعت و عبادت اور تعمیلِ فرمان پر جان، مال، آبرو اور وطن قربان کرے، بسبب اس کی عزّت، عظمت، جلال، جمال اور احسان کے۔ نیز اپنی عبدیت و احسان مندی کے سبب تعمیلِ حکم کرے، جس سے تعلق مع اللہ، الحب للہ اور البغض فی اللہ پیدا ہوتا ہے، پس جو چیز اس تعلق و محبت کو ختم کرے یا گھٹائے وہ شیطانی اور نفسانی وساوس ہیں، خواہ وہ اعتقاداتِ فاسدہ و اخلاقِ رذیلہ ہوں یا اعمالِ کاسدہ اور اقوالِ خبیثہ، الحاصل جو قرآن، سنت، اجماع اور قیاسِ صحیح کے خلاف راہ دکھائے، وہ وساوسِ نفسانیہ و شیطانیہ ہیں۔

سوال:... وساوسِ نفسانیہ اور شیطانیہ میں کیا فرق ہے؟

جواب:... وساوسِ شیطانیہ وہ ہیں جو اُصولِ دِین میں پائے جائیں، جس سے کفر وشرک ہوجائے اور ایمان جاتا رہے، جیسے رُسومِ شرکیہ مثلاً: کسی غیراللہ کو نافع، ضار، شافی الامراض، مشکل کشا، حاجت روا، بچہ کی عمر دراز کرنے والا یا کم کرنے والا، دُور و قریب سے ہر کسی کی، ہر وقت آواز سننے والا، اور فریاد کو پہنچنے والا سمجھنا، نذر و نیاز کرنا وغیر ذالک، یا کسی پیغمبر، آسمانی کتاب، قیامت، فرشتگان، تقدیر خیر و شر کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھنے کا انکار کرنا، یا جو حکم و قانون گو سنت ہی کیوں نہ ہو، قرآن مجید یا حدیث سے یقینی طور پر ثابت ہو، یا اس پر اُمتِ مرحومہ کا اِجماع ہو، اس کا انکار کرنا، حرامِ قطعی کو حلال، حلالِ یقینی کو حرام کرنا، یا دِین میں شبہاتِ باطلہ کرنا یا ڈالنا، اسی

طرح کسی پیغمبر، فرشتہ یا کتاب کی اہانت کرنا، وغیرہ، یہ سب وساوسِ شیطانیہ ہیں۔

اور جس غلطی سے ایمان نہ جائے اور کفر و شرک لازم نہ آتا ہو، گو گناہ و نافرمانی ہوتی ہو، وہ موجبِ عذاب ہے، جیسے فتنہ وفساد، مال وغیرہ کی محبتِ شدیدہ، زنا اور چوری، وغیرہ کے معاملات میں جو خیالات آئیں وہ وساوسِ نفسانیہ ہیں۔

فصلِ دوم:

خواطرِ ملکی وحقی:

سوال:... خواطرِ ملکی وحقی میں کیا فرق ہے؟

جواب:... جو خیالات نیک و اچھے آئیں وہ دو قسم ہیں: ایک وہ ہیں جو اچھے کام کرنے سے متعلق ہوں جیسے: حج کرنا چاہئے، نماز پڑھنی چاہئے، قرآن مجید کا ترجمہ سمجھنا چاہئے، مروّت و احسان کرنا چاہئے، وغیر ذالک، یا بُرے کام جو نہ کرنے کے متعلق ہوں، مثلاً: زنا، چوری، غیبت، جھوٹ، شرک اور کفر سے بچنا چاہئے، تکبر، غفلت، غرور اور ضلال سے بچنا چاہئے، اور توکل، تسلیم، قناعت، شکر اور رضا بالقضا کو حاصل کرنا چاہئے۔ اگر اچھے و نیک خیالات و خواطر کے کرنے اور نہ کرنے کا اختیار ہو، یعنی نیک کام کرنے اور نہ کرنے کا اختیار ہو، کرے تو جزا پائے اور نہ کرے تو سزا کا مستحق ہے، اسی طرح بُرے کام کے کرنے اور اس سے نہ بچنے کا اختیار ہے، کہ نہ کرے تو آفرین پائے، اور گناہ کرے تو سزا کا حقدار بنے، تو یہ خاطر و خیال الہامی و ملکی ہے، اگر نیک کام کرنے یا بُرے کام کے نہ کرنے پر اتنا مجبور ہوگیا ہو کہ دُوسری جانب کا بظاہر اختیار نہیں رہا تو یہ خاطر حقی ہے، فافہم!

فصلِ سوم:

دجلات وملمع شدہ وساوس:

جاننا چاہیے کہ نفسانی و شیطانی دھوکا دہی ہر شخص کے حال، کام، مقام اور طرز طریق کے مناسب ہوا کرتی ہے۔ مولانا صاحب کو (شیطان) یہ کبھی نہیں کہے گا کہ داڑھی منڈوا ڈالو، پیر صاحب کو یہ وسوسہ نہیں ہوگا کہ تسبیح صد دانہ نہ ہلاؤ، دولت مند، حاکم اور بڑے آدمی کو یہ نہ کہے گا کہ اپنی وجاہت، سخاوت، مروّت اور رعایت سے دست بردار ہو جاؤ، علیٰ ہذا القیاس۔

بلکہ مولوی صاحب کو یہ کہے گا کہ اگر تیری عزّت نہ کی گئی تو دِین کی ہتک ہو جائے گی، تیری ناقدری دِین، اسلام اور قرآن مجید کی ناقدری ہے، اور تیری عزّت وتعظیم اسلام کی عظمت ہے، اس پیچ و فریب سے اس کو خواہشِ نفس، عزّت وعظمت، خودساختہ من مانی اور زمانے میں مروّج طرز طریق پیدا ہوگا، مثلاً: کپڑے اس قسم کے ہوں، اس کا سینا پرونا اس طور کا ہو، پہننا اس طرز کا ہو، کھانا پینا مرغن وشیریں ہو، ایسی طشتریوں میں اور ایسی بناوٹ، آرائش اور نمائش سے ہونا چاہیے، مکانات و بیٹھک ایسے رنگ، ڈھنگ اور زیب و زینت سے ہوں، کلام وتبلیغ ایسی فصاحت و بلاغت سے، الفاظ انگریزی اور عربی اور اُوپری زبان کی ملاوٹ سے ہونے چاہئیں تاکہ نئی روشنی کے لوگوں اور حکام وعیش پرستوں میں بھی مؤثر ہوں اور میری وجاہت قائم ہو۔ ان جیسی ملمع ساز باتوں، کاموں اور حالتوں سے تبلیغ میں اخلاص وللّٰہیت نہ رہے گی، کلام کی سادگی و اصلیت گم ہو جائے گی اور قرآن مجید، حدیث شریف اور ملفوظاتِ بزرگان میں ضرور عجیب وغریب مثالیں، اشعار اور بے سند حکایات ملانی پڑیں گی، تاکہ عوام خوش ہوں، پسند کریں، واہ! واہ! کا نعرہ لگائیں، سر وتن وجد واستغراق میں

آئیں تا کہ دعوتوں کی کثرت ہو، آمدنی کی وسعت ہو، معتقدین میں عزّت ہو، دُور دُور تک شہرت ہو، مدح و ثنا خوانی ہر در و بام ہو، بالآخر ان چیزوں کے حصول میں اُمراء کی خوشامد میں مداہنت، عوام کی رعایت میں چشم پوشی اور تسامح کرنا پڑے گا، حق گوئی میں نقص آئے گا، ہر خاص و عام کے امراضِ رُوحانی کے علاج، تشخیصِ دوا میں بے پروائی برتی جائے گی، دُوسروں کی رضامندی کے لئے بدعت کو سنت، مستحب یا مباح کہنا پڑے گا، ناجائز کو کسی تأویل سے جائز بنانا ہوگا، قرآن و حدیث کے معنی گھڑنے پڑیں گے یا کوئی مؤید و معین سند لانی پڑے گی، خواہ وہ سند معمولاتِ مشہورہ نصِ قرآنی، سنتِ خیرالقرون اور اجماعِ اُمت کے خلاف ہی کیوں نہ ہو، سلف کے اقوال کو رَدّ کرنا پڑے گا، یا اسلاف میں عیب و نقص نکالنا پڑے گا، گالم گلوچ سب و شتم کرنا پڑے گا، وغیر ذالک۔ یہ مشت نمونہ از خروار ایک پیچ بازی یعنی تیری عزّت دِین کی عزّت ہے، سے پیدا ہوتے ہیں، جس سے ریا، عجب، کبر، غفلت، غرور، ضلال، کذب اور نفاق وغیرہ تو مزید براں ہیں، ایک وسوسے سے ہزاروں گناہ، ضلال اور اضلال ہوا، اگر یہ نہ ہوتا کہ: شنعت بود سیرت خویش گفت، تو اپنے جیسے مُلاّؤں کے حالات کا دفتر لکھ دیتا، اسی شاخ کے پھل پھول سے ہے کہ رسم و رواج کے تابع ہو کر غیر تقسیم شدہ میراث اور نابالغ وارثوں کے مال سے رسمِ قل خوانی اور جمعراتیں وغیرہ کرنا اور بعض علماء کا اس سے نہ روکنا بلکہ اس کی ترغیب دینا، اور شہرت اور دفعِ ملامت کے لئے باوجود دانست و علم کے اس غیر تقسیم شدہ مال سے کھانا کھلانا، خیرات کرنا اور لینا، دینا۔

فصلِ چہارم:

صوفیوں اور پیروں کے لئے دجل و فریب:

ا:... پیرزادوں اور اعلیٰ نسب والوں کو یہ ناز ہے کہ ہمارے بزرگ تو بزرگ

ہیں، اُن سے ہمارا انتساب نجات و فلاح کا موجب ہے، گو ہم جس قدر غلط کار رہیں۔ یہی حال علمائے سوء یہود کا تھا، جیسا کہ ارشاد ہے:

”وَقَالَتِ الْیَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰی نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ.“ (المائدہ:۱۸)

ترجمہ:... ”اور کہتے ہیں یہود و نصاریٰ کہ ہم بیٹے ہیں اللہ کے اور اس کے پیارے۔“

جس کا رَدّ قرآن مجید میں جابجا صراحتاً مذکورہ ہے، چنانچہ ارشادِ الٰہی: ”فَلَآ اَنْسَابَ بَیْنَهُمْ“ (المؤمنون:۱۰۱) (نہ قرابتیں ہیں اُن میں) وغیرہ نصوص میں اس کی صراحت ہے۔

۲:... بعض صوفی صرف کشف، اچھے خواب اور دُعاؤں کی اجابت پر نازاں ہوتے ہیں، حالانکہ ہر کشف صحیح نہیں ہوتا، آج کل کے اکثر لوگوں کو کشفِ مثالی ہوتا ہے، نہ کہ کشفِ عینی، اور کشفِ مثالی میں ہزارہا اشتباہ ہیں، کما ھو ظاھر عند ارباب الکشف، نیز اکثر علماء کے ہاں کشفِ عینی ”کَالشَّمْسِ فِیْ نِصْفِ النَّهَارِ فِیْ غَیْرِ سَحَابٍ“ سوائے انبیاء علیہم السلام کے دُوسروں کو نصیب نہیں، اسی لئے ان کا یقین ہر فردِ اُمت کے یقین سے بلند تر ہوتا ہے۔ یہی یقین تو تھا کہ اصحابِ موسیٰ علیہ السلام سمندر پر فرعونیوں کے دیکھنے سے تھرتھرا گئے اور کہنے لگے: ”اِنَّا لَمُدْرَکُوْنَ“ (الشعراء:۶۱) (تحقیق ہم پائے گئے)، مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

”کَلَّا، اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ.“ (الشعراء:۶۲)

ترجمہ:... ”بالکل نہیں! میرے ساتھ میرا رَبّ ہے، فوراً راہ دِکھلائے گا مجھے (یعنی نجات دے گا)۔“

اسی طرح جب حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ غار میں کفار کے پاؤں

دیکھنے سے بے چین ہوئے تو حضورِ اکرم سرورِ عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا'' (التوبہ:۴۰) (یعنی) مت غم کھا! بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

علاوہ ازیں کشف تو اسلام کے ساتھ خاص نہیں، کفار کو بھی ہوتا ہے، چنانچہ جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت: ''فَارْتَقِبْ یَوْمَ تَاْتِی السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِیْنٍ'' (الدخان:۱۰) کو دِل میں چھپایا اور ابنِ صیاد کو فرمایا کہ: میرے دِل میں کیا ہے؟ تو اس نے کہا: ''ھُوَ الدُّخُّ''۔ (مشکوٰۃ ص:۴۷۸)

مزید براں کشف کے اسباب موجباتِ تصفیہ وتزکیہ ہوتے ہیں، اگر مجاہداتِ شرعیہ ہوں، معیارِ سنت پر ہوں، تو انوارِ رَحمانی پیدا ہوتے ہیں۔ اس روشنی میں کشف مقبول اور اکثر صحیح ہوتا ہے، اگر معیارِ سنت پر نہیں بلکہ بدعت پر ہے، یا مجاہدہ کرنے والا مشرک یا کافر ہے تو اس تصفیہ میں روشنی ناری ہوتی ہے، اس میں جو کشف ہوتا ہے وہ نامقبول ہے، وہ موجبِ قرب نہیں ہوتا بلکہ اکثر غلط و مشتبہ ہوتا ہے، کشف یا انتساب پر ناز غرورِ شیطانی ہے۔

فصلِ پنجم:

اجابتِ دُعا مقبولیت کی علامت نہیں:

یاد رکھنا چاہئے کہ کسی کی دُعا قبول ہوجانے سے اپنے آپ کو کامل سمجھنا بھی شیطانی ونفسانی دھوکا ہے، شیطان نے ملعون ہونے کے بعد درخواست کی: ''فَاَنْظِرْنِیْ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ'' (الحجر:۳۶) (کہ مجھے قیامت تک مہلت دیجئے) جو قبول ہوئی۔ ہاں! اگر سنت پر عامل ہو، شرک و بدعت سے بچتا ہو، اس کی دُعا کا قبول ہونا اچھی علامت ہے، مگر ولایت کا معیار نہیں۔

اچھا خواب آنا نعمت ہے:

اچھے خواب کا آنا نعمت ہے مگر ولایت کا مدار نہیں، کبھی اس میں شیطانی دھوکا ہوجاتا ہے، جیسے کسی کو خواب میں حضورِ پُرنور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: "لَا تَشْرَبِ الْخَمْرَ" مگر جب اُٹھا تو "اِشْرَبِ الْخَمْرَ" یاد تھا۔ حضرت شاہ عبدالعزیز قدس سرہٗ نے اس کی تعبیر میں فرمایا کہ: دراصل حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے "لَا تَشْرَبِ الْخَمْرَ" (شراب نہ پی) فرمایا، مگر حافظہ میں شیطان نے "لَا" کو مٹادیا، باقی "اِشْرَبِ الْخَمْرَ" (یعنی شراب پی) رہا۔ (کذا فی کتاب الاعتصام للعلامۃ الشاطبیؒ)

اور کبھی کسی ادنیٰ چیز کو جو ظاہر میں خیر ہے، خواب میں دِکھایا جاتا ہے، اور بڑی خیر سے محروم کیا جاتا ہے، جیسے کہ تصوف و کمال کا مدار علم پر ہے، جس قدر علمِ صحیح کی تکمیل ہوگی اسی قدر وہ کمالِ معنوی و رُوحانی میں مجاہدہ و مراقبہ سے کمال کو پہنچتا ہے۔ اگر طالبِ علم کو خواب میں رُوحانی تکمیل کی ترغیب ہوئی اور علم چھوڑ کر مجاہدہ میں لگا تو بڑی خیر سے محروم رہا، اور رُوحانی کمال کا حاصل ہونا، قسمت میں ہوگا تو حاصل ہوگا، وگرنہ دونوں سے محروم رہے گا۔

اور کبھی خواب خراب میں تنبیہ کرنا مقصود ہوتا ہے، جیسے فرمایا:

"اِذَا اَرَادَ اللّٰہُ بِعَبْدٍ خَیْرًا عَاتَبَہُ اللّٰہُ فِی الْمَنَامِ"

(کنز العمال ج:۱۱ ص:۹۶ بحوالہ دیلمی فی مسند الفردوس)

ترجمہ:... "جب کسی بندہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اس کو خواب میں (خواب خراب وغیرہ سے) عتاب فرماتا ہے۔"

(ھکذا فی کتاب التشرف للعلامۃ التھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ)

اجابتِ دُعا اور اچھے خوابوں پر اترانا، اپنے کو کامل سمجھنا، شیطانی دھوکا ہے، اور خواب خراب سے بددِل ہونا یہ بھی غلطی ہے۔

فصلِ ششم:

حسن پرستی کا وسوسہ:

اکثر صوفیائے زمانہ کو شیطان کا یہ دجل وفریب اور مکاری قربِ خداوندی سے محروم کرتی ہے کہ حسین لڑکوں یا عورتوں سے اس لئے عشقِ مجازی کرتے ہیں کہ رَبِّ تعالیٰ کا عشقِ حقیقی حاصل ہوگا، اس میں اگر فنا حاصل ہوگئی تو فنا فی اللہ کا حاصل ہونا کچھ دُور نہیں ہوتا، یہ سخت دھوکا ہوتا ہے، کیونکہ اختلاط ہوتے ہوتے میل، رغبت اور پھر محبت ہوجاتی ہے، پھر بغل گیری، بوسہ، پھر لواطت یا مجامعت تک معاملہ پہنچتا ہے، انجام کار ''خَسِرَ الدُّنیَا وَالاٰخِرَۃ'' بن کر قرب وفضلِ الٰہی سے محروم ہوجاتا ہے، دراصل عشقِ مجازی سے مقصود مرشد شیخ متبع السنۃ کی محبت تھی، اتباعِ مرشد سے فنا فی الرسول، پھر فنا فی اللہ تک پہنچنا تھا، مگر حسن پرستی میں اپنا بیڑا غرق کیا۔

فصلِ ہفتم:

ملفوظات ومثنوی وغیرہ کے متعلق شیطانی مغالطہ:

اے عزیزو! دِین، دُنیا، آخرت، قرب، کمال کے مدارج وعروج سب کچھ قرآن مجید واتباعِ سرورِ عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی سے ملتے ہیں:

محال است سعدی کہ راہِ صفا
تواں یافت جز درپے مصطفیٰ

ترجمہ:... ''اے سعدی! محال ہے کہ صفائی والا راستہ

مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے بغیر پا سکیں۔''

یہی چیز قرآن و حدیث میں ہے۔ تحریرِ آیات و احادیث و ترجمۂ ایشاں طوالت چاہتے ہیں، اس لئے مختصراً اس شعر کو لکھ دیا، مگر آج کل کے اکثر صوفیہ نے سعادتِ دارین کا مدار ملفوظات وغیرہ میں سمجھ لیا ہے، یا حسرتا!

ملفوظات و مثنوی وغیرہ کے متعلق مختصر و معتمد نقل شرح دیوان فرید سے پیش کرتا ہوں، سن لیں، شارحِ دیوان فرید مقابیس المجالس جلد چہارم قلمی صفحہ:۴۳۷ سے حضرت خواجہ غلام فرید صاحب سے نقل کرتا ہے:

''اکثر کتب ملفوظات غیر صحیح اند و بلا تحقیق نوشتہ اند بس سند آنہا نزد من قابل اعتبار و اعتقاد نیست۔'' (ص:۲۵)

ترجمہ:... ''پس ان کی سند میرے نزدیک قابلِ اعتبار اور لائقِ اعتماد نہیں ہے۔''

آگے صفحہ:۳۲ میں فرمایا:

''ایک بار کتاب ''منطق الطیر'' ملاحظہ فرما رہے تھے، مخدوم غریب شاہ صاحب نے ایک جگہ کے متعلق فرمایا کہ یہ اشعار ملحقاتِ روافض میں سے ہیں، جس طرح انہوں نے مثنوی رُومی میں بعض بُرے اشعار ملحق کردیئے ہیں، اسی طرح منطق الطیر میں بھی انہوں نے چالاکی کی ہے، حضور (یعنی خواجہ غلام فرید صاحب) کی طبیعت میں تحقیق کی خلش پیدا ہوگئی، اور جب تک ڈیڑھ سو سال کا ایک پُرانا قلمی نسخہ ہاتھ نہ آیا، اس وقت تک وہ خلش ختم نہ ہوئی، اس قلمی نسخے میں وہ اشعار موجود نہ تھے، حضور نے فرمایا: الحمدللہ! کہ یہ بات محقق ہوگئی، یہ بات

صرف روافضِ زمان ہی نہیں کرتے بلکہ ان کے بزرگان کا بھی یہی رویہ تھا، چنانچہ قاضی نور اللہ شوستری نے ایک کتاب لکھی ہے جس میں اکابر اولیاء مثلاً غوث بہاء الحق شیخ رُکن الدین، ابوالفتح ملتانی، سیّد جلال الدین اوچی اور دُوسرے مشائخ چشتیہ، قادریہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے اَبیات وعبارات تشیع کے حق میں پیش کئے ہیں، حالانکہ کہیں کسی جگہ بھی ان حضراتِ کرام رحمہم اللہ سے نہ وہ عبارات ثابت ہیں اور نہ اشعار، مقصود صرف تلبیس، التباس اور دجل ہے، بلفظہٖ۔‘‘

اب فرمائیں کہ متصوف لوگ قرآن و حدیث کی نہیں سنتے، جبکہ ملفوظات وغیرہ کا حال یہ ہے، حقیقت یہ ہے کہ دجل شیطانی میں آ کر اصلیت کھو بیٹھے ہیں:

نہ خدا ہی ملا، نہ وصالِ صنم
نہ اِدھر کے رہے، نہ اُدھر کے رہے

فصلِ ہشتم:

توحید وجودی اور اس میں مغالطہ:

اس میں بھی اسی کتاب شرح فریدی کی نقل پیش کرتا ہوں، گو ہر تحقیقی کتاب میں ایسا ہی ہے، چنانچہ اس کے صفحہ: ۷۵ میں فوائدِ فریدیہ صفحہ:۳۶ وصفحہ:۳۷ سے شارحِ مذکور نقل کرتے ہیں:

’’پس باید کہ اطلاق اسماء مراتب عبودیت بر مرتبہ اُلوہیت کردہ نشود نہ اطلاق اسمائے مرتبہ اُلوہیت بر مراتب عبودیت، لانہ کفر والحاد و زندقہ، نعوذ باللہ منہا۔ انتہیٰ۔

آگے شارح فرماتے ہیں کہ: ہر چیز کو خدا سمجھنے اور ہر چیز کو خدا کہنے والے لوگوں کے دروازے خواجہ صاحب رحمہ اللہ نے بالکل بند کردیئے، اب دیکھنا یہ ہے کہ کسی بشر پر خواہ وہ ولی ہو یا نبی، کبھی ایسا وقت آتا ہے کہ وہ ریاضات و کمالات کے حصول کے بعد عینِ خدا بن جاوے یا نہ؟ اس کے لئے بھی حضرت خواجہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا بیان موجود ہے اور اسے وہ توحیدِ حالی کے نام سے تعبیر کرتے ہیں: ''آں گاہ فرمودند کہ منتہائے مقام جمیع انبیاء و اولیاء در توحید مرتبۂ توحید است (یعنی توحیدِ حالی) و دریں مرتبہ رسوم بشریت بالکلیہ مرتفع و منتفی نمی شوند ازاں است کہ بعض کبرائے صوفیہ فرمودہ کہ: ''التوحید غریم لا یقضی دینه، التوحید غریب لا یؤدی حقه'' یعنی توحید قرض خواہ است ادا کردہ نمی شود دَین و دامِ او۔ توحید مسافر است ادا کردہ نمے گیرد حق او۔'' (جلد:۳ مقابیس المجالس ص:۱۲۹)

بھلا جس قوم کو اللہ، رحمٰن، رحیم عذاب میں مبتلا کرے، اس کی عقل کیسے ٹھکانے رہے؟ توحیدِ وجودی یہ نہیں کہ بندہ کو خدا سمجھے یا خدا تعالیٰ کو بندہ دیکھے یا بندہ میں دیکھے، بلکہ وہ ایک غلبۂ حال کا نام ہے، جب وارِد ہوتا ہے تو وہی نظر و خیال میں جلوہ افروز ہوتا ہے:

چو سلطانِ عزّت علم در کشد
جہاں سر بہ جیب عدم درکشد

ترجمہ:... ''جب عزّت کا مالک علم کھینچتا ہے، جہاں عدم میں گریبان میں سر کھینچتا ہے۔''

اگر اس غلبہ حال میں کوئی چیز زبان سے نکلے تو وہ معذور ہے، اگر ہوش میں کہے تو ماخوذ و معتوب ہے، مگر آج کل آزادی کا زمانہ ہے، منہ میں لگام نہیں، جو آیا کیا، اور کہا، مسدس حالیؔ میں خوب لکھا ہے:

تیری نگاہ میں ثابت نہیں خدا کا وجود
میری نگاہ میں ثابت نہیں تیرا وجود
کرے غیر گر بت کی پوجا، تو کافر
جو ٹھہرائے بیٹا خدا کا، تو کافر
جھکے آگ پر بہرِ سجدہ، تو کافر
کواکب میں مانے کرشمے، تو کافر
مگر مؤمنوں پر کشادہ ہیں راہیں
پرستش کریں شوق سے جس کی چاہیں
نبی کو جو چاہیں خدا کر دِکھائیں
اِماموں کا رُتبہ نبی سے بڑھائیں
مزاروں پہ دن رات نذریں چڑھائیں
شہیدوں سے جا جا کے مانگیں دُعائیں
نہ توحید میں کچھ خلل اس سے آئے!
نہ اسلام بگڑے، نہ ایمان جائے!

فصلِ نہم:

بزرگانِ اہلِ قبور سے استفادہ میں دھوکا:

یاد رکھنا چاہئے کہ جمہور علماء کے ہاں انبیاء کو چھوڑ کر، عام موتی کے سماع کے

متعلق اُمت میں اہلِ سنت والجماعت کے دوگروہ ہیں۔

جو سماعِ موتیٰ کے قائل نہیں، وہ کہتے ہیں کہ جب سماع نہیں، تو استفادہ اور افادہ مہمل بات ہے، اور جو کچھ کسی حدیث سے معلوم ہوتا ہے وہ بطور معجزہ کے تھا، اور معجزہ پیغمبروں کے ساتھ خاص ہے۔

اور دُوسرا گروہ اہلِ سنت والجماعت کا ہے جو سماعِ موتیٰ کے قائل ہیں، مگر یہ لوگ بھی سماعِ عام وتام کے قائل نہیں، ہر ایک میّت، ہر وقت نہیں سن سکتی، معذب کیا سنے گا؟ اور جو قرض کے سبب علیحدہ محبوس ہے، (کذا فی المشکوٰۃ) وہ کیا سنے گا؟ علاوہ ازیں ہر مزار و روضہ والا مقبول نہیں، بہت سی جگہیں ایسی ہیں کہ تاریخ سے ثابت ہے کہ جس جگہ مزار ہے، وہاں وہ بزرگ نہیں، جیسے محققین کے نزدیک جہاں حضرت سخی سرور رحمۃ اللہ علیہ کا مزار ہے، وہاں آپ کی قبر نہیں، آپ کسی دُوسری جگہ مدفون ہیں (کشمیر میں)، اور ایسے واقعات کثیر اور کئی جگہ کے ہیں، پھر جب اس قدر حالات ہیں تو کیسے اطمینان ہوگا کہ یہ بزرگ سن بھی رہے ہیں؟ اور سن کر سفارش بھی کریں گے اور اللہ تعالیٰ ان کی دُعا کو رَدّ بھی نہیں کرے گا؟

علاوہ ازیں ان کے پاس قرآن وحدیث و اِجماع سے کوئی نقلِ صحیح بھی نہیں ہے، اکثر اس قسم کی چیزیں ملفوظات وضعیف کتب سے منقول ہیں، جس پر محقق اعتماد نہیں کرسکتا، عوام کا اعتبار نہیں، اور ظن وگمان، کشف والہام اور کسی کا کام ہوجانے سے کوئی شرعی مسئلہ یا حکم ثابت نہیں ہوتا، کیونکہ مسئلہ قانون یا مستنبط من القانون کا نام ہے، اور قانون ساز محض رَبّ تعالیٰ ہے، اس لئے کہ: "اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ"، اور "وَلَا یُشْرِکُ فِیْ حُکْمِہٖ اَحَدًا"، اور تیرے میرے خیال کا نام مسئلہ نہیں، پس اس زمانے میں جو بزرگوں کے مزاروں پر درخواستیں لٹکادیتے ہیں، یا نوراتیں یا چہل روز کا چلّہ بیٹھتے ہیں، شفا امراض، حاجت روائی، مشکل کشائی اور بیٹا پیدا ہونے کے لئے جو کچھ

کرتے ہیں، ان میں سے اکثر چیزیں شرک اور گناہ ہیں، جبکہ بعض مباح بھی ہوتی ہیں، مگر افسوس کہ شیطانی دھوکے اور اغوا سے سب کچھ ہو رہا ہے، اِلاَّ ما شاء اللہ!

فائدہ:... زیارتِ قبور مستحب ہے، ان کے لئے فاتحہ پڑھنا، یعنی ان کی رُوح کو بخشنا جائز ہے، جو چیز بھی بخشے دُرست ہے، اور اس طور وسیلہ پکڑنا بھی دُرست ہے کہ اے اللہ! میں تیرے رسولوں، کتابوں اور بزرگوں کا معتقد ہوں، اس وسیلے سے میری حاجت روائی کردے، یا مشکل کشائی کردے۔

فصلِ دہم:

''غفور رحیم'' کے لفظ سے شیطان کی فریب کاری:

اکثر لوگ بے تحاشا قانون شکنی کیا کرتے ہیں اور بے محابا فسق و فجور اور ظلم و عصیان وغیرہ کی داد دیتے ہیں، وصیت و نصیحت پر کہہ دیتے ہیں: ''اللہ غفور رحیم ہے!'' بھائی! بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے، مگر کس نے فرمایا کہ گرفت نہ فرمائیں گے اور ضرور بخشیں گے؟ مغفرت کی اُمید رکھنا نعمت ہے، مگر مغفرت کی آڑ میں نافرمانی کرنا، قانون توڑنا، ناصح کے وعظ پر حیلہ مغفرت پیش کرنا، غلطی سے باز نہ آنا، بلکہ ضد پر اِصرار کرنا اور نصیحت سے عار و بار کرنے کا نام مغفرت کی اُمید ہے؟ اللہ اکبر!

تمنا اور اُمید یعنی رجا میں فرق یہ ہے کہ: بے فکر ہو، اغلاط در اغلاط کرتا جائے، اور پھر بھی معافی یا اِنعام کی اُمید یا آرزو رکھے، ''اَلْاَحْمَقُ مَنِ اتَّبَعَ هَوَاهُ وَتَمَنّٰى عَلَى اللهِ'' احمق و نادان وہ ہے جو اپنے خیالات (فاسدہ) کا تابع ہو اور اللہ پر اُمید رکھے۔ حالانکہ اُمید یعنی رجا یہ ہے کہ نیک کام کرے اور اُمید بھی رکھے کہ اس میں جو غلطی ہوگئی ہوگی، معاف فرمائیں گے، قرآنِ کریم میں ارشاد ہے:

''اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ

اللہِ اُولٰٓئِکَ یَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللہِ." (البقرہ:۲۱۸)

ترجمہ:... "بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور وطن (یا گناہ) چھوڑا اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا، وہی ہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت کے اُمیدوار۔"

(اس آیت میں) رجاء کو نیک اعمال کے بعد ذکر فرمایا۔

فصلِ یازدہم:

صوفیائے کرام کے مجاہدات میں دھوکا دہی:

ہوش سے سنیں! وہ کام اللہ تعالیٰ کی دربار شاہی میں بارآور، مقبول، باعثِ قرب و رضا اور آخرت کی فلاح و سرفرازی کا موجب ہے جو حضورِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت، قانونِ الٰہی کے مطابق اور اللہ تعالیٰ ہی کی رضا کے لئے ہو، یعنی اس میں اِخلاص ہو، کسی دُوسری چیز کی اس میں ملاوٹ نہ ہو، قرآنِ کریم میں ارشاد ہے:

"اَلَا لِلّٰہِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ." (الزمر:۳)

(یعنی) دِین عبادت خالص (بے ملاوٹ) اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے۔ اگر ان شرائط میں سے کوئی شرط نہیں پائی گئی تو وہ اعتقاد، عقیدہ، قول، فعل، طور، طریقہ، رسم، رواج، اخلاق حتیٰ کہ توکل، قناعت، شکر، فنا، بقا، سکر اور صحو وغیرہ نامقبول اور بے قدر ہیں، گو دُنیا میں اُن کا اجر و صلہ مل جائے، مگر آخرت میں بے قدر اور ناقابلِ اعتبار ہیں، اگر کسی نے مجاہدات، مراقبات، ریاضات، چلّے، خلوتیں، تہجد، اِشراق، ذکرِ قلب اور پاسِ انفاس وغیرہ اس لئے کئے ہیں کہ کشفِ قبور، کشفِ قلوب، کشفِ کونی ہونے لگے، خلافت، سجادگی ملے، مریدوں کو تھامے، انوار نظر آئیں، اِستغراق ہو، وجد

ہو، بسمل (نیم کشتہ) کی طرح تڑپنے لگے، بے خودی ہوجائے، دُنیا کے کاروبار معطل ہوجائیں، خودبخود چھوٹ جائے، شہرت و ناموری ہو، دُنیا میں واہ واہ ہو، عزّت ہو، وجاہت ہو، لوگوں کے دِلوں پر ہیبت ہو، آمدنی اور مال کا اچھا ذریعہ ہو، کرامت چلے، مرنے کے بعد میری قبر زیارت گاہ ہو یا خوب حصول و وصول وغیرہ ہو، تو یہ سب نیتیں آخرت میں بے کار، لاحاصل اور لایعنی ہوں گی، اور یقیناً ہوں گی، گوکسی قدر دُنیا میں ان چیزوں میں سے کچھ حاصل ہوجائے، تب بھی قابلِ اعتبار و اعتقاد نہیں ہے، فافہم!

پس اگر کسی نے وظیفہ یا مجاہدہ اس لئے کیا کہ مقدمہ میں فتح ہو، دُشمن رَدّ ہوں، مال و دولت بڑھے، لوگوں میں عظمت ہو، اللہ تعالیٰ نرینہ اولاد دے، وغیرہ وغیرہ، اور وہ مراد مل بھی گئی، تو اللہ تعالیٰ کے ہاں اور آخرت میں یہ مجاہدے اور وظیفے کارآمد نہیں ہوں گے، قرآنِ کریم میں ارشاد ہے:

”مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ، وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ.“ (الشوریٰ:۲۰)

ترجمہ:... ”جو شخص آخرت کی کاشت کا ارادہ کرتا ہے، اس کی کاشت ہم بڑھادیتے ہیں، اور جو شخص دُنیا کی کاشت کا ارادہ کرتا ہے، کچھ دے دیتے ہیں اور آخرت میں بے نصیب ہوگا۔“

فائدہ:... میری یہ معروضات قبول فرمائیں اِن شاء اللہ فائدہ ہوگا، لہٰذا جو چیز پڑھیں یا جو کام کریں سب میں خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کا قصد و ارادہ کریں، یا یہ نیت کریں کہ آخرت میں کام آئے ... یہ دونوں چیزیں و نیتیں آپس میں لازم و ملزوم ہیں... قرآنِ کریم میں ارشاد ہے:

''وَاذْكُرْ عِبٰدَنَا اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ اُولِي الْاَيْدِيْ وَالْاَبْصَارِ. اِنَّآ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ.'' (صٓ:۴۵،۴۶)

ترجمہ:... ''اور یاد کر ہمارے بندوں ابراہیمؑ، اسحٰقؑ اور یعقوبؑ ہاتھوں اور آنکھوں والوں کو، ہم نے امتیاز دیا ان کو ایک چنی ہوئی بات کا وہ یاد اس گھر کی۔''

پس جو متصوف کہتے ہیں کہ آخرت و بہشت کی نیت غلط ہے، اور کہتے ہیں کہ طالبِ دُنیا مخنث، و طالبِ عقبیٰ مؤنث و طالب المولیٰ مذکر، اس آیت کی رُو سے ان کا نظریہ غلط ہوا، اگر نیت دُرست کرلی جائے تو جس مطلب کے لئے وظیفہ پوچھا یا کیا جاتا ہے وہ بھی حاصل ہوجائے گا اور آخرت کی بہتری بھی ملے گی، اس لئے کہ آخرت کے لئے تو پڑھا تھا، جب درخت تنا سمیت مل گیا، تو شاخیں اور پھل پھول وغیرہ بھی سب آگیا، جب اللہ تعالیٰ کی رضا آئے گی تو دُنیا بھی آئے گی اور دِین بھی آئے گا، سبحان اللہ! دُنیا و آخرت بھی سدھری، اللہ کی رضا بھی آئی (مؤمن کو تو یہی چاہئے)۔

فائدہ:... اگر اللہ تعالیٰ کے لئے ذِکر، فکر، مجاہدہ کیا اور کشفِ قبور، کشفِ قلوب اور انوار وغیرہ چیزیں وارِد ہوجائیں تو وہ رحمت ہیں، نعمت ہیں، فضل ہے، احسان ہے، لیکن مقصدِ اصلی رضائے الٰہی ہو اور بہتریٔ آخرت ہو، پھر ان کا مرتب ہونا اللہ کریم کا احسان ہے، لیکن اگر ان چیزوں کے حصول کے لئے مجاہدہ کیا، تب اگر یہ چیزیں آ بھی گئیں تو بھی رضا، قرب اور بہتریٔ آخرت کا موجب نہیں، فافہم وتدبر! اِلَّا یہ کہ اس نیت کے بعد خالص رضائے الٰہی، اصلاح اور آخرت کی نیت کرلی جائے تو دُوسری بات ہے۔

فصلِ دوازدہم:

سماعِ سرود میں شیطانِ لعین کی دھوکا دہی:

عام مشہور ہے کہ مزامیر، سرود اور گانا بجانا سننے والے اکثر متصوفین کا خیال ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت بڑھتی ہے، اسی لئے ہم مزامیر سنتے ہیں۔

سلسلۂ چشت اہلِ بہشت کے محققین تو خلافِ سنت سمجھ کر اس سے کنارہ کش ہیں، جبکہ اکثر اہلِ چشت وغیرہ کا اُسے جائز سمجھنا بھی شرائط سے مشروط ہے، مثلاً:

۱:... گانے والا بے ریش اور عورت نہ ہو۔

۲:... مزامیر، جلاجل وغیرہ نہ ہوں۔

۳:... سننے والے اہلِ ذوق اور سنانے والے بھی ایسے ہی صاحبِ ذوق و صاحبِ حال ہوں۔

۴:... خلوَت میں ہو، جلوَت میں نہ ہو۔

۵:... خاص لوگوں کی مجلس ہو، عام لوگ اس میں شریک نہ ہوں۔

۶:... کلام موزوں ہو، خط و خال معشوقین کا اس میں بیان نہ ہو، یعنی اشعار بھی، مجلس بھی اور سننے سنانے والے بھی سب کے سب مخالفِ شریعت نہ ہوں، تب جائز ہے، وہ بھی ہر کسی کے لئے نہیں بلکہ خواص کے لئے ہے۔

محدثینِ کرام، علمائے عظام اور اربابِ سلاسلِ نقشبندیہ و قادریہ وغیرہ تو خلافِ سنت سمجھ کر اس کی اجازت نہیں دیتے، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، ائمہ کرام رحمہم اللہ اور اسلاف متقدمین نے اس کا چرچا نہیں کیا، اس کو ربّ تعالیٰ تک پہنچنے کا طریق نہیں بتایا، اس کی تبلیغ نہیں کی، ترغیب نہیں

دی، وظیفے کی طرح روزانہ یا یکے بعد دیگرے مقرّر نہیں کیا، مریدین، معتقدین میں یہ سنت نہیں رکھی، شوق نہیں دِلایا، ہاں! گاہے گاہے کوئی اشعار کفر، کفار اور بدعت کی مذمت، اللہ تعالیٰ کی محبت، توحید و رسالت اور قرآن مجید کی ترغیب کے سن لئے تو بُرا نہیں مانا، مگر آج کل تو کنجریوں، خوب صورت بے ریشوں، ہزار راگ کے فن اور فلم سینما سے مجلس میں سنے جاتے ہیں اور اُسے ثواب، قرب اور مقبولیت کے اسباب جانتے ہیں، سبحان اللہ! پھر اس پر وجد کرتے ہیں، لوگوں کو ترغیب دیتے ہیں، اپنی مقبولیت دِکھاتے ہیں اور مقبول بناتے ہیں، اللہ اکبر!

حضرت حکیم الأمت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے:

> ''میں یوں نہیں کہتا کہ سرود راگ سے محبت نہیں بڑھتی، محبتِ مقبول سنّت پر عمل کرنے سے ہوتی ہے، بس، طرفہ یہ کہ گانے بجانے والوں کے لئے پیسے، کپڑے، زیور وغیرہ عوام سے دِلاتے ہیں کہ یہ دینا نبی کریم کی ویل ہے، یعنی موجبِ ثواب وقربِ خداوندی ہے، ونثار وتصدق علی النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم ہے، تَعَالَی اللّٰہُ عَمَّا یَصِفُوْنَ! یہ کیا مغالطہ شیطانی ہے کہ غلطی کو، گناہ کو قربِ الٰہی کا معیار بناوے؟''

فصلِ سیز دہم:

تعلیم متعلّم میں شیطانِ رجیم کی دھوکا دہی:

معلّم صاحب مدظلہ محض قرآن مجید کی تعلیم کو مدارِ نجات سمجھے ہوئے ہیں، خواہ خود معلّم صاحب کو قرآن مجید کی صحت ہو یا نہ ہو، اور طلباء کو ''ذ، ز، ض، ث، س، ص، ح، ھ، ع، ء'' میں فرق اور مد و شد میں صحت ہو یا نہ ہو، قرآن مجید کے ختم ہونے پر

بھی صحتِ نماز ہے یا نہیں؟ جیسی کیسی نماز ہو، قرآن مجید کا پڑھنا بھی، جس طور ہو دُرست ہے، موجبِ فلاح ہے، عذابِ قبر اور دوزخ سے نجات کا ذریعہ ہے، ایسا ہرگز نہیں! یہ شیطانی دھوکا ہے۔ کتبِ فقہ میں زلۃ القاری (قاری کی اغلاط) کا مطالعہ کریں، اس پر عمل کریں، اِمام صاحب پر واجب ہے کہ لوگوں کی نماز فاسد اور باطل نہ کریں، حدیث: "اَلْاِمَامُ ضَامِنٌ" کا خیال کریں، لوگوں پر واجب ہے کہ ایسے کو اِمام و معلّم وغیرہ نہ بنائیں، اگر ایسے معلّم غلط خواں کو صحیح سمجھیں گے، تو شیطانی دھوکا ہے۔

فصلِ چہاردہم:

قرآن مجید اور حدیث کے سوا دُوسرے علم کو ذریعہ نجات سمجھنا:

ہم جیسے مسمّٰی بالعالم کا کیا پوچھنا؟ صَرف، نحو، اُصول، منطق، معقول اور مناظرہ وغیرہ میں اپنے آپ کو فائق جاننا، اس پر غرّہ ہونا، پھر اس کو موجبِ نجات جاننا، یہ بھی وسوسۂ نفسانی ہے، ان چیزوں میں ماہر ہونا بُرا نہیں، اس پر اِترانا اور اس کو موجبِ قرب ونجات سمجھنا غلط ہے۔

اسی طور قرآن مجید و حدیث شریف میں ماہر و فائق ہونے پر اَکڑنا بُرا ہے، قرآن مجید و حدیث شریف میں مہارت اعلیٰ کمال ہے، مگر مقصد عمل ہے، اور عمل میں بھی اخلاص کا نصیب ہونا اصل ہے، اور "ذٰلِكَ فَضْلُ اللهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ" کا مصداق ہے۔

طلبائے کرام کا دُوسرے علوم میں مہارت حاصل کرنا اور تفسیر، حدیث، فقہ اور اُصول سے بے اعتنائی برتنا شیطانی دھوکا ہے، تعلیم کا مقصدِ اعلیٰ واسنٰی ان نعمتوں میں فائق بننا، اس پر عمل کرنا، تبلیغ کرنا اور اِخلاص حاصل کرنا ہے۔

اسی طرح حفاظ کا یہ مقصد کہ قرآن یاد کرنا، مصلّٰی سنانا، شبینہ میں جیت لینا اور

پیسے وصول کرنا، یہ بھی فریبِ شیطانی ہے، اصل مقصد قرآنِ کریم کا معنی جاننا، عمل کرنا اور اخلاص حاصل کرنا ہے۔

اسی طرح قرآن مجید کو تعویذوں میں اس طور لانا کہ حسابِ ابجد سے سورتوں کے اعداد نکال کر مخمس، مسدس، مثلث وغیرہ لکھنا، دینا، اس کی کوئی نقل خیرالقرون و ائمہ کرام سے مروی نہیں ہے۔ ہاں! بعض نے مباح کہا ہے، مگر اس مباح کو اس طور عام تام کرنا کہ اس کو سنت سمجھنے لگیں اور قرآن پڑھنے سے زیادہ اسی پر اعتبار و اعتقاد کریں، بُری بات ہے۔ ہاں! آیت یا حدیث کو شفا وغیرہ کے لئے لکھ کر دینا دُرست ہے۔

اسی طرح اس کو کمال سمجھنا یا اس سے لوگوں کو اپنا کمال دِکھانا بُری بات ہے، اور اسی کی ایک شاخ سحر و جادُو بھی ہے اور اس کا اکثر کفر ہے۔

اسی طرح قرآن مجید کی آیات یا کلمات میں مؤکلات کو ملا کر پڑھنا: "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ یا جبریل اَللّٰهُ الصَّمَدُ یا میکائیل لَمْ یَلِدْ یا اسرافیل .... الخ" یا قرآنِ کریم کی کسی سورۃ کے اوّل و آخر کچھ اسمائے غیراللہ کا ملانا یا سورۂ یٰسین کو مبین مبین تک پہنچ کر پھر اوّل سے اعادہ کرنا اور اس کو ثواب سمجھنا غلط بات ہے، اس کا کوئی ثبوت نہیں، ہاں بطور تجربہ کسی بزرگ سے کسی خاص عمل کے لئے اس طرح ثابت ہو اور سنت سمجھ کر نہ کیا جائے تو جائز ہے، ویسے یاد کرنے کے لئے جس آیت کو یا سورۃ کو ابتدا یا انتہا سے جس قدر اعادہ کرے کوئی منع نہیں، قرآن قانون اور آسمان و زمین کے مالک کا حکم ہے، اس کو جس قدر پڑھے، معنی سمجھے، عمل کرے، رحمت در رحمت ہے، مگر دُوسرے قصد و ارادہ اور نیت سے پڑھنا اور اس کو توشۂ آخرت سمجھنا، من مانی بات ہے۔

اسی طرح قرآن مجید کو ثواب کے لئے پڑھنا، پھر اس پڑھنے پر پیسے لینا ناجائز ہے، لینے دینے والے دونوں گنہگار ہیں، ہاں! شفا کے لئے پڑھے اور اس پر

کچھ پیسے وغیرہ لے لے تو دُرست ہے، جیسے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے بچھو کے کاٹے پر سورۂ فاتحہ پڑھی، شفا ہوئی، کچھ مال لیا، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو جائز رکھا۔ (ترمذی ج:۲ ص:۲۷)

اسی طرح دُرود شریف، آیتِ کریمہ: "لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ" (الانبیاء:۸۷) وغیرہ کو ثواب کے لئے پڑھ کر اس پر کچھ لینا دینا دُرست نہیں، ہاں! شفا کے لئے پڑھو، پڑھاؤ، کچھ لو اور دو، تو یہ دُرست ہے۔

فصلِ پانزدہم:

چندہ وصول کرنے میں اور زکوٰۃ کے مال میں مغالطہ:

بے شک آج کل اکثر دولت مندوں کے خیالات دُوسری طرف مائل ہوچکے ہیں، زکوٰۃ بھی مجبور ہوکر ملامت کے ڈر سے کچھ نکالتے ہیں، اور وہ بھی کسی تعریف یا ثنا وشہرت پر کسی کو دیتے ہیں۔ بجز زکوٰۃ، فطرہ اور چرمِ قربانی وغیرہ کے کوئی چیز مدارسِ عربیہ میں نہیں دیتے اور یہ چیزیں دے کر مصرف پر خرچ کرنا رکن ومہتمم مدرسہ کے ذمہ لگادیتے ہیں، لہٰذا ارکانِ مدرسہ ومہتمم پر واجب ہے کہ اس کی احتیاط کریں اور مصرف پر خرچ کریں، زکوٰۃ کا جو حیلہ کریں صحیح ہو، تاکہ مدرّسین کی تنخواہ میں دے سکیں، وگرنہ قیامت میں حساب میں آئیں گے، بے احتیاطی کرنے والے غرورِ شیطانی میں ہیں۔

جب چندہ اکٹھا کریں، تو اس کا خیال رکھیں کہ اگر دینے والا شرمساری یا مجبوری سے دے تو اس کا مال لینا ناجائز ہے، معیارِ شریعت پر رہنا چاہئے، وگرنہ حساب سخت ہے۔

اسی طرح اپنے مال کو برس گزرنے سے پہلے بیوی کی مِلک کرنا، بیوی کا سال گزرنے سے پہلے میاں کی مِلک کرنا کہ نہ سال بھر مال کسی کی مِلک میں رہے گا

اور نہ زکوٰۃ واجب ہوگی، زکوٰۃ کے اسقاط کے لئے ایسا حیلہ کرنا بُری بات ہے، شیطانی دھوکا ہے۔ اسی طرح جنازہ کے بعد گناہِ میّت کے لئے مروّجہ حیلہ اسقاط کرنا اور کرانا شیطانی دھوکا ہے، ہزاروں کا مال گھر میں موجود ہے، مگر پھر بھی حیلہ سے کام چلاتے ہیں، اگر سچ مچ میّت پر وارثوں کو رحم آتا ہے تو ورثہ تقسیم کر کے جس کا ارادہ ہو، وہ اپنے مال سے میّت کی ہر نماز کے بدلے دو سیر گندم کسی فقیر غریب کو دیتا جائے، جتنے برسوں کی دینی ہو، دے دے، حساب لگالیں، ہر روزہ کا فدیہ دینے کا بھی یہی حساب ہے۔

اگر میّت نے زکوٰۃ نہیں دی تھی تو وہ بھی دو، اگر میّت پر حج واجب تھا اور نہیں کیا تھا، میّت کی وصیت پر وارث کے پاس اگر اتنا مال ہو کہ تہائی مال سے میّت کا حج ہوسکتا ہے تو حج ضرور کریں، اگر حج کی وصیت نہیں کی تھی اور وارث اس کی طرف سے کرلے تو بھی دُرست ہے، اگر مرحوم نے ذرّہ بھر یا ایک پیسہ بھی مال نہیں چھوڑا، اور وارث کو اس پر رحم آیا ہے تو اس طرح حیلہ کرے جس طرح شامی وغیرہ میں لکھا ہے، تو دُرست ہے۔

آج کل مال تو ہوتا ہے مگر مال دینا گوارا نہیں کرتے، تو قرآن مجید کو لاکر ہاتھوں ہاتھ پھراتے ہیں، رواج کو قوت دیتے ہیں، جس سے قرآن مجید کی بے ادبی ہوتی ہے، خداوند علیم و قدیر کو دھوکا دیتے ہیں، معاذ اللہ! اس حیلہ سے میّت کا گناہ معاف ہونا بھی مشکل ہے، اُوپر سے شرع کے خلاف بھی ہوگیا، ہاں! رسم پوری ہوگئی۔

اسی طرح تقسیمِ میراث سے پہلے یا بعد جمعراتیں، قل خوانی وغیرہ کرنا، اسی طرح نابالغ وارثوں یا ایسے بالغ وارثوں کی اجازت سے مشترکہ وراثت کے مال سے خرچ کرنا کہ وہ اتنا خرچ کرنے پر ناخوش ہوں، مگر زبان سے کہہ نہیں سکتے یا شہرت کے لئے کیا، یا اس لئے کیا کہ ناک نہ کٹ جائے، یا رسم و رواج کے باعث کیا، ان سب اغلاط کے ہوتے ہوئے خیرات کرنے کو ثواب سمجھا تو یہ بھی فریبِ شیطانی ہے۔

فصلِ شانزدہم:

اموالِ یتامیٰ میں شیطانی دھوکا:

مالِ یتامیٰ کا کسی حیلہ سے کھانا اور ردّی چیز کو اس کی اچھی چیز کی جگہ رکھ کر اپنے آپ کو بے باق (بری الذمہ) سمجھنا، یتیم کی اتنا جائیداد تھی کہ اگر سلیقے سے رکھی جاتی اور یتیم کو خوراک وغیرہ ضرورت کی مقدار اور حسبِ حیثیت دیا جاتا، تو یتیم کی جائیداد میں سے ہزاروں بچے رہتے، مگر اس کا مال بھی اپنے مال میں ملاکر ہضم کرلینا اور خدمت کے معاوضے میں اس کو وضع کرنا، یہ بھی شیطانی دھوکا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں تمہیں ہر غلطی سے بچائے، ہزاروں میں سے کوئی ایک ہوگا جو اغوائے شیطانی سے بچ جائے، ورنہ ہر چیز میں، ہر کسب میں، ہر ملازمت میں اور ہر معاملہ میں اغوائے شیطانی ہے، عاقل کے لئے اشارہ کافی ہے۔

آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ واتباعہ اجمعین وسلم تسلیما

''دعا قبول ہو جانے سے اپنے آپ کو کامل سمجھنا بھی شیطانی و نفسانی دھوکا ہے...... ہاں اگر سنت پر عامل ہو، شرک و بدعت سے بچتا ہو، اس کی دعا کا قبول ہونا اچھی علامت ہے، مگر ولایت کا معیار نہیں۔''

مکائدِ شیطان



شیطانی مکروفریب



قطب الارشاد حضرت مولانا محمد عبداللہ بہلوی قدس سرہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡ جَعَلَنَا اُمَّۃً وَّسَطًا خَیۡرُ اُمَمٍ

وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَفۡضَلِ مَنۡ اُوۡتِیَ النُّبُوَّۃَ وَالۡحِکَمِ

وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَاَتۡبَاعِہِ الۡمُقۡتَدِیۡنَ بِہٖ فِی الۡقَصۡدِ

وَالشِّیَمِ مَا دَامَتِ الۡاَضۡوَاءِ وَالظُّلَمِ، اَمَّا بَعۡدُ!

نیاز مندانہ عرض پیشِ خدمت ہے کہ خدا ترس انسانوں پر پوشیدہ نہیں کہ توفیقِ الٰہی ہمیشہ ہدایتِ صحیحہ کے متلاشیوں کی دستگیری کرتی رہتی ہے، اور اُن کی ہدایت کے لئے ایک نہ ایک ایسا سبب مہیا کرتی رہتی ہے، جو اُن کے لئے مشعلِ راہ کا کام دے، اور ورطاتِ ضلالت یعنی گمراہی کے گڑھوں، سے انہیں بچائے، اور ان پر ناقدانہ نظر ڈال کر کھرا اور کھوٹا الگ کر دِکھائے، اور کمزوری و بے اعتدالی اور غلط فہمی کی نشاندہی کرے، اور دِکھلائے کہ شیطان نے کس کس طرح ان کے عقائد، اعمال اور اخلاق میں رخنہ اندازی کی ہے، اور ہر گروہ خواہ عباد ہوں یا زُہاد، محدثین ہوں یا فقہاء، علماء ہوں یا ادباء، شعراء ہوں یا سلاطین و حکام، غرباء ہوں یا اُمراء، عوام ہوں یا خواص، ہر ایک میں اُن کے حال کے مطابق غلط رُسوم و عادات کے ایسے مغالطے اور ایسی بے اعتدالیاں ڈال دی ہیں کہ پتا بھی نہیں چلتا کہ یہ گمراہی و ضلالت ہے: "یَحۡسَبُوۡنَ اَنَّھُمۡ مُّھۡتَدُوۡنَ"۔ لہٰذا اس رسالے میں مختصر اور بطورِ نمونہ موجود اکثر فرقوں

کی اغلاط، توہمات اور بدعات کو کتبِ اسلافِ کرامؒ، مثلاً: ''تلبیسِ ابلیس'' حضرت حافظ ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ اور ''طریقۂ محمدیہ'' وغیرہ سے نقل کر کے پیشِ خدمت کیا جاتا ہے، شاید کوئی مقبولِ بارگاہِ الٰہی اس کو دیکھ کر میرے حسنِ خاتمہ کے لئے دُعا کردے۔

اَللّٰھُمَّ تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ!

اس رسالے میں ایک تمہید اور چند اَبواب ہیں، سب سے پہلے تمہید ملاحظہ ہو:

تمہید:

واضح ہو کہ انسان کے پاس تمام نعمتوں سے بڑھ کر بڑی نعمت یا یوں کہو کہ انسان پر اللہ کے انعامات میں سے سب سے بڑا انعام عقلِ سلیم کا ملنا ہے، جس سے اللہ تعالیٰ کی معرفت اور رسولوں کی تصدیق ہوتی ہے، لیکن جب عبد و معبود کے مابین یعنی آپس کے تعلق کے معاملات کو عقل پورا نہ کرسکی، تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول بھیجے گئے اور کتابیں اُتاری گئیں، چونکہ عقل کی مثال آنکھ کی سی ہے، اور شرع کی مثال آفتاب و روشنی کی سی، لہٰذا آنکھ جب ہی آفتاب اور اس کی روشنی کو دیکھ سکے گی، جب وہ خود دُرست ہو، ورنہ نہیں۔

جاننا چاہئے کہ عقل کی دو قسمیں ہیں:

۱:... ایک عقلِ جسمانی: جو حواسِ ظاہری و باطنی کے مجموعہ کا نام ہے، اور اسی عقل سے ہر انسان دُنیا کی زندگی کا سامان بناتا ہے، اور جس قدر بدن قوی ہوتا جائے، یہ عقل بھی تیز ہوتی جاتی ہے، اور بدن کی موت کے ساتھ یہ بھی مرجاتی ہے، یہ عقل ہر مسلم و کافر انسان کو دی جاتی ہے، اور حیوانات میں چونکہ یہ سب حواس کامل نہیں ہوتے، اس لئے ان کی عقل بھی انسان کی عقل کے برابر نہیں ہوتی۔

۲:...دوم عقلِ رُوحانی: جب انسان اللہ تعالیٰ پر یقین اور اس پر اعتماد کرتا ہے اور پھر ہر حکمِ الٰہی کی سنت کے مطابق تعمیل کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کی ہدایت کو بڑھاتا ہے، جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے:

''وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى.'' (محمد:۱۷)

ترجمہ:...''جو لوگ ہدایت یعنی سیدھی راہ پر آتے ہیں، اُن کی ہدایت کو بڑھا دیتا ہے۔''

یہاں تک کہ حق کو حق اور باطل کو باطل دیکھتا اور سمجھتا ہے، تا آنکہ حق سے ہٹ نہیں سکتا اور باطل پر آنہیں سکتا، اسی کو محققین فنا فی اللہ کہتے ہیں، اور شرعی اصطلاح میں اس کا نام ربط القلوب ہے، جیسا کہ قرآنِ کریم میں ہے:

''اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنٰهُمْ هُدًى. وَّرَبَطْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ.'' (الکہف:۱۳)

ترجمہ:...''بے شک وہ چند نوجوان تھے جو اپنے رَبّ پر ایمان لائے اور ہم نے اضافہ کردیا ان کی ہدایت میں، اور مضبوط کردیا ہم نے ان کے دِلوں کو۔''

پس وہ جس قدر مرضیاتِ الٰہی میں بڑھتا جاتا ہے اس کی عقلِ رُوحانی بھی بڑھتی جاتی ہے، یہاں تک کہ حق تعالیٰ جل شانہ اس کی ہر لغزش پر دستگیری فرماتے ہیں اور اُسے بچالیتے ہیں، جیسا کہ ارشاد ہے:

''كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ''

(یوسف:۲۴)

ترجمہ:...''اسی طور ہم پھیرتے رہے اس سے بُرائی اور بے حیائی کو۔''

اس کے برعکس جو اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی سے بھاگتا اور کنارہ کشی کرتا ہے، اس کی پلیدی بڑھتی جاتی ہے، اور اس کی عقلِ رُوحانی مسلوب ہوتی جاتی ہے، جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے:

"کَذٰلِکَ یَجْعَلُ اللّٰہُ الرِّجْسَ عَلَی الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ" (الانعام:۱۲۵)

ترجمہ:... "اسی طور سے کرتا ہے اللہ پلیدی کو بے ایمانوں پر۔"

پس عقلِ رُوحانی کی تابانی وتکمیل اتباعِ رسالت میں ہوا کرتی ہے۔ اس عقل کی ابتدا حضرت آدم علیہ السلام کی تربیت، پیغمبری اور وحیٔ الٰہی سے ہوئی، چنانچہ شروع میں سب انسان ٹھیک راہ پر تھے، چنانچہ ارشاد ہے: "کَانَ النَّاسُ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً" (البقرہ:۲۱۳) یہاں تک کہ قابیل نے اپنی خواہشِ نفس کی پیروی کرتے ہوئے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کیا، اس وقت سے اختلاف شروع ہوا، پھر تو لوگ مختلف خواہشات کی تابعداری میں جدا جدا خول میں بٹ کر مختلف گمراہیوں کے بیابان میں بھٹکنے لگے، یہاں تک کہ بت پوجنے کی نوبت آئی اور طرح طرح کے ایسے عقیدے اور افعال نکالتے رہے، جو کہ رسول کے ارشاد اور عقل کی ہدایت کے مخالف تھے، اپنے جی کا کہا مانا، اپنی رُسوم و عادات کے پابند ہوئے، اپنے باپ دادوں کی تقلید کی، ان کی اصلاح کے لئے ہر پیغمبر کتابیں و ہدایات لاتے رہے، یہاں تک کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر سچا دِین اور روشن کتاب نازل ہوئی، پس جو شخص اتباعِ سنت اور روشن کتاب کو اپنا نظامِ حیات بنائے گا، وہی سیدھی راہ پر ہوگا، اور جو اس علم کی روشنی سے دُور ہوگا، وہی ضلالت پر ہوگا، لہٰذا مناسب معلوم ہوا کہ جس قدر میرے قلیل علم میں ہے، میں ابلیس علیہ اللعنۃ کی مکاریوں سے ڈراؤں اور اس شکاری کے جال اور پھنسانے کے مواقع

بتلاؤں، کیونکہ بدی، جو کتاب وسنت کے خلاف ہے کی شناخت بتلانا گویا اس میں مبتلا ہونے سے بچانا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں راہِ ہدایت عطا فرمائے، ہدایت پر چلنے کی توفیق بخشے اور ہر شیطانی مکر و ضلالت اور خلافِ سنت رسوم و عادات سے بچائے، آمین! لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم!

بابِ اوّل

سنت و جماعت کو لازم پکڑنے کی تاکید:

طبرانی نے معجمِ صغیر میں اپنی سند سے بیان کیا ہے کہ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جابیہ میں خطبہ دیا، چنانچہ اس طویل حدیث کے اخیر میں ہے، کہ:

"جس کو یہ پسند ہو کہ وسطِ جنت میں گھر پائے، تو چاہئے کہ جماعت کو لازم پکڑے، کیونکہ شیطان اکیلے کے ساتھ ہے، اور خبردار رہو! کہ کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ تنہائی میں نہ بیٹھے، کیونکہ ان دونوں کا تیسرا شیطان ہوگا، اور خبردار رہو! کہ جس شخص کو اس کی بُرائی ناگوار گزرے اور اس کی نیکی اس کو خوش کرے، وہ مؤمن ہے۔" انتہیٰ ملخصاً۔ (ترمذی ج:۲ ص:۳۹)

امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے حوالے سے حضرت عمرؓ کے پورے خطبہ جابیہ کو روایت کیا، اور اس میں یہ الفاظ زیادہ ہیں:

"لوگو! تم پر فرض ہے کہ جماعت کے ساتھ رہو، اور خبردار! پھوٹ سے بہت بچو!" (ترمذی ج:۲ ص:۳۹)

اور ترمذی نے اس حدیث کو غریب کہا ہے۔

عرفجہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ فرماتے تھے کہ:

''جماعت پر اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے، اور جو کوئی جماعت سے الگ ہو، شیطان اسی کے ساتھ ہے۔''

''جماعت پر اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے۔'' کا معنی یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت و رحمت میں ہے، جیسے بندوں میں یہ محاورہ ہے کہ: ''فلاں مفلس کے سر پر ہاتھ رکھو کہ اس کا بیڑا پار ہوجائے''۔

اِمام ترمذیؒ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ:

''بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں تقسیم ہوگئے تھے، اور میری اُمت تہتر فرقوں میں تقسیم ہوگی، یہ سب آگ میں ہوں گے، سوائے ایک فرقے کے، صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ: یا رسول اللہ! یہ ناجی فرقہ کون سا ہوگا؟ فرمایا: جس صفت پر میں اور میرے اصحاب ہیں۔'' (مشکوٰۃ ص:۳۰ بحوالہ ترمذی)

فائدہ:... آگ میں ہونا دو صورتوں پر مشتمل ہے:

۱:... ایک یہ کہ آدمی ایمان کے لگاؤ سے بالکل خارج نہ ہو، جیسے معتزلہ وغیرہ، کہ یہ لوگ اوّل فی النار ہوں گے، پھر اُمید ہے کہ نکالے جائیں۔

۲:... دوم یہ کہ دینِ توحید سے ہی خارج ہوگیا، جیسے بعض روافض جو حضرت علی کرّم اللہ وجہہ کی اُلوہیت کے قائل ہیں، اور سرجیہ وغیرہ، تو یہ کفار ہیں، جو ہمیشہ ہمیشہ نار میں ہوں گے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ:

''سنت کے مطابق درمیانی چال سے عبادت کرنا بدعت کے طریقے پر بہت کوشش کی عبادت سے بہتر ہے۔''

اِمام سفیان الثوری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شاگردوں سے فرمایا کہ:

''اہلِ سنت کے حق میں بھلائی کرنے کی وصیت قبول کرو، کہ یہ بے چارے پردیسی بہت کم ہیں۔''

اِمام ابوبکر بن عیاش رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ:

''جس طرح کفر و شرک اور باطل ادیان کی بہ نسبت اسلام نادر و عزیز ہے، اسی طرح اسلام میں بدعتی فرقوں کی بہ نسبت سنت پر عمل پیرا فریق بھی نادر و عزیز، بلکہ بہت نادر و عزیز ہے۔''

بابِ دوم

بدعتیوں کی مذمت میں:

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

''جس کسی نے ہمارے اَمر (دِین) میں ایسی چیز ایجاد کی جو اس (دِین) میں نہیں ہے، تو وہ رَدّ ہے۔''

(مشکوٰۃ ص:۲۷ بحوالہ بخاری و مسلم)

یعنی اس ایجاد کرنے والے بدعتی پر اُلٹی پھینک ماری گئی، چونکہ اللہ تعالیٰ ایسی بدعت سے بغض رکھتا ہے، اس لئے بجائے رضائے الٰہی کے وہ مردُود کیا گیا۔

نیز اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

"جس کسی نے ایسا کام کیا جس پر ہمارا حکم نہیں، تو وہ مرْدُود ہے۔" (صحیحین)

سوال:... حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں ہے: "کُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَة" حالانکہ فقہاء کے نزدیک بعض بدعات مباح ہیں، جیسے: آٹے کے لئے چھلنی کا استعمال کرنا، اور بعض بدعات مستحب ہیں، جیسے: مدارس کی تعمیر، کتابوں کی تصنیف اور تراویح کا تمام رمضان میں جماعت سے پڑھنا وغیرہ، اور بعض بدعات واجب ہیں، جیسے: بے دینوں کے رَدّ میں دلائل کا جمع کرنا وغیرہ، تو حدیثِ نبوی اور فقہاء کرامؒ کے اقوال کے درمیان تطبیق کیسے ہوگی؟

جواب:... بدعت کے دو معنی ہیں، ۱:...لغوی ۲:...شرعی۔

بدعتِ لغوی: یہ ہے کہ جو بعد میں پیدا کی گئی اور نکالی گئی ہو، خواہ عادت کے قبیل سے ہو یا عبادت سے۔

بدعتِ شرعی: یہ ہے کہ جو چیز صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اور تابعین کے بعد دِین میں نکالی گئی ہو، جبکہ شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اس کی نہ تو صریحاً اجازت ہو، نہ اشارۃً، نہ قولاً، نہ فعلاً، اور نہ وہ چیز ایسی ہو کہ اس پر دِین کا سیکھنا موقوف ہو، پس تمام عادات جیسے ہر زمانے کے نئے ملبوسات و مساکن اور نئے کھانے پکانے وغیرہ بدعت سے خارج ہوئے، اس لئے کہ یہ دِین نہیں ہیں اور ان کو کرنے والا ان کو طاعت نہیں سمجھتا۔

اسی طرح نحو، منطق، تعمیرِ مدارس اور تصنیفات کتبِ دِین وغیرہ، یہ چیزیں بھی اِحداث فی الدِّین نہیں ہیں، بلکہ اِحداث لِلدِّین ہیں، لہٰذا بدعت نہیں۔

پھر یہ بدعت اعتقاد میں ہوگی یا عبادات و عادات میں، پھر جو بدعت اعتقاد میں ہو، ان میں سے بعض کفر ہیں، جیسے: انکارِ قیامت، نفیٔ صفاتِ اُلوہیت، جہان کے

قدیم ہونے، بزرگوں میں صفاتِ خداوندی کا اعتقاد اور ''ہر چیز میں خدا ہے'' کا عقیدہ، وغیر ذالک۔

اور ان میں سے بعض کبیرہ گناہوں جیسے: قتل، زِنا وغیرہ سے بھی بڑھ کر ہیں، جیسے: انکارِ خلافتِ شیخینؓ، اور اعتقادِ خوارج وغیرہ، اس کے مقابل اہل السنۃ والجماعت کا اعتقاد ہے۔

اور جو بدعات عبادات میں ہیں، وہ بھی ضلالت ہیں، مگر ان کا درجہ بدعتِ اعتقادیہ سے کم ہے، جیسے: رواجی جمعراتیں، قل خوانی اور دُعا بعد جنازہ کو لازم سمجھنا، اس کے مقابل سنن الہدیٰ ہیں، جن کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمیشہ کیا ہو، اور کبھی ترک بھی کیا ہو، اور تارک پر انکار بھی نہ کیا ہو۔

اور بدعت فی العادات جیسے: آٹے کے لئے چھلنی کا استعمال کرنا، پس ایسے کام ضلالت نہیں، اس لئے کہ ایسے کام کرنے والے کی نیت عبادت و طاعت کی نہیں ہوتی، اس کا مقابل سنت فی العادت ہے۔

اور سنت فی العادت یہ ہے کہ جس کام پر حضور پُرنور علیہ الصلوٰۃ السلام نے بطور عادت ہیشگی کی ہو، جیسے: اچھے کام کو داہنے ہاتھ سے کرنا، مثلاً: کھانا وغیرہ، اور خسیس کام کو بائیں ہاتھ سے کرنا، جیسے: استنجا وغیرہ، پس معلوم ہوا کہ بدعت کی تین قسمیں ہیں، اور ہر ایک کی قباحت اپنے اپنے مرتبے میں ہے، جواب کا حاصل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ''کُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَة'' فرمایا ہے، اس سے مراد بدعتِ شرعی ہے، اور فقہائے کرامؒ نے بدعت کی اقسام جو فرمائی ہیں، تو وہ بدعت کے لغوی معنی کے اعتبار سے ہیں، لہٰذا اس میں منافات نہیں ہے۔

(کذا فی الطریقة المحمدیه ص:۳۲،۳۳)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: حضور اکرم صلی

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

''میں حوضِ کوثر پر تمہارا میر منزل و منتظر ہوں گا، اور ضرور کچھ قومیں آئیں گی، جو مجھ تک پہنچنے سے پہلے روک لی جائیں گی، تو میں کہوں گا کہ: اے رَبّ! میرے اصحاب ہیں، تو مجھ سے کہا جائے گا کہ: تجھے معلوم نہیں کہ انہوں نے تیرے بعد کیا طریقہ نکالا تھا۔'' (صحیح مسلم ج:۲ ص:۲۴۹)

علمائے اُمت کا اتفاق ہے کہ یہ وہی قومیں ہیں، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مرتد ہوگئیں۔ (کذا فی تلبیس ابلیس للامام الجوزی رحمۃ اللہ علیہ)

اگر کوئی سوال کرے کہ سابقہ دلائل سے معلوم ہوا کہ دِین کے معاملے میں کتاب اللہ اور سنتِ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کافی ہیں، اور جو چیزیں ان سے ثابت نہیں، اور نہ وہ فہمِ دِین کی موقوف علیہ ہیں، وہ بدعت و ضلالت ہیں، حالانکہ فقہاء فرماتے ہیں کہ دلائلِ شرعیہ چار ہیں: کتاب، سنت، اجماع اور قیاس۔

جواب:... اجماع کے لئے ضروری ہے کہ اس کا مرجع قرآن یا حدیث ہو، اور محال ہے کہ خیرالقرون ضلالت پر مجتمع ہوجائیں، اور قیاس کے لئے بھی قرآن و حدیث سے مرجع استنباط ہوگا، اس لئے قیاس حکمِ شرعی کا مثبت نہیں ہوتا، بلکہ حکمِ شرعی کا مظہر ہوتا ہے، پس ہر چار ادلہ کی اصل کتاب و سنت ہے، اور بس۔

متصوّفین کی غلطی:

بعض متصوف (نام نہاد صوفی) کہتے ہیں کہ: ہمیں ظاہری شرع کی ضرورت نہیں، ہمیں جو مشکل پیش آتی ہے، اللہ تعالیٰ سے پوچھ لیتے ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ تمام علماء و صلحاء کا اتفاق ہے کہ کشف، اِلہام اور رُؤیا

سے قوانینِ حیات اور قربِ خداوندی جل شانہ کے معاملات قطعی طور پر حاصل نہیں ہوسکتے، یہ ظنی چیزیں ہیں، یقینی چیزیں نہیں ہیں، دیکھنے والے کو بھی اس پر عمل کرنا ضروری نہیں ہے، مثلاً: خواب یا اِلہام میں پتا چلا کہ آج رمضان کا چاند ہے، مگر گرد و غبار کے نہ ہوتے ہوئے بھی کسی نے چاند نہیں دیکھا، تو اَب نہ خواب دیکھنے والے پر واجب ہے کہ کل کو روزہ رکھے اور نہ ہی کسی دُوسرے پر اس کے اِلہام، خواب یا کشف سے واجب ہے کہ وہ روزہ رکھے۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ:

''اللہ تعالیٰ کی طرف پہنچنے کی تمام راہیں بند ہیں، سوائے حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کے، کہ یہی طریقہ کشادہ ہے۔''

حضرت ابویزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ:

''اپنے ساتھیوں میں سے کسی سے فرمایا کہ: چلو! اس شخص کی زیارت کریں جس کی ولایت کی شہرت ہے۔ وہ ساتھی کہتا ہے کہ: ہم گئے، تو وہ شخص مسجد کی طرف آرہا تھا، اس نے راستے میں قبلہ کی طرف تھوک دیا، اور مسجد میں چلا گیا، ابویزید صاحبؒ وہاں سے اس طرح واپس لوٹے کہ اس کو سلام بھی نہ کیا، اور فرمایا: جس کو حضورِ اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آداب میں سے قبلہ کا ادب نہیں ہے، اس کو اللہ تعالیٰ کا کیا ادب ہوگا؟ اور فرمایا کہ: اگر کسی کی اتنی کرامات ہیں کہ وہ ہوا پر چل رہا ہو، تو بھی اس پر دھوکا نہ کھانا، جب تک کہ اس کو اَمر، نہی اور حفظِ حدودِ شریعت میں نہ دیکھ لو۔''

حضرت ذُوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ کی محبت کی علامات میں سے یہ ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادات میں بھی آپؐ کا اِتباع کرے۔''

حضرت ابوسعید خزار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

''وہ اَحوالِ باطن، جن کی ظاہر شریعت مخالف ہے، وہ باطل ہیں۔''

(كذا في الطريقة المحمدية)

بابِ سوم

ابلیس کے مکر وفریب سے ڈرانا:

جاننا چاہئے کہ ابلیس کا کام یہ ہے کہ اپنی ہم جنس مخلوق کو تلبیس و شبہ میں ڈالے، سب سے پہلے وہ خود شبہ میں پڑا کہ خداوندِ کریم جل شانہ کے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کے صریح حکم سے منہ موڑ کر قیاس دوڑانے لگا کہ:

''خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ'' (الاعراف:۱۲)

ترجمہ:... ''تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا، اور اس کو گوندھی ہوئی مٹی سے پیدا کیا۔''

پھر نافرمانی کے بعد اللہ تعالیٰ پر اعتراض کرنے لگا:

''أَرَءَيْتَكَ هٰذَا الَّذِيْ كَرَّمْتَ عَلَيَّ''

(بنی اسرائیل:۶۲)

یعنی مجھے آگاہ کردے کہ تو نے اس کو مجھ پر کیوں فضیلت دی ہے؟ یعنی یہ فضیلت دینا کچھ حکمت نہیں ہے، پھر اس کے بعد تکبر کرنے لگا کہ: ''اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ'' میں

اس سے بہتر ہوں، وغیر ذالک من الخطایا، اب اس کا دعویٰ ہے: ”لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗ“ یعنی اس کی اولاد کو جڑ سے اُکھاڑوں گا، یعنی توحید کے اعتقاد سے بچلا کر شرک کے گڑھے میں ڈالوں گا۔

پھر سارے کے سارے فتنے اور مکاریاں انسان کی خواہشِ نفسانی اور شہوات کی افراط وتفریط سے ہوا کرتی ہیں، خواہشات چاہتی ہیں کہ مطالب پورے ہوں، جیسی کیسی حالت سے بھی کیوں نہ ہو۔

انسان کو غصہ دیا تاکہ مضرّات کو دفع کرے، عقل دی تاکہ مطالب پورے کرنے اور نقصان کے دفع کرنے میں یہ معیارِ شریعت اور اعتدال پر قائم رہے، مگر شیطان چاہتا ہے کہ منافع کی تحصیل اور نقصان کے دفع کرنے میں افراط وتفریط ہوجائے، اعتدال نہ رہے، اگر رحمتِ الٰہی سے عقل، قالب، قانونِ الٰہی اور شریعت میں غالب رہا، تو فائز المرام ہوا، ورنہ اگر ارادے اور طبیعت میں پھنس کر عقل وشریعت کو مغلوب کرے گا، تو دُنیا وآخرت میں نامراد ہوگا، اسی کا نام ہے: اغوائے شیطانی!

اغوائے شیطانی کے اسباب:

۱:... حسد: جس کی وجہ سے شیطان ملعون ہوا۔

۲:... حرص: جس کی بدولت شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام سے اپنا کام نکالا۔

۳:... غصہ: اس لئے کہ غصّے کی حالت میں شیطان انسان پر قابو پالیتا ہے۔

۴:... مال و اولاد: کہ جہاد کے وقت شیطان اس کو بال بچے یاد دِلاکر اس کے باعث بزدلی ڈال کر جہاد سے بھاگ کھڑا کرتا ہے۔

۵:... غیرمحرم عورت جب پاس بیٹھے، خصوصاً خلوَت میں، اس وقت شیطان کا

حملہ زبردست ہوتا ہے۔

۶:... جب آدمی اپنے آپ کو اور اپنے عمل کو بہتر سمجھتا ہے، اور اپنی اغلاط کو بھول جاتا ہے، اس وقت شیطان اس کے دِل میں خود پسندی ڈالتا ہے۔

۷:... انسان جب اللہ تعالیٰ سے وعدہ کرتا ہے، تو اس کو ضرور پورا کرنا چاہئے، وگرنہ شیطان بذاتِ خود عہد شکنی کرانے پر ہمت کرتا ہے۔

۸:... جب صدقہ کرنے کا ارادہ کرو، تو جلدی نکال دو، وگرنہ شیطان خیرات کرنے سے خود مانع ہوتا ہے۔

۹:... جب کسی کی منہ پر تعریف کی جائے، اور جب بڑا (ممبر، صدر وغیرہ) بننے کا شوق ہو تو شیطان اس کو گیند کی طرح حق سے دُور لے جاتا ہے۔

فائدہ:... قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ شیطان سے بچنے کا اعلیٰ ہتھیار پیغمبر کی سنت پر عمل کرنا ہے، اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے خلاف پر شیطان کا تسلط ہے، یہی زیغِ قلب کے موجب ہیں، اس سے زیغ، رینِ قلب پھر ختم اور طبع وغیرہ کے نتائج نکلتے ہیں، معاذ اللہ! شیطان کی تلبیس کے ہزاروں اسباب ہیں، ان میں سے مشت نمونہ پیش کردیا ہے، واللہ المستعان!

بابِ چہارم

شیطان کے مکر و اغوا کا معنی؟

جاننا چاہئے کہ شیطان کا مکر و اغوا یہ ہے کہ باطل کو حق کی صورت میں ظاہر کرے اور ناقص چیز کو اچھی دکھائے، اس نادانی کا سبب کسی ایسے شبہ کا وجود ہے جس سے یہ بات پیدا ہوتی ہے، اور وہ شبہ آدمیوں کی عقل و دانش اور جہل وعلم کے موافق کم و بیش ہوتا ہے، جس قدر قرآن و سنت کا صحیح علم، اور اِخلاص پر مبنی عمل ہوگا، اسی

قدر شیطان کا غلبہ کم ہوگا، شیطان ایسے شخص کو عملِ سنت سے نہیں روکتا، بلکہ دُوسری مصیبتوں مثلاً: رِیا، شہرت، خود پسندی وغیرہ میں مبتلا کرتا ہے۔

اَمام اعمش رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ:

''مجھ سے ایک ایسے شخص نے بیان کیا جو جنوں سے باتیں کرتا تھا، کہ: شیاطین باہم گفتگو کر رہے تھے کہ جو لوگ سنتِ نبویؐ کے تابع ہیں، وہ ہمارے لئے سخت ہیں، لیکن جو خواہشِ نفسانی کے بندے ہیں، اُن کے ساتھ تو ہم کھیلتے ہیں۔''

اکثر اوقات شیطان، ہوش مند اور عاقل آدمی پر حملہ کرتا ہے، اور خواہشِ نفسانی کو ایک دُلہن کی صورت میں پیش کرتا ہے، جس سے وہ شخص پھنس جاتا ہے۔

ابنِ صالح رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ:

''شیطان، آدمی کے لئے نیکی کے ننانوے دروازے کھولتا ہے، جس سے بُرائی کا ایک دروازہ مقصود ہوتا ہے۔''

کسی بزرگ نے کہا ہے کہ:

''میں نے شیطان کو دیکھا، تو اس نے مجھ سے کہا کہ: ایک زمانہ وہ تھا کہ میں لوگوں سے ملتا تھا، تو ان کو تعلیم دیتا تھا، اب حالت یہ ہے کہ اُن سے ملتا ہوں اور خود تعلیم لیتا ہوں۔''

کسی شخص نے حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ: حضرت! کیا کبھی شیطان سوتا بھی ہے؟ فرمایا: اگر شیطان کو نیند آتی تو ہم لوگوں کو راحت ملتی۔

جب شیطان ہر وقت گھات میں ہے کہ کسی طرح مؤمن کا ایمان چھین لے، تو مؤمن پر بھی لازم ہے کہ ہر حال میں ہوشیار رہے کہ کہیں ایمان نہ چلا جائے۔

عبدالعزیز بن رفیع رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ:

''جب ملائکہ بندۂ مؤمن کی رُوح کو آسمان پر لے جاتے ہیں، تو فرشتے کہتے ہیں: سبحان اللہ! اس بندے کو خدا تعالیٰ نے شیطان سے نجات دی، تعجب ہے کہ یہ بے چارہ کیونکر بچ گیا؟''

بابِ پنجم

عقائد و دیانات میں مکر:

شیطان کا سب سے بڑا مکر یہ ہے کہ وہ لوگوں کو صحیح اعتقاد سے بچلائے، اُصولیاتِ دِین میں خلل ڈالے، اور غلط اعتقاد پر اس کی موت آئے، ایسے شخص سے وہ عبادات، نماز، روزہ اور تہجد وغیرہ کثرت سے کراتا ہے، عبادات میں لذّت ڈالتا ہے، اور انوار و کشف دِکھاتا ہے۔

یاد رکھنا چاہئے! کہ انوار کبھی رَحمانی ہوتے ہیں، اور کبھی شیطانی، رَحمانی انوار وہ ہیں جو مشکوٰۃِ نبوّت سے آیا کرتے ہیں، وہ عملِ سنت سے آتے ہیں، اور کبھی یہ روشنی ناری بھی ہوتی ہے، جو ترکِ سنت و بدعت میں منہمک ہونے سے نظر آتی ہے، اور یہ نفسانی و شیطانی اثرات سے ہوتی ہے، اس سے دھوکے میں نہ پڑنا چاہئے، اصل چیز تو صحتِ اعتقاد اور صحتِ عمل ہے، اور صحتِ عمل بغیر صحتِ اعتقاد کے غیر معتبر ہے، اسی وجہ سے شیطان کا بڑا دھوکا یقینیات میں ہوا کرتا ہے۔

ہمارے ملک میں جو گروہ زیادہ تر موجود ہیں، عوام، بلکہ خواص بھی اُن کی فتنہ پردازی سے محفوظ نہیں، اُن کے حالات پر مختصر سی روشنی پیشِ خدمت کی جاتی ہے، واللہ الہادی!

ملحدین کی خفیہ تدبیریں:

ملحدین، بے دِین اور منکرینِ قرآن و حدیث کی دِلی چاہت یہ ہے کہ کسی طرح کلمۂ حق چھپ جائے، اور مخلوقات میں شرع کا ثبوت نہ رہے، اور لوگ اس کے اَحکام پر عمل نہ کریں۔

بعضے ملحدین تو یہاں تک کرتے ہیں کہ علمائے نقل کے یہاں کسی فاجر کو لالچ دے کر جھوٹی اسناد سے فسادی بات بنا کر ان کی کتابوں میں خفیہ داخل کرا دیتے ہیں، یوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے واقعات میں جھوٹی خبریں بنا کر علمائے نقل کے ہاں داخل کراتے ہیں۔

اور بعضے ملحدین یہ کرتے ہیں کہ معجزات کے مشابہ چیزیں نقل کرتے ہیں کہ فلاں ملک میں ایسا پتھر ہوتا ہے جس کی یہ خاصیت ہے، یعنی اس سے خرقِ عادات کے ظہور کا چرچا کرتے ہیں، مثلاً: اس کو ہاتھ لگانے سے پانی بہتا ہے، اس پر نو رات اِعتکاف کرنے سے بیٹا ملتا ہے، دولت بڑھتی ہے، مشکل حل ہوتی ہے اور فلاں قبر سے جواب ملتا ہے، اندھے بینا ہوجاتے ہیں، بیمار کو شفا ہوتی ہے، چنانچہ وہ لوگ ایسی واہی تباہی حکایات اور من گھڑت قصوں سے توحید کے اعتقادات اور سرورِ عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنتوں پر عمل کے بجائے مسلمانوں کو بدعات میں ڈال کر عوام اور خاص کر عورتوں کو گمراہ کرتے ہیں، یہی کام شیعہ کے گمراہ کن لوگوں کا ہے۔

اور بعضے ملحدین، کاہنوں وغیرہ کی خبریں دینے کے قصے بیان کرکے عوام و جہال کو ''اِنَّمَا الْغَیْبُ لِلّٰہِ'' کے یقین سے شک میں ڈالتے ہیں، چنانچہ عوام اپنی کم عقلی و جہالت کی وجہ سے ان ملحدوں کا اصلی فتنہ نہیں سمجھتے۔

روافض کے بعض حالات:

ابلیس نے خوارج پر تلبیس کی تو انہوں نے حضرت علی کرّم اللہ وجہہ سے قتال کیا۔
اُن کے برعکس ایک قوم کو تلبیس میں ڈالا، جنہوں نے حضرت علیؓ کی محبت میں یہاں تک غلوّ کیا کہ بعض روافض نے کہا کہ: ''علیؓ، انبیاء سے افضل ہیں۔''

بعض روافض کو شیطان نے اُبھارا تو وہ حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کو بُرا بھلا کہنے لگے، بلکہ بعض نے ان دونوں کو کافر کہا۔

اسحاق بن محمد نخعی احمر کہا کرتا تھا کہ: ''علیّ هو الله عزّ و جل'' یعنی حضرت علیؓ ہی اللہ عزّ وجل ہیں۔ مدائن میں اسحاقیہ جماعت اسی گمراہ کی طرف منسوب ہے، انہی کا خیال ہے کہ علی ہی ہر وقت ظہور کرتا ہے، چنانچہ ایک وقت میں حسن کی شکل میں ظاہر ہوا تھا، اور دُوسرے وقت میں حسین کی شکل میں ظاہر ہوا، اور اُسی نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغمبر کر کے بھیجا تھا۔

روافض کے بعض فرقوں کا اعتقاد ہے کہ: ابوبکرؓ وعمرؓ کافر تھے، اور بعض نے کہا کہ: نہیں، بلکہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وہ مرتد ہوگئے (نعوذ باللہ)۔

روافض میں سے بعض کا قول ہے کہ: اِمامت موسیٰ بن جعفر میں تھی، پھر آپ کے فرزند علی میں آئی، پھر اُن کے بیٹے محمد بن علی میں، پھر اُن کے بیٹے علی بن محمد میں، پھر حسن بن محمد العسکری میں، پھر اُن کے بیٹے محمد میں آئی، یہی بارہویں اِمام مہدی ہیں، جن کا انتظار تھا، ان کا کہنا ہے کہ وہ مرے نہیں، بلکہ غار میں چھپ رہے ہیں، اور آخر زمانے میں آئیں گے، تو زمین کو عدل سے بھر دیں گے۔

ابومنصور العجلی کہتا ہے کہ: محمد بن علی الباقر کا انتظار ہے، اور دعویٰ کرتا ہے کہ وہی خلیفہ ہیں اور اُن کو بالفعل آسمان پر لے گئے ہیں، وہاں پروردگار نے اُن کے سر پر

ہاتھ پھیرا، اور قرآن میں جو آسمان سے کسفًا ساقطًا (گرا ہوا ٹکڑا) آیا ہے، وہ یہی ہیں۔

باطنیہ فرقہ بھی ایک طرح سے روافض کی شاخ ہے، اس میں سے ''بابکیہ'' میں سے ایک جماعت باقی ہے، وہ کہتے ہیں کہ: سال میں اُن کی خوشی کی ایک رات مقرّر ہے، اس میں عورتیں اور مرد ایک مکان میں جمع ہوتے ہیں، آخر میں چراغوں کو گل کر دیتے ہیں، اُن میں سے ہر ایک مرد ایک عورت کو پکڑ کر کے اس کے ساتھ بدفعلی کرتا ہے، اور اپنے اس فعل کی تأویل یہ کرتا ہے کہ ان کا حلال ہونا بطور شکار کے ہے، کیونکہ شکار مباح ہے۔

کتاب تلبیسِ ابلیس میں ہے کہ بانیٔ رفض کی اصل غرض یہ ہے کہ دِینِ اسلام میں اور اصل دِینِ محمدی میں طعن کرکے اسلام کو مٹا دیا جائے، کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو دِینِ حق لائے تھے، جب آپؐ دُنیا سے رُخصت ہوکر نظروں سے اوجھل ہوگئے، تو سارا بھروسا حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی صداقت، دیانت، امانت اور عدالت پر ہی رہا، اس لئے کہ یہی لوگ ہی ہیں جو حضور علیہ السلام سے دِین نقل کرتے اور عمل کرکے دِکھاتے اور بتلاتے ہیں کہ من جانب اللہ یہی دینِ اسلام ہے، لیکن روافض کے بقول ...نعوذ باللہ... جب صحابہ کرامؓ، حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مرتد ہوگئے یا کافر رہے، تو اُن پر وثوق جاتا رہا، اور اہلِ بیت کرام رضی اللہ عنہم معدودے چند اور اقل قلیل افراد ہیں، ان سے سارا دِین تواتراً ثابت نہیں ہوسکتا، تو رافضی کے مکر کا یہی نتیجہ نکلے گا کہ اعتقادیات مٹ جائیں گے، کیونکہ اعتقاداتِ حقہ بدوں قطعی روایت کے ثابت نہیں ہوسکتے، اور اہلِ بیتؓ معدودے چند افراد ہیں، تو سارے دِین کا کارخانہ ختم ہوجائے گا۔

اور اس پر طرّہ یہ کہ رافضی، اِمام مہدی کے ساتھ قرآن کے غائب ہونے کا بھی مدعی ہے، یوں رافضی کا نہ قرآن پر اعتماد رہا، نہ حدیث پر اور نہ سیرتِ صحابہؓ پر،

خلاصہ یہ کہ رافضی، دِین سے بے نصیب رہا، اس کی وجہ یہ ہے کہ اہلِ بیتؓ میں سے جو اسلام پر رہے، وہ تو سب (بقول رافضی کے) معصوم تھے، مگر ان کے زمانۂ مبارک میں ہر جگہ تو وہی اہلِ بیتؓ اِمام نہ تھے، تو اس زمانے میں بھی کسی کی نماز جماعت سے نہ ہوئی، کیونکہ اِمام وہ ہوتا ہے جو معصوم ہو، جب اہلِ بیت کرامؓ میں سے کوئی نہ ملے تو نماز جماعت ندارد رہے گی۔

اسی طرح ان روافض کی روایات بھی قابلِ اعتبار نہیں، جیسے آفتاب ڈُوب گیا اور حضرت علی کرّم اللہ وجہہ کی نمازِ عصر جاتی رہی، پھر اُن کے لئے سورج کو دوبارہ پھیر دیا گیا، اوّل تو یہ کہ اس کا کوئی راوی ثقہ نہیں، دوم یہ کہ جب آفتاب ڈُوب گیا تو عصر کا وقت جاتا رہا، پھر اگر دوبارہ طلوع ہوگیا تو یہ جدید وقت آیا، نہ کہ قدیم وقتِ عصر، عصر تو بہر حال قضا ہی رہی، نہ کہ ادا ہوئی۔

بابِ ششم

علماء کو فنونِ علم میں دھوکا:

شیطان، علماء کے پاس بہت سے راستوں سے آتا ہے، لیکن شیطان اس پر غالب جب آتا ہے، جب کوئی عالم اپنی خواہشِ نفس پر چلے، جب کوئی عالم خواہشِ نفس پر چلتا ہے، تو اس وقت اس کا یہ حال ہوتا ہے کہ قدم قدم پر ٹھوکریں کھاتا ہے، اس لئے کہ بہت سے باریک فریب ایسے ہیں جو اکثر علماء پر بھی مخفی رہتے ہیں، لہٰذا ان میں سے چند پیشِ خدمت ہیں:

قاریوں کو دھوکا:

جاننا چاہئے کہ قراءت سے مقصود یہ ہے کہ انسان قرآن مجید کو ٹھیک مخرج

سے پڑھے، پھر اس کو سمجھے، پھر اس پر عمل کرے، پھر ایسی چیز پر متوجہ ہو جو اس کے نفس کی اصلاح کرے اور اس کے اخلاق کو رذائل، جیسے: حسد، کینہ، بغض اور رِیا وغیرہ سے پاک کر کے اس کو سنوارے، پھر شریعت کے دیگر اہم اُمور کی طرف متوجہ ہو۔ اور کھلا خسارہ یہ ہے کہ اہم اُمور کو چھوڑ کر دُوسرے غیر اہم میں مشغول ہو جائے، جیسے: قرآن و حدیث میں علمِ کامل اور فہمِ ثاقب پیدا کرنے کے بجائے مبادی: صَرف، نحو، منطق اور معقول میں مہارت حاصل کرے، اور قرآن و حدیث میں صَرف کی تکمیل سے بھی کم درجہ ہو۔

اغلاط کی مختصر تشریح:

عمر کا بڑا حصہ شاذ قراءتوں کی تحصیل میں ضائع کر دے، فرائض، واجبات، سنن اور مستحبّاتِ نماز کا پتا نہ ہو، اور یہ بھی نہ جانتا ہو کہ مفسدات و مکروہاتِ نماز کیا کیا ہیں؟ اور اِمامِ مسجد ہو کر نمازیں مکروہ یا فاسد کر رہا ہو، وہ خود بھی اور عوام بھی اس کی قراءت پر نازاں ہوں، ایسا قاری لوگوں کو مسائل و اَحکام میں فتویٰ دے رہا ہو، اور شرمساری سے یہ نہ کہے کہ مجھے پتا نہیں۔

نیز قاری صاحب محراب میں شاذ قراءت پڑھتا ہو، اور مشہور قراءت کو چھوڑتا ہو، حالانکہ علماء کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ شاذ قراءت سے نماز صحیح نہیں ہوتی، مگر چونکہ اس کا اصل مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس کے قاری ہونے کی تعریف ہو، اس لئے وہ اس کو پڑھتا ہو۔

نیز بعض قاری نماز میں قراءت کو "مَـلَـکَ، مَلِکَ، مَـالِکَ" سب پڑھ لیتے ہیں، حالانکہ یہ جائز نہیں، کیونکہ اس سے نظمِ قرآن میں خلل آتا ہے، اور بعض سجدات، تہلیلات اور تسبیحات کو جمع کرتے ہیں، حالانکہ یہ مکروہ ہے۔

ان میں سے یہ بھی ہے کہ ختمِ قرآن کی رات کثرت سے روشنی کرتے ہیں، گویا کہ مال کی بربادی، اور مجوسیوں کی مشابہت کے علاوہ رات میں مردوں اور عورتوں کے فتنے میں پڑنے کا سبب بناتے ہیں، ابلیس نے ان کو یہ دھوکا دیا ہے کہ اس سے دِین کی رونق و عزّت ہے، حالانکہ دِین کی عزّت ایسے اُمور کو عمل میں لانے سے ہوتی ہے جو شرع کی رُو سے جائز ہوں۔

ازاں جملہ یہ کہ: قاری صاحب، کسی ایسے شخص کے بارے میں جس سے انہوں نے نہیں پڑھا، دعویٰ کرتا ہے کہ میں نے فلاں قاری صاحب سے قراءت پڑھی ہے، حالانکہ فی الواقع وہ جھوٹ کہتا ہے۔

ازاں جملہ یہ کہ: بعض قاری حضرات کثرتِ قراءت میں ممتاز ہوتے ہیں، کہ ایک دن میں کئی ختم کرلیتے ہیں، اور وہ دو، چار ختم کرکے دِکھادیتے ہیں، جس سے اُن کی واہ واہ ہوتی ہے، اور سمجھتے ہیں کہ ایک دن میں ختم کرنا کثرتِ ثواب کی چیز ہے۔ جبکہ کثرتِ قراءت باعثِ ثواب تب ہے جبکہ:

اوّل:... یہ قراءت خالص اللہ تعالیٰ کے لئے ہونی چاہئے، جبکہ مذکورہ بالا قراءت شہرت کے لئے ہے۔

دوم:... یہ کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "لِتَقْرَأَهُ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ" (بنی اسرائیل:۱۰۶) (تاکہ (اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم) اس کو لوگوں پر ٹھہر ٹھہر کر پڑھو)۔ اور فرمایا: "وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيلًا" (المزمل:۴) (اور قرآن کو ترتیل سے پڑھو)، یعنی اس طور سے پڑھو کہ ایک لفظ دُوسرے سے جدا ہو، اور تیز قراءت میں ترتیل کیسے ہوسکتی ہے؟

ازاں جملہ یہ کہ: قرآنِ کریم کو اس قدر اچھے لہجے میں پڑھنا کہ سننے والے کو پسند آئے، دُرست ہے، مگر اے افسوس! کہ اب تو قرآن کو راگنی کے اُصول اور

موسیقی کے قواعد پر لاکر پڑھتے ہیں، حالانکہ راگنی کے جتنا قریب ہوتا جائے گا، کراہت بڑھتی جائے گی۔

ازاں جملہ یہ کہ: ایسا شبینہ کہ ایک رات میں حفاظ جمع ہوکر قرآن مجید کا ختم کریں، اس قدر تو جائز ہے، مگر عموماً اس میں بہت سی ممنوع چیزیں مل جاتی ہیں، مثلاً:

۱:...اگر کوئی ذرا سی غلطی کرے، اس پر ہزار طعن، تشنیع اور مذاق کرتے ہیں۔

۲:...پھر کبھی غالب و مغلوب ہونے کی شرط پر، کبھی تفاخر و رِیا کی غرض سے، اور کبھی شبینہ کرانے والا محض فخر کے لئے یہ سب کچھ کرتا ہے کہ فلاں نے کیا کیا ہے؟ اور کیا دیا ہے؟ میں نے یہ کیا اور یہ دیا وغیرہ۔

جبکہ اکثر سننے والے حفاظ پیچھے بیٹھے رہتے ہیں، اور پڑھنے والا ایک (اکیلا) ہی نفل کی نماز میں تلاوت کر رہا ہوتا ہے، پھر جیسے ہی قاری نے کوئی غلطی کی، تو یکایک سامعین میں سے کسی نے نیت باندھ کر لفظ بتلایا اور پھر نماز توڑ کر بیٹھ گیا۔

کبھی قاری اسپیکر میں پڑھتا ہے، جس سے دُور دُور تک آواز جاتی ہے، کوئی کسی کام میں مشغول ہوتا ہے، کوئی کسی کام میں، پھر ساری رات میں ختم ہوتا ہے، اس لئے لوگ تنگ ہوتے ہیں، نہ روک سکتے ہیں کہ کہیں لوگ یہ نہ کہیں کہ ان کو قرآن پسند نہیں، نہ سنتے ہیں، ہاں! بعض سنتے بھی ہوں گے، ایسا ختم ماں باپ کی رُوح کو بخشا جارہا ہے، سبحان اللہ! ممکن ہے کہ کسی کو اِخلاص بھی ہو، مگر اکثر پڑھنے والوں کے جب یہ حالات ہیں، تو کیا ثواب ہوگا؟ ہاں! ماں باپ کے لئے اِخلاص سے جو کچھ ہوسکتا، پڑھ کر ثواب بخش دیا جاتا، تو یہ اس سے اچھا ہوتا، وغیر ذالک من العجائبات، فافهم!

محدثینؒ وفقہاءؒ کی بعض اغلاط:

من جملہ اس کہ یہ ہے کہ محدثین اسانیدِ عالیہ کی تحصیل میں اپنی طویل عمریں صَرف کرتے ہیں، محض اس غرض سے کہ صحیح اور باطل میں سے صحیح حدیثیں پہچانی جائیں، بلا شبہ ایسے حضرات بڑے درجے کے اور مقتدا لوگ ہیں۔

جبکہ دُوسرے وہ محدثین ہیں، جن کی غرض و غایت یہ ہے کہ وہ عالی اسانید حاصل کریں اور غرائب روایات جمع کریں تا کہ ان کو فخریہ، یہ کہنے کا موقع ملے کہ میں فلاں شیخ سے ملا تھا، اور جیسی میری اسانید ہیں، ویسی کسی کی نہیں، اور جو عجیب وغریب حدیثیں میرے پاس ہیں، ایسی کسی کے پاس نہیں، اللہ تعالیٰ ان کو بخشے۔

من جملہ محدثین کی اغلاط میں سے یہ ہے کہ وہ لوگ حدیث سے فقہ و معرفت حاصل نہیں کرتے، اور احادیث سے استخراجِ مسائل بھی نہیں کر سکتے، اگر نماز میں کوئی حادثہ پیش آجائے، تو محدث، نوجوان شاگرد سے، جو فقہ میں مہارت رکھتے ہیں، پوچھتا ہے کہ اس کا کیا حکم ہے؟

من جملہ شیطانی تلبیس کے یہ بھی ہے کہ لوگ اپنے جی کی تشفی کے لئے دُوسرے پر جو طعن و تشنیع کرتے ہیں، اس کو بھی جرح و تعدیل قرار دیتے ہیں، اور یہ نہیں سمجھتے کہ سلف نے جو جرح و تعدیل کی تھی، اس کا مقصد یہ تھا کہ شریعت کو جھوٹوں کے جھوٹ کی آمیزش سے بچایا جائے، جبکہ یہ لوگ جو جرح و تعدیل کرتے ہیں، محض اپنے جی کی تشفی، کینہ نکالنے اور دُوسروں کو گرانے کے لئے کرتے ہیں، وَاللّٰہُ یَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ!

یہی مرض آج کل کے عابدوں اور زاہدوں میں ہے کہ پہلے دُوسروں کی شکایت اور عیب ظاہر کر کے، پھر اس کے لئے دُعا کر دیتے ہیں، تا کہ دُعا سے

غیبت کا شائبہ نہ ہو۔

من جملہ اغلاط کے یہ ہے کہ ضعیف و کذّاب سے روایت کرتے ہیں، مگر چھپانے کے لئے اس کا نام نہیں لیتے، **وغیر ذالک من العجائبات**۔

من جملہ فقہاء کی اغلاط میں سے یہ ہے کہ بعض فقہاء کا یہ حال ہے کہ حدیث سے کوئی حکم ثابت کرتے ہیں، مگر ان کو یہ پتا نہیں ہوتا کہ وہ حدیث صحیح ہے یا ضعیف؟ اس سے زیادہ تعجب خیز بات یہ ہے کہ علمِ حدیث کا مطالعہ بھی نہیں کرتے، اور وہی احادیث لیتے ہیں جو اَحکام کی ہوں، باقی کو چھوڑ دیتے ہیں۔

من جملہ فقہاء کی اغلاط میں سے یہ ہے کہ بعض فقہاء کا پورا اعتماد علمِ جدال یعنی مناظرہ پر ہوتا ہے، اور وہ اپنے زعم میں اس فن سے ہی کسی حکم پر دلیل اور اس کی تصحیح، شرع کے دقائق اور مذاہب کی علّتیں تلاش کرتے اور ڈھونڈتے ہیں، اور ہر ایک کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ لوگوں کی نظروں میں پیشوا گردانا جائے۔

اور بعض فقہاء علمِ جدل و مناظرہ کے فن میں فلاسفہ کے قواعد داخل کرتے ہیں، جیسے: لزوم، عکس اور تناقض وغیرہ۔

من جملہ فقہاء کی اغلاط میں سے یہ ہے کہ وہ حدیثِ صریح و صحیح پر قیاس کو ترجیح دیتے ہیں، حالانکہ مناسب، بلکہ واجب یہ تھا کہ اپنا مسئلہ دُوسری حدیثِ صحیح سے ثابت کرتے اور پھر فریقِ مخالف کی پیش کردہ حدیث کا اِخلاص سے جواب دیتے، وغیر ذالک!

یاد رکھنا چاہئے! کہ انسانی طبیعت چور ہے، اگر اس کو لوگوں کے خیال پر چھوڑ دیا جائے تو اہلِ زمانہ سے اخذ کرنے لگے گی، اور اُن ہی کی طرح ہوجائے گی، اگر متقدمین کے حالات اور طریقوں کا مطالعہ کیا جائے گا، تو طبیعت اُن کے ساتھ چلنے کی کوشش کرے گی، تب ان کا رنگ اور اُن کے اخلاق پیدا ہوں گے۔

من جملہ فقہاء کی اغلاط میں سے ایک یہ ہے کہ بعض فقیہ اور عالم مدرسہ کے ایسے اوقاف میں سے جو کہ صرف معلّم و متعلّم کے لئے ہوتا ہے، کھاتے اور اپنے مصرف میں لے لیتے ہیں، حالانکہ وہ نہ طالبِ علم ہیں، نہ اُستاذ، اور نہ ہی مدرسہ کے کسی کام کے معاوضے میں اسے لینے کا حق ہے۔

حالانکہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ:

''فقیہ وہ شخص ہے جو اللہ عزّ وجل سے خوف رکھتا ہو۔''

بعض فقہاء و علماء، اُمراء و سلاطین کے ہاں وعظ و نصیحت اور تبلیغ کی غرض سے آمد و رفت رکھتے ہیں، مگر اکثر ہوتا یہ ہے کہ ابتدا میں نیت دُرست ہوتی ہے، لیکن بعد میں اُمرا و سلاطین کے انعام و اکرام اور طمع سے ان کی نیت بدل جاتی ہے، چنانچہ پہلے جو قصد تھا کہ مداہنت نہ کریں گے اور بُری باتوں سے منع کریں گے، اس پر ثابت قدم نہیں رہتے، پھر اَمرِ معروف اور نہیِ منکر کا وہ صاف رنگ نہیں رہتا۔

واعظوں اور قصہ گو لوگوں کے لئے تلبیس:

اکابر و اسلاف میں وعظ کہنے والے فقیہ اور عالم ہوتے تھے، چنانچہ عبید بن عمیر تابعیؒ کی مجلسِ وعظ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ صحابی حاضر ہوتے تھے، اسی طرح حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ بھی اس دور کے واعظوں کی مجلس میں حاضر ہوتے تھے، لیکن بعد میں یہ پیشہ ایسا ذلیل ہوا کہ جاہلوں نے اُسے اختیار کرلیا، اور تمیزدار (سمجھ دار) لوگ اُن کی مجلس سے الگ ہوگئے، تو عوام مردوں اور عورتوں کا اُن پر ازدہام ہوا، تو واعظوں نے علم چھوڑ کر اُن کو خوش کرنے کے لئے قصہ گوئی اختیار کرلی، پھر یہ پیشہ طرح طرح کی بدعتیں پھیلاتا گیا۔

چنانچہ بعض نے تو دِلچسپی اور رغبت دِلانے کے لئے حدیثیں وضع کرنا اور بنانا

شروع کردیں، اور شیطان نے ان کو یہ دھوکا دیا کہ تم یہ حدیثیں نیکی پر آمادہ کرنے کے لئے بنارہے ہو، اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد: ''جو کوئی جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ باندھتا ہے، وہ دوزخ میں اپنا ٹھکانا بنائے'' کو بھلادیا۔

ازاں جملہ یہ کہ یہ لوگ اپنے سریلے کلام میں وہ چیزیں ملاتے ہیں جو نفس کا جوش اُبھاریں، اس کے علاوہ اس میں عشقیہ اشعار اور غزلیں بھی پڑھتے ہیں، اس پر شیطان نے اِن کو یہ دھوکا دیا کہ تم اللہ تعالیٰ کے عشق کی باتیں کرتے ہو، ان عشقیہ اشعار اور غزلوں کی وجہ سے، جن میں جوشِ شہوت بھرا ہوتا ہے، تو وہ اُبل پڑتا ہے، یوں یہ واعظ خود بھی گمراہ ہوا اور دُوسروں کو بھی گمراہ کرنے والا بن جاتا ہے۔

جبکہ بعض واعظ محض تصنع سے خشوع اور وجد ظاہر کرتے ہیں، تاکہ دُوسروں کو رونا آئے، اور اس کا نام چڑھے، جس قدر مجلس زیادہ ہو، واعظ کا خشوع زیادہ ہوتا ہے، ایسا واعظ آخرت کے اعتبار سے خوار و خراب ہوا، اور جو بالفرض سچا بھی ہے، وہ بھی رِیاکاری کی میل سے نہ بچ سکا۔

ازاں جملہ بعض واعظین، وعظ کے وقت عجیب و غریب حرکات کرتے ہیں، قرآن مجید کو نئی راگنی میں پڑھتے ہیں، اس کے ساتھ ہاتھوں سے دستک اور پاؤں سے ٹھوکر لگاتے ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عوام کی طبیعتیں اُمنگ پر آجاتی ہیں، اور مرد و عورتیں آوازیں لگاتے ہیں، چنانچہ دبے ہوئے ہزاروں شہوانی و نفسانی خیال اُبھر کر آجاتے ہیں، تو جلسہ بارونق، اور واعظ کی واہ واہ ہوجاتی ہے۔

واعظوں کے من جملہ عجائبات میں سے یہ بھی ہے کہ منبر پر بیٹھ کر زُہد و معرفت کے حقائق اور اسرارِ محبت پر زبانی جمع خرچ کرکے لوگوں کو فریفتہ کرتے ہیں، اور سمجھتے ہیں کہ میں بھی خدارسیدہ ہوں کہ ایسے دقائق بیان کیا کرتا ہوں، حالانکہ وہ یہ نہیں جانتا کہ کسی مقام کو زبانی بیان کردینا، دُوسروں کے بیانات کا علم ہے، جبکہ سلوک

ان مقامات پر وہ عملی مجاہدہ ہے جو علم اور زبانی بیان کے علاوہ دُوسری شیٔ ہے، یعنی جیسے گھڑی بنانے کی ترکیب کتاب میں لکھی ہوئی ہو، تو اُسے ہر کوئی بیان کرسکتا ہے، لیکن بالفعل اس کا بنانا صرف بنانے والے دستکار ہی جانتے ہیں، اسی طرح علمِ تصوف بھی دُوسری شیٔ ہے، اسی طرح علم پر مجاہدہ کرنا، کرانا بھی صحیح مرشد کی راہ نمائی، اور بڑی محنت سے حاصل ہوگا، اِن شاء اللہ تعالیٰ!

من جملہ ان مواعظ کے یہ بھی ہے کہ قصصِ یوسف، زلیخا، مجنوں، لیلیٰ، کربلا کے فرضی حالات، مثنوی کے اشعار، اختلافی مسائل میں فتویٰ کفر و اسلام، فلاں کافر یا مؤمن وغیرہ بیان کئے جاتے ہیں، مگر فرائض کا تذکرہ بہت ہی کم ہوتا ہے، ترغیبِ عبادت، ترہیب عن العذاب، آخرت کا بیان، سنت کی ترغیب اور معاملات کا سدھار وغیرہ، واعظ کی زبان مبارک پرنہیں آسکتے، نماز کے مسائل کا تذکرہ واعظ کے خواب و خیال میں بھی نہیں ہوتا، بلاشبہ اِلاّ ماشاء اللہ آج کا واعظ نہ نیکی بتلاتا ہے اور نہ کسی بُرائی سے روکتا ہے۔

عالم ومتعلّم کے لئے ابلیسی دھوکا:

جاننا چاہئے کہ تفسیر، حدیث اور فقہ کے لئے صَرف، نحو اور لغت کا حاصل کرنا ضروری چیز ہے، لیکن جس قدر کی ضرورت ہے، وہ قریب الحصول ہے، اور ضرورت سے زائد کا حاصل کرنا فاضل وعبث ہے، مگر ایسی زائد از ضرورت چیز کے لئے عمر کا بڑا حصہ صَرف کرنا، اور جو اہم اُمور ہیں، مثلاً: حدیث اور تفسیر کو چھوڑنا اور اس سے غافل رہنا، یا اس کی پوری تکمیل نہ کرنا، سخت خسارہ اور نقصان کا باعث ہے، چنانچہ بہت سے نحوی اور منطقی ایسے ہیں، جو ان فنون میں تو ماہر ہیں، مگر نماز کے اَحکام و مسائلِ قدرِ قلیل سے زیادہ نہیں جانتے، مگر اس جہالت کے باوجود ان کا تکبر اور فخر اس قدر

زوروں پر ہے کہ اللہ کی پناہ! جب قرآن و حدیث کا مطالعہ نہیں کیا، اور نہ سلف صالحینؒ کی عادات و خصائل سیکھے، تو لامحالہ خود رو طبیعت ہوائے نفسانی کی طرف دوڑے گی اور ناکارہ خیالات کے تناسب سے بطالت اُبھرے گی، تو نہ حلال وحرام کا فرق رہے گا، نہ ہی بدعت وسنت کا پتا!

ہاں! بعض اس سے مستثنیٰ بھی ہیں کہ وہ صَرف، نحو اور منطق میں کمال رکھتے ہیں، تو حدیث وقرآن میں بھی وہ ماہر و فاضل ہوتے ہیں، دام فیوضہم و برکاتہم، اور تقویٰ میں بھی اعلیٰ درجہ رکھتے ہیں۔

شعراء کے متعلق:

اکثر و بیشتر شاعر بھی اپنے تئیں مغرور ہوتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ خداوندِ کریم جل شانہ نے ہم کو ایسی دانائی عطا کی ہے، جس سے دُوسرے لوگ محروم ہیں، پس جس ذات نے تمہیں یہ امتیاز دیا ہے، وہی تمہاری خطائیں اور لغزشیں بھی معاف فرمائے گا، یہی وجہ ہے کہ اکثر شعراء کا حال یہ ہے کہ وہ جھوٹ بولتے ہیں، بہتان لگاتے ہیں، اگر کسی کی تعریف کریں تو حد سے بڑھ جاتے ہیں، اور کسی کی مذمت کریں تو پورا، پورا گرادیتے ہیں، اپنے اُوپر فحش و بدکاری کا اقرار کرتے ہیں، ان کے اشعار اور غزلوں سے شہواتِ نفسانی اُبھر آتی ہیں، حالانکہ غناء نوجوانوں کے لئے، زِنا کا منتر ہے، اور اس سے فحش و بے حیائی پر آمادگی ہوتی ہے۔

ہاں! اچھے شاعر حدودِ الٰہیہ کی نگہداشت بھی کرتے ہیں، اُن کے اشعار سے نیکی پر ترغیب بھی ہوتی ہے، اور بُرائی سے نفرت بھی، مگر وہ بہت ہی قلیل ہیں۔

علمائے کرام کے لئے دھوکا دہی:

حضرات علمائے کرام نہ ہوتے تو دُنیا میں جہل ہی جہل ہوتا، اور جہل پر تو

''شئ'' کے لفظ کا اطلاق ہی نہیں کیا جاسکتا، ان علمائے کرام کے علم، عمل، تعلیم، تبلیغ اور تلقین سے دینِ اسلام، ایمان اور قرآن دُنیا کے ہر گوشے میں پہنچتا ہے، مردہ طبیعتیں زندہ ہوتی ہیں، علم، عقل اور دانش مندی میں ترقی ہوتی ہے، عمل میں اِخلاص پیدا ہوتا ہے، سعادتِ دارین حاصل ہوتی ہے، قربِ الٰہی اور درجاتِ عالیہ نصیب ہوتے ہیں، دُنیا کی ترقی بھی علم سے ہے، نہ کہ جہل و نادانی سے، قیامت اس وقت آئے گی، جب صحیح عالم دُنیا سے رحلت کر جائیں گے، بلاشبہ علم نعمت، رحمت، فضل اور احسان ہے، ہاں! بعض عالم ایسے ہوتے ہیں، جو علم پر عمل نہیں کرتے، اور اپنی خواہشِ نفسانی پر چلتے ہیں، انہی میں سے بعض کی اغلاط پیشِ خدمت ہیں:

وہ علماء جو علم و عمل میں پورے تھے، اُن پر شیطان نے دُوسری راہ سے تلبیس ڈالی، چنانچہ ان کو تکبر و عجب میں مبتلا کیا، اور جو اُن علماء کے برابر تھے، اُن سے حسد پر اُنہیں اُبھارا، اور سرداری کے لئے رِیاکاری پر آمادہ کیا، پھر سرداری کی بقا کے لئے ان کو اپنی غلطی اور خطا کی معرفت کے باوجود بھی غلطی اور خطا سے باز نہ آنے دیا، اور سرداری کی طلب کا جواز پیش کرتے ہوئے یہ باور کرایا کہ تم شرع کے اعزاز کے لئے سرداری اور صدارت کے طلب گار ہو، اور حاسدوں پر تمہاری زبان درازی درحقیقت شریعت کے لئے غصہ کرنا ہے، اور یہ رِیا، رِیا نہیں، بلکہ اس لئے ہے تاکہ لوگ تمہاری اقتدا کریں۔

اچھا! اگر سچ مچ اس کا یہی مقصد ہے، تو جب لوگ کسی دُوسرے صحیح عالم اور مخلص عابد کے تابع ہونے لگتے ہیں اور اس کی ثناخوانی کرنے لگتے ہیں، تو اس کو غیرت کیوں آتی ہے؟ اس کی حسد و جلن کی رَگ کیوں پھڑک اُٹھتی ہے؟ اور اس عالم کی شکایت، غیبت اور بُرائی پر کیوں خوش ہوتا ہے؟ اگر یہ مخلص ہوتا تو اس پر وہ دِل میں خوش ہوتا کہ الحمدللہ! تبلیغِ دین کا بار جو میرے سر پر تھا، وہ میرے سر سے اُتر گیا

اور تکلیف کرنے سے بھی بچ گیا، کیونکہ مخلص علماء و مدرّسین کی مثال ان مخلص اطباء کی سی ہے، جو لوجہ اللہ مخلوق کا علاج کرتے ہیں، لہٰذا اگر کسی مریض کو کسی دُوسرے طبیب کے ہاتھ سے شفا ہوجائے تو دُوسرا خوش ہوتا ہے۔

غرض اگر کوئی عالم ظاہری شیطانی مکر سے بچ جائے، تو شیطان اس پر مخفی تلبیس لاتا ہے کہ تجھ سا کوئی عالم و متقی نظر نہیں آتا، اور نہ ہی تجھ جیسا اغوائے شیطانی کو پہچاننے والا دُنیا میں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جس پر اللہ تعالیٰ کا فضل ہوجاتا ہے، وہ بچ جاتا ہے۔

شیطان، بعض علماء کو یہ پیچ سمجھاتا ہے کہ تیری تصنیف سے ہزاروں کو فائدہ ہو رہا ہے، سب دُعا کریں گے، یہی تیری نجات کے لئے کافی ہے، نیز اس سے تیری شہرت ہے۔ اسی لئے بعض مخلص علماء اپنی کتاب کو اپنے نام سے منسوب کرنا نہیں چاہتے۔

سلف صالحینؒ نے فرمایا کہ:

جو اپنے حالات پر نظر رکھے گا، وہ ہر حالت میں اپنے کو حقیر دیکھے گا، اور جس نے اللہ تعالیٰ کو پہچانا، وہ رِیاکاری نہ کرے گا، اور جس نے جان لیا کہ مقدراتِ الٰہی حسبِ ارادہ ازلی جاری ہوں گے، تو وہ حسد نہیں کرے گا۔

بابِ ہفتم

سلاطین کے لئے تلبیس:

اوّل:... یہ کہ شیطان ان کے دِل میں ڈالتا ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کا محبوب ہے، وگرنہ اللہ تعالیٰ تمہیں یہ دولت اور شاہی نہ دیتا۔

حالانکہ اللہ تعالیٰ حکومت و اقتدار، مال و دولت اور دُنیا جیسے اپنے پیاروں کو

دیتا ہے، ویسے ہی اپنے دُشمنوں، جیسے: فرعون، نمرود وغیرہ کو بھی دیتا ہے، لیکن اس کے برعکس اللہ تعالیٰ، دِین صرف اور صرف اپنے پیاروں کو دیتا ہے، اور اپنے دُشمنوں کو نہیں دیتا، پھر اگر اس کے اعمال و افعال قانونِ شرعی کے مطابق ہیں، تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ کا پیار ہے، وگرنہ پیار نہیں۔

دوم:... شیطان، سلاطین کے دِل میں ڈالتا ہے کہ سلطنت کے لئے ہیبت ضروری ہے، لہٰذا سلاطین، علماء کو حقیر سمجھ کر، ان کے پاس جانے کو خلافِ ہیبت جانتے ہیں، اس لئے وہ علماء کے پاس نہیں جاتے اور نہ ہی اُن کو اپنے پاس آنے دیتے ہیں، یوں وہ شریعت سے جاہل رہتے ہیں، اور اپنی رائے پر عمل کرنے سے دین برباد کرتے ہیں، جاہلوں کی صحبت میں رہ کر جاہلانہ طرز و طریق کو محبوب، اور قرآن و حدیث اور شریعت کو مبغوض رکھتے ہیں۔

سوم:... شیطان ان کو دُشمنوں کے خوف میں مبتلا کر دیتا ہے تو دُشمنوں کے خوف سے نہیں نکل سکتے، تو وہ مظلوموں کے درد سے ناواقف رہتے ہیں، ان کے کارندے کام میں سست، بے رحم اور رشوت خور ہوتے ہیں، بے چارے غریب اور مظلوموں کی فریاد کوئی نہیں سنتا، یوں وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے آگے رویا کرتے ہیں، جس کی وجہ سے شاہی کو دوام و بقا نہیں ہوتا، اس لئے کہ:

بترس از آہ مظلوماں کہ بروقتِ دُعا گفتن
اجابت از درِ حق بہر استقبال مے آید

ترجمہ:... "مظلوموں کی آہ سے ڈر، کیونکہ دُعا کرنے کے وقت قبولیت درِ حق سے استقبال کے لئے آتی ہے۔"

چہارم:... شیطان، اُمراء و سلاطین کو یہ دھوکا دیتا ہے کہ اپنی رائے پر عمل کرو، اس کی وجہ سے وہ شریعت کی بجائے اپنی رائے پر عمل کرتے ہیں، تو کبھی جہاں کسی کا

ہاتھ کاٹنا جائز نہیں ہوتا، تو وہ ہاتھ کاٹ لیتے ہیں، اور کبھی ہاتھ کاٹنا جائز ہوتا ہے، تو وہ نہیں کاٹتے، ان سب میں ان کو دھوکا ہوتا ہے کہ یہ سیاست ہے، جس کا دُوسرا مطلب یہ ہوتا ہے کہ...نعوذ باللہ...شریعت ناقص ہے، اور اس کو تکملہ وضمیمہ کی ضرورت ہے۔

پنجم:... امیر اور سلطان یہ سمجھتا ہے کہ اموالِ سلطنت میں جس طرح چاہوں حکم کرسکتا ہوں، دراصل یہ بھی شیطانی فریب ہے، اس لئے کہ اگر لڑکا بالغ ہوجائے اور اس کی عقل ناقص ہو، تو اس کو اس کا سارا مال دینا جائز نہیں، جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے: "وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ" (النساء:۵) جب ذاتی مال میں یہ حکم ہے تو خیال کیا جائے کہ سلطان تو مسلمانوں کے تمام اموال (بیت المال) کا محافظ ہے، جب بیت المال قومی سرمایہ ہے، تو وہ غیروں کے اس مال میں کس طرح خودمختار ہوسکتا ہے؟ سلطان کا حق صرف اس کے کام کی اُجرت کی مقدار میں ہے، بس۔

ششم:...بعض بادشاہ، صلحاء کے پاس جاکر دُعا کراتے ہیں، یا تو اس لئے کہ اس کی دُعا سے گناہ مٹ جائیں گے، حالانکہ حق العباد کسی کی دُعا سے کیسے معاف ہوسکتے ہیں؟ یا اس لئے کہ بادشاہ کے متواضع اور نیک ہونے کی شہرت ہو، یا اس لئے کہ دُشمن پر کامیابی ہوگی۔

ایک بزرگ کو ظالم نے کہا: دُعا کرو! فرمایا: جب ہزار آدمی تیرے لئے بددُعا کر رہے ہوں، تو کیا تیرے بارے میں ایک کی دُعا سن لی جائے گی اور ہزار کی نہ سنی جائے گی؟ وغیر ذالک من العجائب۔

بابِ ہشتم

عابدوں کی عبادت میں شیطانی دھوکا:

یاد رکھنا چاہئے کہ جہل، ابلیس کے آنے کا بڑا دروازہ ہے، شیطان جاہلوں

کے ہاں بے کھٹکے آتا جاتا ہے، اور علماء کے پاس چوری چھپے آیا کرتا ہے، شیطان نے جن پر بھی تلبیس ڈالی ہے، عموماً ان کو شریعت کا علم بہت ہی کم تھا۔

ربیع بن خیثم نے فرمایا کہ: پہلے علم حاصل کر، پھر گوشہ نشین ہو۔

ا:... شیطان نے عابدوں پر پہلی تلبیس یہ ڈالی کہ علم پر عبادت کو ترجیح دی، اور کہا کہ علم کا مقصد عمل ہے، اور عمل سے بھی یہی عمل سمجھا جو اعضاء سے صادر ہوتا ہے، اور یہ نہ جانا کہ علم بھی ایک قلبی عمل ہے، اور قلبی عمل ظاہری اعضاء کے عمل کی بہ نسبت افضل ہوتا ہے، بلکہ جوارح کا کوئی عمل، قلبی عمل یعنی نیت کے بغیر دُرست ہی نہیں ہوتا۔

مطرف بن عبداللہؒ نے فرمایا کہ: زائد علم، زائد عبادت سے بہتر ہے۔

یوسف بن اسباطؒ نے فرمایا کہ: علم کا ایک باب حاصل کرنا ستر غزوات سے افضل ہے۔

معانی بن عمرانؒ نے فرمایا کہ: ایک حدیث لکھنا، مجھے تمام رات کی عبادت سے زیادہ محبوب ہے۔

بلکہ صحتِ عمل، صحتِ علم پر موقوف ہے، لہٰذا علم نہیں تو عمل نہیں، علم ہوگا تو عمل ہوگا، جس قدر علم زیادہ ہوگا، اسی قدر عمل میں اغلاط کم ہوں گی، پھر عمل کی مقبولیت کا مدار اِخلاص پر ہے، اور اِخلاص یعنی جب نیت خالص اللہ تعالیٰ کے لئے ہوگی، تب دقائقِ رِیا سے خالی ہوگا، اور وہ علم کے سوا کیسے حاصل ہوگا؟

شیطان بعض جاہلوں کو قضائے حاجت اور استنجا میں وساوس ڈالتا ہے، چنانچہ گھنٹوں گزر جاتے ہیں، مگر ان کا استنجا ہی پورا نہیں ہوتا، پھر نیت میں خلل ڈالتا ہے کہ: میں رفعِ حدث کی نیت کرتا ہوں، پھر کہتا ہے: میں نماز مباح ہونے کی نیت کرتا ہوں، یہاں تک کہ اس کی نیت پوری نہیں ہوسکتی، پھر وضو میں شکوک کہ شاید

اُڑتی چڑیا نے بیٹ کردی ہو، پھر پانی بھی دریا کا ہونا چاہئے، پھر ہر عضو کو کثیر بار دھونا پانی کا اسراف ہے، پھر نماز کی نیت میں، پھر جماعت سے محروم کرنے میں وساوس ڈالتا ہے۔

ابوشوذبؒ نے کہا کہ: حسن بصریؒ ایک بزرگ پر تعریض کیا کرتے تھے کہ یہ کیا ہے؟ کہ تم میں سے ایک آدمی ایک مشک سے وضو کرتا ہے اور ایک پکھال سے نہاتا ہے، مفت میں اپنے آپ کو تکلیف میں ڈالتا ہے۔

اسود بن سالمؒ جو کبار صالحین میں سے تھے، پہلے بہت پانی بہایا کرتے تھے، لیکن بعد میں انہوں نے اس کو ترک کردیا، کسی نے اس کا سبب پوچھا، تو فرمایا کہ: میں ایک رات سو رہا تھا کہ ایک ہاتف یعنی غیبی آواز دینے والے نے مجھے آواز دی: اے اسود! یہ کیا اسراف نہیں ہے؟ اسی لئے میں نے اسراف ترک کردیا۔

یاد رکھنا چاہئے کہ راقم، پاکی، طہارت اور پرہیز سے منع نہیں کرتا، البتہ تکلف و مبالغہ سے منع کرتا ہے، یعنی جو مبالغہ حدِ شرع سے خارج ہو، اور وقت کو ضائع کرنے والا ہو، میں اس سے روکتا ہوں۔

اسی طرح جاہل عابدوں کے نماز، روزہ وغیرہ میں کثیر در کثیر وساوس ہیں، جو شریعت سے ناواقفی اور جہالت کے سبب افراط و تفریط کی حد کو پہنچ جاتے ہیں، جو عبادت کے ثواب کو باطل کرتے ہیں، بلکہ وبالِ آخرت ہوتے ہیں، یہ مختصر رسالہ ان اسباب کے بیان کو برداشت نہیں کرسکتا۔

یہ لوگ نہی منکرات سے خاموش، اور معروف کے اَمر سے جی چراتے ہیں، تاکہ کوئی ان سے بے اعتقاد نہ ہو، اور ان کی محبت میں خلل نہ آئے، اور کثرت سے نوافل پڑھتے ہیں، اور فرض و جماعت سے غافل ہوتے ہیں، سنتِ مؤکدہ تک کی پروا نہیں کرتے، اور بدعات میں منہمک ہوتے ہیں، جتنا عرس کا اہتمام کرتے ہیں، حج کا

اس کا بیسواں حصہ بھی نہیں کرتے، آباء کی تقلید میں، گو غلط ہی کیوں نہ ہو، جیسے گانا بجانا، راگ سننا وغیرہ، اور بدعات میں، فرضِ عین سے بھی زیادہ جدوجہد کرتے ہیں، وساوس میں مستغرق، کرامات کے عاشق، وجد کے مشتاق، سیرتِ سلف سے غافل، اعتقادِ توحید سے متنفر، شرک، قبر پرستی، عورتوں کے ساتھ تلقین اور تعویذِ حب وغیرہ میں سر سے پاؤں تک ڈوبے ہوئے ہیں، وغیر ذالک من العجائب۔

ہاں! بعض عابد، زاہد اور عارف جو سنت پر عامل ہیں، بدعات سے متنفر ہیں، بلا شبہ وہ آنکھوں کے نور، اور رُوحِ رواں ہیں، وہ ان سے مستثنیٰ ہیں۔

بابِ نہم

زاہدوں کے زُہد میں اغوائے شیطانی:

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جاہل آدمی قرآن و حدیث سے دُنیا کی مذمت سنتا ہے، تو سمجھتا ہے کہ نجات، دُنیا کے ترک میں ہے، اور یہ بھی سنتا ہے کہ فلاں شیخ پہاڑ یا جنگل میں عبادت کرتا رہا، پس یہ نادان جمعہ و جماعت، بال بچوں اور بوڑھی والدہ کو چھوڑ کر وحشی جانور کی مانند نکل بھاگتا ہے، تمام گھر والوں کے حقوقِ واجبہ یا قرض خواہوں کے قرض ادا کئے بغیر، خلوَت کو اختیار کرتا ہے، ایک طرف بچے اور بوڑھی والدہ رو رہی ہیں، مگر یہ قطب بننے گیا ہے، اگر کسی فقیہ کی صحبت اُٹھائی ہوتی، جو حقائق سے آگاہ ہوتا، تو وہ اس کو بتلاتا کہ دُنیا بذاتِ خود مذموم نہیں، اور ایسی چیز کیوں مذموم ہوتی جس کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے احسان جتلایا ہے:

"...یَرْزُقُكُم مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ..." (فاطر:۳)

ترجمہ:... "تمھیں روزی دیتا ہے آسمان سے (کہ پانی برساتا ہے) اور زمین سے (یعنی زمین سے نباتات اُگاتا ہے)۔"

بلکہ مذموم یہ ہے کہ دُنیا کی کوئی چیز بغیر حلت کے لے لے، یا اسراف کے طور پر اس میں تصرف کرے، یعنی جو مقدارِ حاجت سے زیادہ ہو، غرضیکہ اغلاط کی کوئی حد نہیں۔

خطرہ والی جگہ کی طرف اکیلا سفر کرنا شرعاً ممنوع ہے، پھر ماں باپ کو فراق کا صدمہ دینا کبیرہ گناہ ہے، بال بچوں کو تنگ کرنا اور تنگ رکھنا، کئی گناہوں کا سبب ہے، پھر بزرگوں کی تنہائی میں جا کر عبادت سے استدلال کرنا، یہ بھی غلط ہے، ممکن ہے کہ ان پر حقوق واجب نہ ہوں، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا غارِ حرا میں رہنا پہاڑ کے قریب ہونے کی وجہ سے تھا، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زوجہ مطہرہ کے اخراجات سے سبکدوش تھے، کیونکہ وہ مالدار تھیں اور خرچ کی متقاضی نہ تھیں، بلکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر خرچ کیا کرتی تھیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم چند دن کے بعد آیا بھی کرتے تھے۔

بعض سلف نے یہ بیان کیا کہ ہم لوگ عبادت کے لئے پہاڑ میں چلے گئے، تو سفیان ثوریؒ ہمارے پاس آئے اور ہم کو شہر واپس لے گئے۔

بعض زاہدوں کا خیال ہے کہ مباحات کے ترک کرنے کا نام زُہد ہے، چنانچہ مال دار اور صاحبِ حیثیت ہونے کے باوجود سوکھی روٹی پر اکتفا کرنا، صوف کا کپڑا پہننا اور ٹھنڈے پانی کو چھوڑنا وغیرہ زُہد ہے، حالانکہ یہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ اور تابعین رضی اللہ عنہم کا طریقہ نہیں ہے، اس لئے کہ جب کچھ نہ پاتے تھے، تو وہ صبر کرتے، اور جب کچھ پاتے تو کھاتے تھے۔

ایک زاہد نے کہا کہ: میں حلوا نہیں کھاتا، کیونکہ شکر ادا نہیں کرسکتا، حضرت حسن بصریؒ نے سنا تو فرمایا کہ: یہ شخص احمق ہے، کیا یہ سرد پانی کا شکر ادا کرلیتا ہے؟

سفیان ثوریؒ جب سفر کو جاتے تو اُن کے دسترخوان پر بھنا ہوا گوشت، مرغ

کا گوشت اور فالودہ ہوا کرتا تھا۔

یاد رکھنا چاہئے کہ بدن رُوح کی سواری ہے، اس کے ساتھ حسبِ سنت نرمی کرنی چاہئے، تاکہ مقصود کو پہنچ جائے، ایسا نہ ہو کہ جمعہ، جماعت، تہجد، معاملات، تدبیرِ منزل، آدابِ معیشت و معاشرت اور ملکی سیاست کے قیام و انتظام سے تھک جائے، اور قربِ نبوی و الٰہی سے محروم رہ جائے۔

ہاں! افراط وتفریط سے بچنا چاہئے، مثلاً: اس قدر پیٹ نہ بھرے کہ پھر دوا کرتا رہے، اور نہ اتنا کم کھائے کہ کھڑے ہوکر نماز بھی نہ پڑھ سکے۔ پھر طبائع مختلف ہوتی ہیں، کوئی جو کی روٹی کھا کر سب کام کرسکتا ہے، اور کوئی گندم کی روٹی کے سوا کھائے گا تو بیمار پڑ جائے گا، لہٰذا طبیعت کے موافق اور اعتدال کے ساتھ غذا ولباس وغیرہ استعمال کرتا رہے، یہ بھی نہ کرے کہ طبیعت کو مطلقاً طیبات سے محروم رکھے، اور یہ بھی نہ کرے کہ لذائذ میں مستغرق ہوجائے۔

بعض علمائے کرام جیسے حارث محاسبیؒ اور ابوطالب مکیؒ وغیرہما نے لکھا ہے کہ: مباحات وتلذذات سے بالکلیہ روک رکھے۔ یہ بھی نہ کرے، بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام اور تابعین کرام علیہم الرحمۃ والغفران کی اِتباع کرے، یہی ہمارے اسلاف اور حکیم الاُمت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کا فرمانِ ذی شان ہے۔

من جملہ اغلاط کے یہ بھی ہے کہ زُہاد وعباد، غذا ولباس میں زُہد کیا کرتے ہیں، مگر حبِ جاہ و مال اور منصب و مرتبہ کے خواہش مند ہوتے ہیں، امیروں اور دولت مندوں کی ملاقات کے منتظر رہتے ہیں، اور ان سے ملاقات کے وقت ایسا عجز و انکسار ظاہر کرتے ہیں، گویا ابھی مشاہدہ سے نکلے ہیں، اور غریبوں کے ملنے سے احتراز کرتے ہیں۔

دورِ حاضر کے زاہد چاہتے ہیں کہ ان کی دِین داری کی وجہ سے ان کی عزّت

وتوقیر ہو، وہ کچھ خریدیں تو دام کم لئے جائیں، ان سے لوگ ملیں تو ان کی دست بوسی و قدم بوسی کریں، اور چاہتے ہیں کہ اپنے دوستوں اور احباب پر اپنے کمال ظاہر کریں، اورلوگوں میں چرچا ہو کہ فلاں بزرگ سب سے منفرد ہے، اور اس کی اغلاط اور جہل سب چھپے رہیں، نہ بالوں میں کنگھی کرتے ہیں، نہ خوشبو لگاتے ہیں، تاکہ زُہد کی عزّت و ناموس چلی نہ جائے، حالانکہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بالوں میں کنگھی بھی کیا کرتے تھے، خوشبو بھی لگاتے تھے، اور ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن سے دِل بہلانے کی باتیں بھی کیا کرتے تھے، گویا یہ زاہد، عابد، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی بڑھنا چاہتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہدایت دے، آمین!

بعض زاہد اپنے واسطے کرامت کے ظاہر ہونے کے منتظر رہتے ہیں، اگر کوئی بے چارہ اس زاہد کو اَمر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتا ہے، تو اس پر غیظ، غضب اور بددُعائیں کی جاتی ہیں، اس لئے کہ اس نے ہتکِ عزّت کی۔

بالجملہ شفقت بود سیرت خویش گفت، غرض یہ کہ زاہد پر فرض ہے کہ وہ علماء سے علم سیکھے، اور کسی واثق عالم سے اپنی اغلاط کی اصلاح کیا کرے:

بنما جوہر خود را بہ خرد مند
عیسیٰ نتواں گشت بہ تصدیقِ خرے چند

ترجمہ:... ''اپنا جوہر عقل مند کو دِکھا، چند گدھوں کی تصدیق سے عیسیٰ نہیں ہوسکتے۔''

بابِ دہم

صوفیوں کی اغلاط:

واضح ہو کہ صوفیہ بھی زاہدوں میں سے ایک قوم اور گروہ ہے، لیکن چند

صفات و اَحوال میں صوفیہ اُن سے جدا ہیں۔

تصوّف ابتدا میں زُہد کا نام تھا، پھر ان میں سماع، رقص، جذبات اور واردات وغیرہ چیزیں داخل ہوگئیں، اسی لئے وہ زاہدوں سے ممتاز ہوئے، لہٰذا ان کا بیان بھی علیحدہ کرنا چاہئے، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کے مبارک زمانے میں لوگوں کی نسبت ایمان و اسلام کی طرف ہوتی تھی، چنانچہ انہیں مؤمن یا مسلم کہا جاتا تھا، اس کے بعد کچھ لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے دُنیا سے انقطاع کرلیا اور عبادت کے لئے علیحدہ ہوگئے، اور اپنے لئے چند اخلاق وصفات مخصوص کرلئے اور اپنے لئے ایک الگ طریقہ بنا کر منفرد نام سے ممتاز ہوگئے۔

''صوفی'' یا تو صوفہ اور صوفان کی طرف منسوب ہے، جو حجاج کو حج کراتا تھا، اس کی اجازت سے عرفہ سے منیٰ اور منیٰ سے مکہ مکرمہ کی اجازت ہوتی تھی، یہ اجازت صوفہ کی اولاد میں برابر رہی، یہاں تک کہ عدوان نے لے لی اور عدوان میں برابر چلی آئی، یہاں تک کہ ان سے قریش نے لے لی۔

یا ''صوفی'' کی نسبت اہل صفہ سے ہے، جو کہ فقیر، محتاج اور بے اہل وعیال ایک جماعت تھی، جو حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشادات سنتے تھے، جو مل جاتا کھالیا کرتے، لیکن یہ دُرست نہیں، اس لئے کہ اگر ایسا ہوتا تو انہیں ''صفی'' کہا جاتا۔

یا ''صوفی'' منسوب ہے ''صوف'' کی طرف، یعنی اُون پہننے والے (اور یہ ہوسکتا ہے)، بہرحال اور بھی بہت سے اقوال ہیں، بہرحال اس قوم کے واسطے یہ نام دوصدی ہجری سے پہلے ظاہر ہوا ہے۔

تصوّف: پہلے لوگوں کے نزدیک تصوّف اس کا نام تھا کہ نفس کو کوشش و ریاضت سے اخلاقِ رذیلہ: حسد، رِیا وغیرہ سے پھیرے اور اخلاقِ جمیلہ جیسے: زُہد، علم، صبر، صدق اور اِخلاص وغیرہ عاداتِ حسنہ پر آمادہ کرے، جس سے دُنیا میں مدح اور

آخرت میں ثواب حاصل ہوتا ہے۔

جنید بن محمدؒ نے فرمایا کہ:

''تصوّف: ہر بُرے اخلاق سے نکلنا اور نیک خلق میں داخل ہونے کا نام ہے۔''

اور بعض نے کہا ہے کہ:

''تصوّف کے معنی ہیں: اللہ تعالیٰ اور خلقت کے ساتھ معاملہ صاف رکھنا۔''

متصوّفین کی بعض اغلاط:

متصوّفین علم سے اس لئے رُکے کہ مقصود عمل ہے، مگر جب علم کا چراغ گل ہوا، تو سب کچھ گم ہوگیا۔ اور بعض نے دُنیا کو کلی طور پر ترک کرنے کو تصوّف سمجھا، لہٰذا انہوں نے بدن کی اصلاح والی چیزیں چھوڑ دیں (جس کا بیان پہلے گزر چکا ہے)۔

اور بعض نے بوجہ کم علمی کے موضوع حدیثوں پر عمل کیا، اور یہ خبر نہ رکھی کہ اصل صحیح حدیث کیا ہے؟

اور بعض نے فقر، فاقہ، وساوس اور خطرات کو جیسے: حارث محاسبی نے کتابیں لکھی ہیں، اور بعض نے مذہبِ تصوّف کو ترتیب دی، اس میں مرقّع (فقیروں کی گدڑی)، سماع، رقص اور تالیاں پیٹنا وغیرہ سے اُسے تمیز بخشی، ہاں! کہیں کہیں وہ اعتدال پر بھی رہے اور کہیں عملِ سنت سے افراط وتفریط میں پڑ گئے، اور اس کا نام علمِ باطن رکھا۔

بعض صوفیہ حلول کے قائل ہیں، جس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض انسانوں میں رُبوبیت کے معنی سے حلول کیا ہے، یعنی ان میں داخل ہوا، اور اُن سے

بشریت کو زائل کردیا۔ اور بعض اِلحاد میں پڑ گئے، اسی طرح شیطان ان کو انواع واقسام کی بدعتوں سے بہکاتا رہا، یہاں تک کہ انہوں نے اپنے لئے نئی سنتیں قرار دیں۔

ابوسلیمان دارانیؒ فرماتے ہیں کہ:

''جو نکتہ دِل میں آئے اس کو قبول نہیں کرنا، جب تک کہ دو شاہدِ عدل: کتاب وسنت اس کی شہادت نہ دیں۔''

ابویزید بسطامیؒ نے فرمایا کہ:

''کسی کی کرامتوں سے دھوکا نہیں کھانا چاہئے، گو وہ ہوا میں دو زانو بیٹھا رہے، جب تک کہ اس اَمر کو نہ دیکھو کہ اَمر و نہی اور حدودِ شرعی کی نگہداشت میں اس شخص کی کیا کیفیت ہے؟''

ابویزیدؒ فرماتے ہیں:

''جو شخص قرآن کی تلاوت، شریعت کی حمایت، جماعت کا لزوم، جنازہ کے ساتھ چلنا اور مریضوں کی عیادت کرنا چھوڑ دے اور اَحوالِ باطنی کا دعویٰ کرے، وہ بدعتی ہے۔''

وغیر ذالک من اقوال الکرام رحمہم اللہ تعالیٰ۔

اوائل صوفیہ کرامؒ کا اعتماد کتاب وسنت پر تھا، بعد میں شیطان نے اُن کی کم علمی کے باعث انہیں فریب دیا۔

قسم بخدا! ان کی غلطیاں بیان کرنے سے مقصود حدودِ شریعت کی حفاظت کرنا ہے، اور بس!

اور یہ بھی یاد رکھیں! کہ بسا اوقات انسان، اولیاء اللہ اور اہلِ جنت میں سے ہوتا ہے، وہ کبھی سہواً اور کبھی کم علمی سے غلطیاں بھی کرتا ہے، بلاشبہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت

سے ان کو معاف فرمائیں گے، مگر ہمارا ان کی ان کوتاہیوں کو بیان کرنا، ان پر نکتہ چینی کی غرض سے نہیں، بلکہ اس کی غرض صرف اور صرف یہ ہے کہ ہم اور آپ ان غلطیوں سے بچ جائیں۔

صوفیہ کرام کے بارے میں آتا ہے کہ وہ مال سے علیحدہ ہوگئے، اگر تو کفایتِ معاش کی مقدار مال کو چھوڑا یا ان کو ایسا کسب آتا تھا جس کی وجہ سے وہ لوگوں کے محتاج نہیں تھے، یا سارا مال اس لئے خرچ کردیا کہ اس میں شبہ تھا، یا بال بچوں کا اپنا مال تھا، جس سے وہ کھا سکتے تھے، تو ان پر کچھ ملامت نہیں۔

لیکن اگر کفایتِ معاش کی کوئی جائز صورت نہیں ہے، تو سارا مال اُڑا دینا گو خیرات میں ہی کیوں نہ ہو، مذموم وممنوع ہے۔ صوفیہ کرام نے مال کے دفع کرنے میں جن حدیثوں سے استدلال کیا ہے، وہ اکثر ضعیف ہیں، اوران کے جوابات واضح طور پر امام ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب "تلبیسِ ابلیس" بابِ دوم میں دیئے ہیں، وہاں ضرور دیکھ لیں۔

ہاں! اس اَمر کا انکار نہیں کیا جاسکتا کہ مال جمع کرنے میں فتنہ کا خوف ہے اور مال کے ہوتے ہوئے دِل کا آخرت کی یاد میں مشغول ہونا شاذ و نادر ہے، مگر بقدرِ کفاف مال حاصل کرنا ضروری ہے، لیکن مال کا بڑھانا اگر فخر ونمود کی نیت سے نہ ہو، بلکہ نیک کاموں کو سرانجام دینے کے لئے ہو، تو بہت سی عبادتوں سے افضل ہے، اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا ہے کہ مال جمع کرنے میں بُرا مقصود ہو، یا ناجائز طریقے سے جمع کیا جائے۔ بہرحال مال فی نفسہٖ بُرا نہیں، اس لئے کہ اگر مال نہ ہوتو کوئی کام نہیں ہوسکتا، نہ جہاد، نہ حج، نہ زکوٰۃ، نہ مسجد کی تعمیر، نہ یتیم پروری، نہ بیوہ کی خبرگیری، نہ علم پڑھنا اور پڑھانا، نہ ماں باپ، پیر اور اُستاذ کی خدمت وغیرہ وغیرہ۔

حضرت سفیان ثوریؒ فرمایا کرتے تھے کہ:

اس زمانے میں مال ایک ہتھیار ہے، سلف کرام ہمیشہ مال کی تعریف کیا کرتے تھے، اور زمانے کی آفات اور حوادث سے بچنے کے لئے جمع کرتے تھے، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہنّ کو سال بھر کا خرچ دے دیتے تھے، لہٰذا توکل کا معنیٰ خدا تعالیٰ پر اعتماد کرنا ہے، نہ کہ مال اور اسبابِ عادیہ کو دُور کرنا، لہٰذا مال بھی ہو اور اللہ تعالیٰ پر اعتماد بھی، اور یہ دونوں چیزیں جمع ہوسکتی ہیں۔

اوائل صوفیہ ورع اور زُہد کی وجہ سے مال سے علیحدہ ہوتے تھے، اور متأخرین صوفیہ میں سے اکثر حضرات کسب کی پوری قوّت کے باوجود لنگر خانہ یا مسجد کو اس لئے اختیار کرتے ہیں تاکہ کمانا نہ پڑے، اور فقر کی شہرت ہو، اسی لئے تو راشی اور ظالم کی خیرات کو بھی رَدّ نہیں کرتے، امیروں کی مجالست، موانست اور محبت کو نعمتِ عظمیٰ اور خدا تعالیٰ کا فضل سمجھتے ہیں، اور اس کا نام فتوح یعنی خدا تعالیٰ کا عطیہ رکھا ہے، جس کو رَدّ نہیں کیا جاسکتا، (حالانکہ یہ سب خلافِ شرع ہے)۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ:

''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشتبہ چیز کھانے سے منع فرمایا ہے۔''

ایک صوفی کسی ظالم امیر کے پاس گیا، جاکر اَمرِ معروف کیا، جب اس امیر نے کچھ دیا، تو صوفی نے لے لیا، اس پر امیر کہنے لگا کہ: ہم سب لوگ شکاری ہیں، مگر ہر ایک کے جال مختلف ہیں۔

ایک شخص کسی بزرگ سے ملنے گیا، وہاں شیخ کے بارے میں پوچھا، تو معلوم ہوا کہ وہ فلاں امیر کو خلعت ملنے کی مبارک باد دینے کے لئے گئے ہیں، اور وہ امیر مشرک وظالم تھا، وہ شخص یہ قصہ سن کر متعجب ہوا، اور کہنے لگا کہ: (مکر کے لئے) کیا یہ

کافی نہ تھا کہ دُکان کھول رکھی ہے؟ ظالم امیر کے پاس گئے تا کہ مکر فروشی کریں۔

یاد رکھنا چاہئے! کہ تصوّف فنا، بقا، سکر اور صحو کی تقریریں کرنے کا نام نہیں، یہ تو علم ہے، بلکہ تصوّف قرآنِ کریم اور حدیث شریف کے الفاظ، معنی اور حقیقت سے رنگے جانے کا نام ہے، اسی کا نام صبغۃ اللہ ہے، اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا بِفَضْلِکَ، اٰمِیْنَ! نیز واضح ہو کہ اصل نیکی اعتقادِ صحیح اور عملِ صادق ہے، نہ کہ بلاعمل معارف، معارج اور مدارج کی تقریریں!

لباسِ شہرت:

بعض صوفی لباسِ شہرت یعنی مرقع (گدڑی) پیوند لگا کر پہنتے ہیں، تا کہ صوفی اور بزرگ سمجھے جائیں، اور اس کا جواز یہ پیش کرتے ہیں کہ بزرگ ایسا لباس پہنا کرتے تھے۔

اس سلسلے میں عرض ہے کہ ان صوفیہ کو مغالطہ ہوا ہے، اس لئے کہ وہ بزرگ تو صرف ضرورۃً پیوند لگاتے تھے، مگر اب بے ضرورت پیوند لگائے جاتے ہیں، نیز اس میں فقر و افلاس کا دعویٰ پایا جاتا ہے۔ اسی طرح بعض صوفی اپنی صوفیت دِکھانے کے لئے رنگے ہوئے کپڑے پہنتے ہیں، جبکہ پہلے لوگ رنگین کپڑے، محض اس لئے پہنا کرتے تھے کہ ان کو صابن وغیرہ کی طاقت نہ تھی، جبکہ اب دِکھانے کے لئے یہ سب کچھ کیا جاتا ہے، فافہم!

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ:

خدا تعالیٰ کھوئے، ان کم بختوں کو! کہ ان کو کیا ہوگیا؟ کہ وہ اپنے دِلوں میں تو کبر و غرور پوشیدہ رکھتے ہیں، مگر لباس میں عجز و تواضع ظاہر کرتے ہیں، خدا کی قسم! ان لوگوں کو اپنے اس لباس پر اس سے بھی زیادہ غرور ہے، جتنا کہ دوشالے والے کو

اپنے دوشالے پر۔ سلف صالحینؒ اوسط درجے کا لباس پہنا کرتے تھے، جمعہ، عید اور بھائیوں کی ملاقات کے لئے جاتے تو نفیس لباس اختیار کرتے تھے۔

تمیم الداری رضی اللہ عنہ نے ایک ہزار درہم کا ایک حلّہ مول لیا، اور وہ اس کو پہن کر تہجد ادا کیا کرتے تھے۔

محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نامی ایک بزرگ سے مروی ہے کہ: مہاجرین و انصار رضی اللہ عنہم اُونچے درجے کا لباس پہنا کرتے تھے۔

عیب ناک لباس وہ ہے جس میں زُہد و افلاس کا اظہار پایا جائے، ایسا لباس گویا خدا تعالیٰ کی شکایت کا ذریعہ اور پہننے والے کی حقارت کا سبب ہے۔

سماع اور رقص کے بارے میں اغلاط:

ابوجعفر طبریؒ نے بیان کیا ہے کہ:

جس شخص نے لہو ولعب کی چیزوں کو سب سے پہلے نکالا ہے، وہ ثوبان ہے، اس کے زمانے میں ہی مہلائیل بن قینان نے آلاتِ لہو جیسے: بانسری، طبل اور عود وغیرہ ایجاد کئے تھے، قابیل کی اولاد لہو ولعب میں پڑگئی، تو آخر الامر فواحش اور شراب پینے تک معاملہ جا پہنچا۔

جاننا چاہئے کہ جسمانی لذّات کے آلات میں ایسی چیز رکھی گئی ہے کہ ایک سے دُوسری اور دُوسری سے تیسری لذّت کی چیز حاصل ہوتی ہے، ابلیس نے پہلے گانے بجانے میں لذّت دِکھائی، پھر طنبور وغیرہ سے، اور آخر میں شراب، زِنا اور دیگر فواحش وغیرہ تک پہنچا کر کفر و شرک میں مبتلا کردیا۔

فقیہ و سمجھ دار وہ ہے جو اسباب و نتائج پر غور کرے، مثلاً: اگر شہوت کا خوف نہ ہو تو اَمرد یعنی بے ریش لڑکے اور تین سال سے کم عمر لڑکی کو دیکھنا اور چومنا جائز

ہے، اور اگر شہوت کا خوف ہو، تو حرام اور ممنوع ہے۔

اسی طرح محض اچھی آواز اور صحیح کلام سننا جائز ہے، اور اگر یہ ذکرِ اللہ اور باجماعت نماز سے روکے، اور فواحش تک پہنچائے تو ممنوع ہے، کیونکہ وہ معصیت و گناہ کو متضمن ہے۔

یہ بھی یادرکھنا چاہئے کہ تمام انسانوں کی طبیعتیں مشترک اور مساوی ہیں، کبھی بھی مختلف نہیں ہوتیں، اگر کوئی جوان سلیم البدن، صحیح المزاج آدمی دعویٰ کرے کہ حسین وخوبصورت شکلیں دیکھنے سے وہ بے قرار نہیں ہوتا اور اس کے دِل پر کچھ اثر نہیں ہوتا، اس کے دِین میں خلل نہیں آتا، تو ہم ایسے شخص کو جھوٹا کہیں گے۔

اسی طرح اگر کوئی شخص کہے کہ راگ باجا اور محبت کے عشقیہ اشعار سننے سے اس کے دِل پر اثر نہیں ہوتا، تو یہ بھی غلط ہے، اس لئے کہ قاعدہ ہے کہ ہر طبیعت اپنے مطمحِ نظر اور محبوب کی طرف اشعار کو منطبق کرے گی، اسی سے لذّت پائے گی، شوق بڑھائے گی، پھر جان، مال، عزّت اور آبرو قربان کرے گی، کیا آج کی دُنیا کے نوجوان لڑکے اور لڑکیاں، اللہ تعالیٰ اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں شیفتہ اور فریفتہ ہیں؟ کیا نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کے ایک دُوسرے کو دیکھنے، اور اشعارِ عشقیہ سننے سے محبتِ صحیحہ مقبولہ نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام بڑھے گی؟ اور رحمتِ الٰہیہ کی بارش ہوگی؟

اگر کوئی یہ دعویٰ کرے کہ ہمارا قلب مصنوع سے صانع اور مخلوق سے خالق کو دیکھتا ہے، تو کیا صانع کی صنعت نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں ہی میں منحصر ہے؟ اگر ایسا ہے تو کسی اور مصنوع پر عاشق کیوں نہیں ہوجاتا؟

نیز مسلم و مؤمن اور ایمان و اسلام کا دعویٰ رکھنے والے پر واجب اور لازم ہے کہ فرمانِ قرآنی اور سنتِ نبوی پر جان دے دے، نہ کہ طبیعت و ہوائے نفسانی کے

پیچھے چلے، لہٰذا جب شرعاً غیر محرم کو دیکھنا ممنوع ہے تو کیوں پرائی عورت یا امرد کو تاکتا ہے؟ اللہ و رسول سے حیا نہیں کرتا؟

آلاتِ لہو سے اشعار سننا اجماعاً ممنوع ہے، اور ویسے زبانی غلط اشعار سننا بھی ناجائز ہے، کیونکہ یہ چیزیں مبادیٔ زِنا ہیں، اور جو چیز حرام کا سبب ہو، وہ بھی حرام ہوا کرتی ہے، کیا ایسی حالتِ شہوانیہ میں ان چیزوں کا سننا کتبِ تصوّف میں حرام نہیں لکھا؟ اللہ تعالیٰ ہدایت عطا فرمائے۔

وہ اشعار جن میں خوفِ خدا ہو اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح صحیح مدح و ثنا، تعریف اور گناہوں سے زجر ہو، ان کو آلاتِ لہو کے بغیر اچھی کیفیت سے سننا دُرست اور محمود ہے، مثلاً:

اِذَا مَـــا قَـــالَ لِـىْ رَبِّـىْ
اَمَا اسْتَحْيَيْتَ تَعْصِمُنِىْ
وَتُخْفِى الذَّنْبَ مِنْ خَلْقِىْ
وَبِالْعِصْيَانِ تَأْتِيْنِىْ

ترجمہ:... ''جب مجھے میرا خدا فرمائے گا کہ: تجھے میری نافرمانی کرتے شرم نہ آئی؟ تو میری مخلوق سے گناہوں کو چھپاتا تھا، اور میرے سامنے گناہ کرتا تھا۔''

اگر کوئی یہ بہانہ کرے کہ طرب انگیز اشعار (نشاط میں آکر ناشائستہ حرکات کرنے کا نام ''طرب'' ہے) اور ایسے اشعار جو دُنیا اور عورتوں کی محبت پیدا کرنے والے ہوں، مجھ پر اثر نہیں کرتے، تو اس کا یہ دعویٰ جھوٹا ہے، کیونکہ تمام انسانوں کی طبیعت یکساں ہے، جو طرب انگیز اشعار و کلام سے طرب ناک ہوگی اور نفرت والے کلام سے اس میں نفرت پیدا ہوگی، کیونکہ انسان بہرحال ہر میٹھے، کھٹے، لذیذ اور

مطرب وغیرہ سے متأثر ہوگا، ہاں اگر کوئی گدھا ہے، تو گدھا ہی رہے گا اور اس سے متأثر نہیں ہوگا۔

یاد رکھنا چاہئے! کہ راگ باجا سننا مذاہبِ اَربعہ میں حرام ہے، گو ذکرِ الٰہی تعالیٰ کا محرّک ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ یہ سنت کے خلاف ہے، اس کی حرمت پر احادیثِ صحیحہ اور آثارِ کثیرہ وارِد ہیں، یہ چھوٹا سا رسالہ اُن کی تفصیل کا متحمل نہیں ہوسکتا۔

بعض صوفیہ نے غزل، قافیہ بند اشعار کو جو جائز رکھا ہے، اس سے راگ باجے والا کلام مراد نہیں ہے، بلکہ زبان سے صحیح اشعار سننا مراد ہے، اور آج کل کے متصوفین کے ہاں اس کے جواز کی چند وجوہ ہیں، مثلاً:

۱:...ایک یہ کہ ایسا کرنے سے دُنیا میں ولی مشہور ہوگا۔

۲:...دوم یہ کہ عوام وخواص اور مرد و زن کا انبوہ و اجتماع ہوگا، نذر و نیاز خوب آئیں گی، پیری کا سلسلہ خوب پھیلے گا، بلکہ نسلوں تک جائے گا، عوام اس سے جواز کی دلیل پکڑیں گے، خلافِ سنت کا خوب ڈنکا بجے گا، اور آج کل تو سنت کے خلاف کرنے میں دولت، عزّت، شوکت اور شہرت ہے ہی، معاذ اللہ!

یاد رکھنا چاہئے کہ راگ باجے کے سننے کو، خصوصاً بے ریش لڑکوں اور عورتوں کے زُلف، رُخسار اور حسن پر مشتمل اشعار کو اُمتِ مرحومہ اور تمام علمائے راسخین نے حرام فرمایا ہے، محض زبانی اشعار سننے کو مباح کہا ہے، مگر گناہ و معصیت کی رغبت نہ دِلانے، اور نیکی کی رغبت دِلانے والے اشعار سننے کو مستحسن کہا ہے، پھر اگر کوئی شخص حرام یا کراہت والی چیز کو موجبِ قربِ الٰہی سمجھے، تو یہ کفر ہے، مگر افسوس! کہ آج کل کے متصوفین تو راگ باجے والے سماع کے موجبِ قربِ خداوندی، مشاہدۂ حق، تجلّیٔ ذات، صفات یا افعالِ الٰہی ہونے کا اعتقاد رکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہدایت عطا فرمائے، آمین!

آج کل کے صوفیہ کے عجائبات:

موجودہ دور کے صوفیہ وجد و طرب میں خوب اُچھلتے کودتے ہیں، اسی حال میں کسی کو پکڑ لیتے ہیں، ان کے مذہب میں یہ جائز نہیں کہ جس کو پکڑا اور کھینچا جائے، تو وہ بیٹھا رہے، اسی طرح دُوسرے سب بھی کھڑے ہوجاتے ہیں، اور سر ننگا کرتے ہیں، اگر کوئی سر ننگا نہ کرے، تو معیوب و معتوب سمجھا جاتا ہے، اسی کو قربِ الٰہی سمجھتے ہیں، حالانکہ کسی عاقل پر مخفی نہیں کہ سر کھولنا قبیح، آدمیت سے دُوری اور ترکِ ادب ہے، صرف مناسکِ حج میں اللہ تعالیٰ کے آگے اظہارِ عبودیت اور عاجزی کے لئے اِحرام میں سر ننگا کرنا چاہئے، اور بس!

بعض صوفی کپڑے وغیرہ گانے والے پر پھینکتے ہیں، کبھی سالم اور کبھی پھاڑ کر، اور ارشادِ الٰہی: "وَاَلْقَی الْاَلْوَاحَ" (الاعراف:۱۵۰) سے اس پر استدلال کرتے ہیں، حالانکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے توراۃ کی تختیوں کو زمین پر رکھنے کے لئے ڈالا تھا، نہ کہ توڑنے کے لئے۔ پھر اگر بالفرض تسلیم بھی کرلیا جائے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام تو بے خود تھے، اور یہ لوگ ہوش میں ہوتے ہیں۔

نیز دورِ حاضر کے صوفیہ کا ذوق و مذہب ہے کہ وہ توبہ و اِستغفار کے وقت سر کھول دیتے ہیں، حالانکہ یہ بھی بدعت ہے، اگر کسی نے سر کھولنے والے طریقے کو دُرست نہ سمجھا تو اس پر تاوان لگاتے ہیں۔

بعض صوفیہ حضرت کعب بن مالکؓ کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ انہوں نے توبہ قبول ہونے کے وقت سارا مال دے دیا تھا، لہٰذا قبولِ توبہ کے وقت سارا مال لٹادینا چاہئے۔

اس سلسلے میں عرض ہے کہ مقبولیتِ توبہ کے شکریہ میں حضرت کعب بن

مالکؒ نے خود بخود سارا یا اکثر مال خیرات کیا تھا، نہ کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا، اب بھی اگر کوئی اپنا سارا مال خیرات کردے، تو دُرست ہے، مگر توبہ کی سنت نہ سمجھے، اور نہ ہی کوئی دُوسرا، مثلاً: شیخ یا دوست اس کو واجب کرے، یہ سب چیزیں ایسی ہیں جیسے کوئی شریعت سے کھیل رہا ہو۔

من جملہ صوفیہ کی اغلاط کے یہ ہے کہ بعض صوفیہ کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ خوب صورتوں جیسے: بے ریش لڑکے یا عورت وغیرہ میں حلول کر آتا ہے، اور اسی کو رُبوبیت کے معانی سے ایک معنی سمجھتے ہیں، اور اسی کو مشاہدۂ حق کہتے ہیں، اور اس حدیث سے دلیل پکڑتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

''تم خیر کو اچھی صورتوں کے پاس طلب کرو۔''

حالانکہ یہ حدیث موضوع ہے، کذا فی تلبیسِ ابلیس، اسی لئے یہ ''نیک بخت'' لڑکوں اور عورتوں کے پیچھے پیچھے دوڑتے ہیں، معاذ اللہ!

من جملہ صوفیہ کی اغلاط کے یہ بھی ہے کہ شہزادوں کے پاس آتے جاتے ہیں، حالانکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

''تم شہزادوں کے پاس نہ بیٹھو، کیونکہ ان کا فتنہ دوشیزہ لڑکیوں کے فتنے سے بھی سخت ہے۔''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی ایسا ہی منقول ہے۔

عبدالعزیز بن ابی السائبؒ سے منقول ہے، وہ کہتے تھے کہ:

''میں عابد شخص پر ایک امرد لڑکے کے بارے میں ستر لڑکیوں سے بھی زیادہ ڈرتا ہوں۔''

ابوعبدالرحمٰن سلمیؒ نے ابوبکر رازیؒ سے نقل کیا ہے کہ:

''صوفیہ کی آفتیں نوجوانوں کی صحبت، ناجنس کی ہم نشینی اور عورتوں کی رفاقت میں پائیں گے۔''

من جملہ اغلاطِ صوفیہ کے یہ بھی ہے کہ صوفیہ ترکِ اسباب اور ہر چیز کے ترک کو توکل کہتے ہیں، وہ لوگ صرف اسی کو توکل کہتے ہیں کہ انسان انجام بینی کو ترک اور اپنی حفاظت کو چھوڑ دے، اور کسی احتیاط و احتراز سے کام نہ لے، جبکہ علمائے کرامؒ کے نزدیک یہ چیز توکل نہیں، بلکہ عجز و تفریط ہے۔

کیونکہ توکل یہ ہے کہ انسان کا دِل فقط اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرے، اور اسبابِ عادیہ ضروریہ کو بھی ترک نہ کرے، جیسے اولاد کے لئے شادی کرنا، قوام بدن کے لئے کھانا پینا، اور تحصیلِ علم کے لئے پڑھنا، وغیرہ، ہاں! اسباب پر سہارا نہ ہو، بلکہ سہارا محض اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہو، جیسے کفار سے جنگ کرنے کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آلاتِ جہاد کا اہتمام فرمایا، بدنِ مبارک پر خود و زرہ پہنی، صحابہ کرامؓ سے مشاورت کی: ''وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ'' (اصحاب سے مشورہ کرو)، ''وَلْيَأْخُذُوْا حِذْرَهُمْ'' (اپنے ہتھیاروں اور بچاؤ کو لازم پکڑو)، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہتھیار پہنے اور صحابہؓ کو ہتھیار لگانے کا حکم دیا، خلاصہ یہ کہ توکل بھی ہو اور اسباب بھی ساتھ ہوں، اس میں منافات نہیں، کیونکہ اسباب حکمِ الٰہی، ارشادات و سنتِ نبویؐ پر عمل کا حیلہ، اور توکل اسباب سے نظر اُٹھا کر اللہ تعالیٰ پر بھروسا کرنے کا نام ہے۔

اور من جملہ اغلاط کے یہ بھی ہے کہ صوفیہ کے دِل میں عجز و نیاز اور خشوع و خضوع ہو یا نہ ہو، مگر وہ سر جھکائے رکھتے ہیں، حالانکہ خشوع دِل کی نیاز کا نام ہے، نہ کہ سر جھکائے رکھنے کا، نیز دِل کی نیاز، اپنی عبدیت اور اپنی ناکارہ حالت پر نظر کئے بغیر سر جھکانے سے نہیں ہوسکتی، ہاں! سر جھکانے، نیاز کا اثر منہ پر لانے، میلے کچیلے

کپڑے پہننے اور نیازمندانہ الفاظ منہ سے نکالنے میں زُہد، ولایت اور کمالات کا اظہار، شہرت کا سبب اور نمود کا حیلہ ہے، تاکہ لوگ بڑا زاہد سمجھیں اور دوڑ کر مصافحہ میں ہاتھ چومیں، بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ اس صوفی کے پاس لوگ آکر کہتے ہیں کہ: ہمارے لئے دُعا کرو، ہمارے لئے دُعا کرو، اور یہ صاحب ہر ایک کے لئے ہاتھ اُٹھا رہا ہے، گویا یہ اجابت نازل کرنے کا ٹھیکہ دار ہے، غرض میں یہ نہیں کہتا کہ بزرگوں سے دُعا کی اِلتجا ناجائز ہے، بلکہ یہ کہتا ہوں کہ ایسی حالت بنانا کہ دِل میں عجز و نیاز نام کو نہیں، مگر نیاز نہ ہوتے ہوئے بھی دُعا میں ہاتھ اُٹھاتے جانا گویا اجابت کا نازل کرنا، حاجت روائی و مشکل کشائی کرنا اور اپنی خیرخواہی دِکھلانا ہے، ایسا انداز اگرچہ ظاہر میں انکساری ہے، مگر حقیقت میں نفاق ہے۔

اس عرض کا مقصد اس رُوحانی مرض کا اظہار و علاج ہے، نہ کہ دُعا منگوانے یا مانگنے سے روک تھام ہے، کیونکہ جس شخص نے اپنے دِل کے خشوع سے زیادہ لوگوں کے سامنے خشوع کا اظہار کیا، تو اُس نے نفاق پر نفاق ظاہر کیا۔

تنہا اور بغیر اسباب کے سفر کرنے میں اغلاط:

اکثر صوفیہ سیر و سیاحت اور سفر تنہا کرتے ہیں، پھر نہ تو اُن کا کسی مقام کا ارادہ ہوتا ہے، نہ طلبِ علم کی نیت اور نہ جہاد کا ارادہ، پھر وہ اس حرکت سے توکل کا دعویٰ کرتے ہیں، چنانچہ اُن سے اکثر فرائض اور فضائل فوت ہوجاتے ہیں، اور ایسی سیاحت کو ولایت کا سبب سمجھتے ہیں۔

جبکہ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''یارسول اللہ! میرا جی چاہتا ہے کہ زمین میں سیاحت کروں، تو حضور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری

اُمت کی سیاحت جہاد اور حج و عمرہ ہے۔“

رہا تنہا سفر کرنا، تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تنہا سفر کرنے سے منع کیا ہے، اور فرمایا کہ:

۱:... ”اگر لوگ تنہائی کا نقصان سمجھتے تو کبھی کوئی شخص رات کو تنہا نہ نکلتا۔“ (مشکوٰۃ ص:۳۳۸ بحوالہ بخاری)

۲:... ”سفر ایک عذاب کا ٹکڑا ہے، جب تم سفر میں اپنی حاجت پوری کرچکو، تو جلدی اپنے گھر واپس آؤ۔“

(مشکوٰۃ ص:۳۳۹ بحوالہ بخاری و مسلم)

لہٰذا جو شخص سفر کو اپنا شیوہ اور عبادت بنالے، وہ اپنی جان کو عذاب میں ڈالتا ہے، یاد رکھو! قربتِ الٰہی اَمرِ مشروع میں ہے، نہ کہ ممنوع میں۔

من جملہ اغلاطِ صوفیہ کے یہ بھی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ: کسی کی موت پر رونا نہ چاہئے، حالانکہ خلافِ فطرت بات ہے، ہاں! یہ دُوسری بات ہے کہ تقدیر پر راضی نہ رہنا اور ہاتھ پاؤں کو کوٹنا، سر کے بال کترانا، نوحہ کرنا چلّانا، دُوسروں کو رُلانا، گوشت نہ کھانا، شادی کی رسم کا ترک وغیرہ وغیرہ یہ اُمور ممنوع ہیں، اور ویسے فراقِ اقرباء و احباء پر غم کا آنا، آنسو بہنا اور غم کا کوئی کلمہ نکل جانا جیسے: ”یَا اَسَفٰی عَلٰی یُوْسُفَ، وَابْیَضَّتْ عَیْنَاہُ“ اور جیسے فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت پر ”وَا کَرْبَ اَبَاہُ!“ کہا، اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بیٹے ابراہیمؑ کی موت پر آنسو بہائے اور فرمایا: ”اِنَّ الْعَیْنَ تَدْمَعُ وَالْقَلْبَ یَحْزَنُ“ (آنکھیں آنسو بہاتی ہیں اور دِل غمگین ہوتا ہے)، یہ چیزیں محمود ہیں، اور یہ جسم کا حق ہے، جسے ادا کیا جائے، اور رُوح کا حق رضا بالقضاء ہے، جو پورا ادا ہو، جیسے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابراہیمؑ یعنی اپنے بیٹے کی موت پر فرمایا: ”وَلَا نَقُوْلُ اِلَّا بِمَا یُحِبُّ

وَیَرْضٰی“ (اور نہیں کہتے ہم، مگر وہ کہ جس پر اللہ تعالیٰ کی پسند اور رضا ہے)، عارفِ کامل وہی ہے جو جسم کا حق بھی ادا کرے کہ آنسو آئیں، اور رُوح کا حق بھی ادا کرے کہ رضا بالقضا ہو، سبحان اللہ! وہ بھی پورا اور یہ بھی۔

من جملہ اُن اغلاط کے یہ بھی ہے کہ کسی کے مرجانے کے بعد ایک دعوت کرتے ہیں جس کا نام ”عرس“ رکھتے ہیں، اس میں گانے گاتے ہیں، رقص کرتے ہیں، کھیلتے کودتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ: ہم اس بات کی خوشی مناتے ہیں کہ میّت اپنے پروردگار سے جاملی۔

من جملہ ان کی اغلاط کے یہ بھی ہے کہ علم اور علماء سے نفرت رکھتے ہیں، علماء کی مذمت کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ: علم میں مشغول ہونا بے کار و بے سود ہے، اور کہتے ہیں کہ: ہمارے علوم بلاواسطہ ہیں۔ غالباً جب انہوں نے دیکھا کہ علم کا حاصل کرنا دُشوار ہے تو انہوں نے کوتاہ یا لمبے، صوفیانہ پیوند لگے کپڑے پہنے، لوٹا ساتھ رکھا اور زُہد کا اظہار کیا:

خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم!
نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے!

یاد رکھنا چاہئے! کہ علم ایک چراغ ہے، اُسے حاصل نہ کیا تو چراغ ہی نہ رہا، اور چراغ ہی نہ ہو تو سب کچھ کس کام کا؟ پھر کہتے ہیں: ”علم کا مقصد عمل ہے“ لیکن سوال یہ ہے کہ جب علم صحیح نہیں، تو عمل صحیح کیسے آئے گا؟ نیز کہتے ہیں کہ: ”علم وہ ہے جو بذریعہ باطن آئے۔“

حالانکہ علمِ باطن وہ ہے جو ہواس نفسانی و شیطانی ہوں اُن ہواس کا پتا بھی علم سے لگتا ہے، جب علم نہ ہوگا، تو ان میں امتیاز کیسے ہوگا؟

من جملہ ان کی اغلاط کے یہ بھی ہے کہ حقیقت و شریعت میں فرق کرتے

ہیں، حالانکہ یہ قول اس کے قائل کی نادانی پر دلالت کرتا ہے، کیونکہ شریعت سب کی سب حقائق ہیں، اگر اس سے مراد عزیمت و رُخصت ہے تو وہ دونوں شریعت ہیں، اور اگر یہ مراد ہے کہ قانون پر عمل کرنا شریعت ہے، اور تمام آداب سے اُسے بجا لانا حقیقت ہے، مثلاً: نماز میں قیام، رُکوع سجدہ وغیرہ کا ادا کرنا شریعت ہے، اور اس میں خشوع وخضوع کا ہونا حقیقت ہے، پھر اس حقیقت کے اعلیٰ درجہ کا نصیب ہونا، یعنی اس طرح ادا کرنا کہ گویا میں اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہوں، یا اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہا ہے، یہ حقیقت کا اعلیٰ درجہ ہے، مگر یہ بھی شریعت ہے۔

اور تمام دن، روزہ کی نیت سے کھانے، پینے اور جماع کے ترک کرنے کا نام روزہ ہے، اور اس سے نفسانیت کا دفع کرنا یہ حقیقت ہے، تو یہ بھی شریعت ہے، اسی طرح زکوٰۃ، حج وغیرہ ہر دو چیزیں شریعت ہیں، غیر نہیں، پس شریعت وحقیقت ایک ہی چیز ہے نہ کہ دو چیزیں، صرف سمجھ کا فرق ہے، بس اسی طرح شریعت و طریقت ایک ہی چیز ہے، اصطلاحِ تصوّف میں اخلاقِ رذیلہ جیسے: حسد، کبر، رِیا وغیرہ کے دفع کرنے، اور اخلاقِ حمیدہ جیسے: شکر، توکل، تفویض، تسلیم وغیرہ کے حاصل کرنے کو طریقت کہتے ہیں، اور یہ بھی شریعت ہی ہے، مگر جہال صوفیہ علیحدہ علیحدہ نام رکھ کر جہال کو دھوکا دیتے ہیں، اور یہ سب چیزیں کتبِ تصوّف میں صاف صاف موجود ہیں، مکتوبات مجدّد الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ میں مذکور ہیں۔

ابوبکر دقاق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ:

''میں نے ابوسعید خزازؒ سے سنا ہے کہ: جو باطن خلافِ شریعت ہے، وہ باطل ہے۔''

سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ:

''سیاہی کو سفیدی پر نگاہ رکھو، (یعنی علم کو)، اور جو شخص

ظاہر کو چھوڑے گا، ضرور زندیق ہو جائے گا۔“

ان کی من جملہ اغلاط کے یہ بھی ہے کہ متصوفین نے قرآن و حدیث کے معانی کو اپنی عقل وفہم پر لانے کی سعی کی، اور صحیح روایات کو بالائے طاق رکھا، کبھی تفسیر میں گفتگو کی، کبھی حدیث میں، کبھی فقہ میں، اور کبھی دُوسرے علوم میں، مگر بغیر سند کے کلام کیا، اور سند بیان کی تو موضوع یا ضعیف، اسی لئے کہا جاتا ہے کہ صوفیوں کی سند میں تحقیق و تدقیق کی ضرورت ہے، اگر یہ لوگ کوئی کلام یا معنی یا مطلب بیان کریں، تو دیکھا جائے کہ اگر متقدمین ثقات کی روایات کے مطابق ہے، تو قبول کیا جائے، وگرنہ نہیں، قیامت میں ہم سے وہی پوچھا جائے گا جو ظاہر قرآن و حدیث میں ہے، دقائق وحقائق کا سوال ہم سے نہ کیا جائے گا، ضرور یاد رکھیں!

ان کی من جملہ اغلاط کے یہ بھی ہے کہ ان میں سے بعض سے بڑے بڑے دعویٰ ظاہر ہوتے ہیں، چنانچہ کوئی کہتا ہے کہ: میں چاہتا ہوں کہ قیامت قائم ہو اور میں اپنا خیمہ دوزخ پر نصب کروں، پھر جب کسی نے ان سے پوچھا کہ یہ کیوں کروگے؟ تو کہا کہ: میں جانتا ہوں کہ جب دوزخ مجھے دیکھے گی تو سرد ہو جائے گی، لہٰذا میں مخلوق کے لئے رحمت ہو جاؤں گا۔

جاننا چاہئے کہ علم تو خوف، کسرِ نفسی اور کثرتِ سکوت کا باعث ہوتا ہے:

”اِنَّمَا یَخْشَی اللهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا“ (فاطر:۲۸)

اللہ سے تو عالم ہی ڈرتے ہیں۔

علمائے سلف سے جب کوئی کلماتِ طیبات سنوگے تو اُن پر خوف غالب پاؤگے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے، وہ کہتے تھے کہ:

”کاش میں مؤمن کے سینہ کا ایک بال ہوتا!“

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نزع کی حالت میں کہا کہ:

''اگر عمر نہ بخشا گیا تو اس پر افسوس ہے!''

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ انہوں نے موت کے وقت حضرت حماد رحمہ اللہ سے کہا کہ:

''کیا تم اُمید کرتے ہو کہ مجھ جیسا شخص بخشا جائے گا؟''

یاد رکھنا چاہئے! کہ ''عبد'' اور ''رَبّ'' دو مقابل کی چیزیں ہیں، جس کو ''عبد'' کہا جاتا ہے وہ ''رَبّ'' نہیں ہوسکتا، اور جو ''رَبّ'' ہے، اس میں عبدیت نہیں ہوسکتی، اور حضور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم باجماع سب مخلوق سے افضل و اکرم ہیں، مگر ان کا لقب اور کمال بھی عبدیت میں ہے، چنانچہ تمام اُمت کو نماز میں: "اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ" پڑھنے میں بھی ان کی عبدیت کے اعلان کا حکم دیا گیا، اسی طرح معراج کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کو عبدیت سے بیان کیا گیا، چنانچہ فرمایا: "سُبْحٰنَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا .... الخ"، اور عبدیت وہ ہے کہ جس میں دعویٰ نہ ہو، اور "عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ" کا اظہار بھی بحکمِ رَبّ تعالیٰ ہے، پس انسانیت کا کمال عبدیت میں ہے، اور عبدیت میں دعویٰ نہیں ہوتا، اور جو بغیر اِذن مدعی ہے، اس میں عبدیت ناقص ہے، بلکہ اس میں رُبوبیت کے آثار میں سے انانیت کا دعویٰ موجود ہے، لہٰذا وہ کامل نہیں، اور جس انسان کو کمال نصیب ہوگا، وہ کمال عبدیت ہی سے آئے گا، اور اس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بے کنار عبدیت سے ہی حصہ عطا ہوا ہوگا، پس فانی فی اللہ اور باقی باللہ میں دعویٰ کہاں ہوگا؟ بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ سے ترساں و لرزاں ہوگا، فافہم!

یاد رکھنا چاہئے! کہ من جملہ صوفیہ کی اغلاط کے یہ بھی ہے کہ وہ اپنے آپ کو سخت مجاہدہ و مشقت میں ڈالتے ہیں، کوئی تو ہمیشہ ٹھنڈا پانی نہیں پیتا، کوئی ساری رات

نہیں سوتا، کوئی سخت سرد پانی میں اپنے آپ کو گرادیتا ہے، کوئی شادی کرنے سے اجتناب کرتا ہے، وغیر ذالک۔

حالانکہ مجاہدہ وہ مقبول ہے جو سنتِ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ہو، اسی سے خودی مٹتی ہے، اسی میں مقبول نورانیت ہے اور بس! لہٰذا حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور طریقے کو اپنی زندگی کا نظام بناؤ، وگرنہ خیر نہیں۔

صوفیوں کی اغلاط میں سے یہ بھی ہے کہ وہ اپنے آپ کو بدنام کرتے ہیں، تاکہ لوگوں کی نظر سے گرجائیں اور جاہ و مرتبہ کی آفتوں سے سلامت رہیں، خبردار! شریعت کی مخالفت کرکے ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے نزدیک اپنا رُتبہ بڑھایا نہیں، گرایا ہے، اور خدا تعالیٰ کی دی ہوئی عزّت: ''وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ'' (المنافقون:۸) کو مٹایا ہے، پھر کیا جاہ و مرتبہ کی آفتوں سے بچنا خلافِ شریعت سے ہی میسر آتا ہے؟ بلکہ اپنی اغلاط کو سوچتے رہنے سے بھی کبر، غرور اور عجب دفع ہوسکتا ہے۔

من جملہ ان کی اغلاط کے یہ بھی ہے کہ وہ علم شریعت کو حجابِ اکبر کہتے ہیں، جو قطعاً دُرست نہیں! بلکہ علمِ شریعت سے دونوں جہان کی سعادت و سیادت میسر آتی ہے، اور رَبّ تعالیٰ کی معرفت نصیب ہوتی ہے، مبدأ و معاد کا پتا چلتا ہے، اپنی نفسانیت کا علم ہوتا ہے، اور انسان کی انسانیت کا حصول و فروغ بھی علم ہی سے ہے، ہاں! اگر کوئی علمِ شریعت سے دِین فروشی کرے، رَبّ تعالیٰ کو ناراض کرے، یا حضور پُرنور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت و فرمان کے خلاف کرے، تو وہ علم بے شک حجابِ اکبر ہے، یا اسی طرح اگر ''اَلْعِلْمُ حِجَابٌ اَكْبَرُ'' کا یہ مفہوم لیا جائے کہ علم غفلت اور جہل سے حجاب ہے تب بھی صحیح ہے، واللہ تعالیٰ اعلم!

ان کی من جملہ اغلاط سے یہ بھی ہے کہ ولایت کو نبوّت سے افضل سمجھتے ہیں، اس لئے کہ نبوّت کا تعلق خلقت سے، تبلیغ سے، تلقین سے اور جہاد سے ہے، اور

ولایت کا تعلق اللہ تعالیٰ سے اور یکسوئی و استغراق سے ہے، لہٰذا ولایت نبوّت سے افضل ہے۔

اس مغالطے کا جواب یہ ہے کہ ولایت نبوّت کا ظل اور سایہ ہے، اور نبوّت اصل ہے، بھلا ظل کو اصل پر کیسے فضیلت؟ ولایت نبوّت کا ظل اس لئے ہے کہ ولی کے لئے اتباعِ نبی ضروری ہے اور ولی اس وقت تک ولی نہیں ہوسکتا جب تک فرمانِ نبی پر نہ چلے، چنانچہ وہ نبوّت کی عبادات، معاملات، معاشرت، اخلاق، اعتقادیات وغیرہ میں اس قدر ہمت سے اتباع کرے کہ ذرا بھر بھی خلاف نہ ہو، تب ولی کو ولایتِ خاصہ عطا ہوتی ہے، اسی لئے ولایت ظلِ نبوّت ہے، لہٰذا ولایت نبوّت کے مقابل نہیں ہے، اور نہ ہی ولایت کوئی علیحدہ نظام ہے، یعنی نبوّت اور ہو، اور ولایت اور ہو، یہ نہیں، بلکہ ولایت اتباعِ نبوّت کا نام ہے، پھر ولایت کو نبوّت سے افضل کہنا جہلِ محض ہے، یہ بھی جہال کا سبق ہے کہ نبوّت کے اتباع کی ضرورت نہیں، صرف ولی کا اتباع ہونا چاہئے۔

نیز اگر تسلیم کر بھی لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ نبی میں دو چیزیں ہوتی ہیں، ایک: ولایت، اور دُوسری نبوّت، جبکہ ولی میں صرف ولایت تو ہوتی ہے مگر نبوّت نہیں ہوتی، تو مطلب یہ ہوا کہ نبی کی ولایت، نبی کی نبوّت سے افضل ہے، اس لئے کہ نبی کی ولایت اُسے تبلیغ، ارشاد، جہاد، تلقین اور تعلق باللہ سے مانع نہیں ہوتی، چنانچہ نبی کا تعلق بالخلق ہوتے ہوئے بھی تعلق و ربط بالخالق پورا پورا ہوتا ہے، لہٰذا نبی جامع بین التعلّقین ہے، بخلاف ولی کے کہ اس میں تعلق بالخالق تو ہے، تعلق بالخلق کم درجہ ہے، اسی لئے ناقص ہے۔

من جملہ اغلاطِ صوفیہ کے یہ بھی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں رحمت کی اُمید کافی ہے، اللہ تعالیٰ کو ہمارے گناہوں پر سزا دینے سے کیا فائدہ ہے؟

اس مغالطے کا جواب یہ ہے کہ تمنی (آرزو) اور رَجا یعنی اُمید میں فرق یہ ہے کہ تمنی یہ ہے کہ کام تو اچھا نہ کرے، مگر اُمید اچھائی کی رکھے، جیسا کہ حضور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''عاقل وہ ہے جو اپنے نفس کو ذلیل کرے اور آخرت کے لئے عمل کرے، اور عاجز وہ ہے جو اپنے نفس اور خواہش کی پیروی کرے اور اللہ تعالیٰ سے آرزوئیں رکھے (اور مغفرت کی تمنا کرے)۔'' (مشکوٰۃ ص:۴۵۱)

اور رَجا، یعنی اُمید صحیح یہ ہے کہ نیک کام کرے، پھر اللہ تعالیٰ پر مغفرت اور مقبولیت کی اُمید رکھے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ ھَاجَرُوْا وَجَاھَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللہِ اُولٰٓئِکَ یَرْجُوْنَ رَحْمَۃَ اللہِ۔'' (البقرۃ:۲۱۸)

ترجمہ:... ''بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جنھوں نے ہجرت کی اور لڑے اللہ کی راہ میں وہ اُمیدوار ہیں اللہ کی رحمت کے۔''

تو رَجا کے لئے تین چیزیں فرمائیں: اٰمَنُوْا، ھَاجَرُوْا، جَاھَدُوْا، یعنی پہلے یقین صحیح ہو، پھر گناہ سے بچے، اور عبادت میں سعی کرے، یہی وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی رحمت کے اُمیدوار ہیں، لہٰذا یہ جاہل صوفی جو کچھ کہتے ہیں وہ قرآن کے خلاف ہے۔

اُمید کے متعلق:

من جملہ ان کی اغلاط کے یہ بھی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ: اخلاقِ رذیلہ: شہوت اور غصہ وغیرہ بالکل نیست و نابود ہوجائیں۔ یہ بھی غلط ہے، بلکہ ریاضت و

مجاہدہ کا یہ مطلب ہے کہ احکامِ شریعت کی تعمیل میں نفسانیت کی رکاوٹ نہ ہو، غصہ اُبھرے تو اعتدال میں رہے، شریعت کی حد سے نہ بڑھے، اسی طرح خواہش بھی حدِ شرعی سے بڑھ کر طمع وحرص تک نہ جائے۔

اسی طرح اخلاق رذیلہ بھی حدِ شرعی سے متجاوز نہ ہوں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے: "وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ" (آل عمران:۱۳۴) فرمایا ہے، اور "وَالْفَاقِدِينَ الْغَيْظَ" نہیں فرمایا، اور: "وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى" (النازعات:۴۰) فرمایا ہے، اور یہ نہیں فرمایا کہ بالکل خواہش ہی نہ رہے۔

من جملہ ان کی اغلاط کے یہ بھی ہے کہ آج کل کے صوفیہ نے متقدمین صوفیہ کے الفاظ کو جو مصداق صحیح پر مستعمل تھے، انہیں اپنے تعیش اور خواہشِ نفسانی پر اطلاق کرنا شروع کردیا، مثلاً: طرب کو وجد، اور راگ کو قوالی، دعوت کو وقت، اور کپڑے بانٹ لینے کو حکم کہہ دیا ہے، حالانکہ وجد وغیرہ شرعی اعتبار سے ایک حالتِ وارِدہ تھی اور وہ بے اختیار تھی، مگر یہ لوگ اپنی نفسانی خواہش پورا کرنے اور اپنے کو عارف دِکھلانے کے لئے من گھڑت چیزیں جہال کے سامنے پیش کرتے ہیں، واللہ تعالیٰ اعلم، اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہدایتِ صحیحہ مقبولہ عطا فرمائے۔

یاد رکھنا چاہئے! کہ آج کل کے متصوفین کی اغلاط تو بے شمار ہیں، مگر ان میں سے چند ایک بطور نمونہ مشت از خروارے پیش کی ہیں، واللہ الہادی!

بابِ یازدہم

مشابہ کرامت کو ولایت سمجھنا:

بار بار عرض کرتا ہوں کہ شیطان کم علمی کے مطابق ہی انسان پر قابو پاتا ہے، چنانچہ جتنا علم کم ہوگا، شیطان کا غلبہ اتنا ہی زیادہ ہوگا، اور جتنا علمِ دِین زیادہ ہوگا،

شیطانی غلبہ بھی اتنا ہی کم ہوگا۔

بعض اوقات عابدین کو روشنی اور نور نظر آتا ہے، کبھی تو وہ نور اور روشنی عناصر کی لطافت سے ہوتی ہے، جیسے: آگ لالٹین میں ہو، تو وہ زیادہ روشن ہوتی ہے، اور اگر آگ گیس بتی میں ہو تو اس سے زیادہ روشن ہوتی ہے، اور اگر وہ روشنی بجلی کے ذریعہ ہو تو روشنی اس سے بھی زیادہ ہوگی۔

کبھی یہ روشنی حواسِ خمسہ ظاہرہ کی لطافت سے ہوتی ہے، چنانچہ بعض لوگ حسِ باصرہ میں مشق کرتے کرتے دُور سے دیکھ لیتے ہیں، حسِ سامعہ میں مشق کرتے کرتے دُور سے سن لیتے ہیں اور حسِ خیال میں تصرف کرتے کرتے اس سے عجائبات دِکھاتے ہیں۔

کبھی یہ روشنی لطائف کی روشنی ہوتی ہے، یعنی قلب اور رُوح وغیرہ کی، پھر یہ روشنی کبھی سینے کے اندر معلوم ہوتی ہے، اور کبھی باہر، اور قریب تک جاتی ہے، اور کبھی دُور تک، اور یہ تمام چیزیں بعض حضرات کو ریاضتوں سے حاصل ہوسکتی ہیں، یہ کوئی کمال نہیں، بدعتی کو بھی حاصل ہوجاتی ہیں، صاحبِ سنت کو بھی حاصل ہوا کرتی ہیں، بدعتی کو نورِ ناری سے، اور سنت پر عمل کرنے والے کو نورِ نبوّت سے، اس میں امتیاز ماہر و عالم شیخ ہی کرسکتا ہے، کمال یہ ہے کہ سنتِ سرورِ عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر صحیح عمل ہوجائے:

ما برائے استقامت آمدیم
نہ پے کشف و کرامت آمدیم

ترجمہ:... ''ہم استقامت کے لئے آئے ہیں، نہ کہ کشف و کرامت کے لئے۔''

جاہل بدعتی نور دیکھ کر اپنے کو ولی اللہ سمجھتا ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ولی ہونا اتباعِ سنت، تقویٰ اور اعتقادِ توحید سے ہوتا ہے، نہ کہ نور اور کشف سے، اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے نہ نور کا دیکھنا منقول ہے، نہ کرامت کا ظہور، کیا وہ ولی اللہ نہ تھے؟

کبھی جاہل عابد کو کسی چیز کا خیال آتا ہے، اور وہ چیز فوراً آجاتی ہے، ممکن ہے کہ یہ کرامت ہو، یا شیطانی دھوکا، مثلاً: پیسے کی ضرورت تھی اور جتنے پیسے کی ضرورت تھی، اتنے ہی راستے میں مل گئے، تو جاہل یہ سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بھیجے ہیں، جبکہ دراصل شیطان نے کسی کے پیسے چوری کرکے اس کے مصلّے یا جیب میں ڈال دیئے، اب ان کا استعمال کرنا جبکہ یہ پتا بھی نہیں کہ یہ کہاں سے آئے ہیں؟ کیونکر جائز ہوگا؟ اور جاہل اُسے اپنی کرامت سمجھ کر عجب اور خود پسندی میں مبتلا ہوجاتا ہے۔

بابِ دوازدہم

عوام پر تلبیس:

اکثر عامی انسان ذاتِ الٰہی اور صفاتِ حق میں غور کرنے سے گمراہ ہوتا ہے، چنانچہ وہ غور کرتے کرتے اللہ تعالیٰ کو ایک صورتِ مصوّرہ سے متصف، مثلاً: ہاتھ، پاؤں، آنکھ، کان اور ناک نقشے کا محتاج سمجھ بیٹھتا ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ وہم، فکر اور خیال سے اُونچی ذات ہے:

توان در بلاغت بسحبان رسید
نہ در کنہ بیچوں سبحان رسید

کبھی شیطان، عوام کو مذہبی تعصب کی رو سے بہکاتا ہے، جس کی وہ حقیقت بھی نہیں جانتا، مگر مرنے مارنے پر تیار ہوجاتا ہے، چنانچہ بعض لوگ حضرت ابوبکر کو اور

بعض حضرت علی رضی اللہ عنہما کو بُرا کہتے ہیں، بعض تقدیر کے انکار، بعض قیامت کے انکار، بعض برادری کے رسم و رواج کی وجہ سے، اور بعض اپنی عقل کو روشن سمجھنے کی وجہ سے قرآن و حدیث کا انکار کرتے ہیں، اور بعض، علماء پر رَدّ ونکیر اور ان سے نفرت کرنے کی وجہ سے گمراہ ہوتے ہیں، جبکہ بعض لوگ خلافِ سنت پیروں کی سخت محبت رکھنے کی وجہ سے دوزخ میں گرتے ہیں، اور بعض جاہل نوافل میں شب و روز تندہی کرتے ہیں، مگر فرائض میں غفلت کرتے ہیں، بعض رات دن ذکر کریں گے، مگر باجماعت نماز میں شریک نہ ہوں گے، یہ عجب دھوکا ہے۔

بعض جاہل مال داروں کو شیطان مال کے حصول و وصول میں گمراہ کرتا ہے، حلال طریقے سے مال آئے یا حرام راستے سے، لے لیتے ہیں۔

بعض مال دار، زکوٰۃ نہیں دیتے یا کچھ ادا کرتے ہیں، مگر پوری زکوٰۃ دینے سے جی چراتے ہیں، تاکہ بخیل بھی مشہور نہ ہوں اور شہرت بھی ہو جائے، اور بعض زکوٰۃ دینے میں حیلہ کرتے ہیں، چنانچہ اپنا سارا مال بیوی کی مِلک کر دیا، اور برس گزرنے سے پہلے بیوی نے میاں کی مِلک کر دیا، نہ برس پورا ہوا اور نہ زکوٰۃ واجب ہوئی۔

بعض زکوٰۃ تو نہیں دیتے مگر مساجد، سڑکوں اور پلوں پر مال خرچ کرتے ہیں، فرض سے کنارہ کشی اور مستحب و مباح میں تندہی! یہ بھی دھوکا ہے، اور بعض لوگ صرف رمضان میں مسجدوں کے لئے چراغ بھیجتے ہیں، حالانکہ سارا سال مسجدوں میں اندھیرا رہتا ہے، یہ سب کچھ شہرت کے ارادے یا کسی دُوسری نیت سے ہوتا ہے۔

بعض مال دار خیرات کر کے فقیر سے اپنی مدح و دُعا چاہتے ہیں، مال دار کو چاہئے کہ مال اللہ تعالیٰ کے لئے دے، فقیر مدح کرے یا نہ کرے، دُعا کرے یا نہ کرے، اس کو اس کی توقع نہ کرنی چاہئے، ہاں! فقیر کو چاہئے کہ محسن کے لئے دُعا

کردے، مال دار پر واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے دے اور بس! بعض مال دار، فقیروں کو خوب کھلاتے ہیں مگر گھر والوں اور بال بچوں کو تنگ رکھتے ہیں، اور فقیر اکثر غنی ہوتے ہیں، مگر فقیرانہ لباس پہن کر، زبان سے یا اپنے لباس کے انداز سے سوالی بنتے ہیں، نیز بعض فقیر اپنے آپ کو مال داروں سے اچھا سمجھتے ہیں۔

اکثر جاہل، کاہن، نجومی اور رمال (فال نکالنے والے) کی بات پر یقین کرتے ہیں، مگر قرآن و حدیث سے رُوگردانی کرتے ہیں، حالانکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

''جو شخص نجومی کے پاس آئے اور اس سے کچھ پوچھے
تو چالیس روز تک اس کی نماز مقبول نہ ہوگی۔''

(مشکوٰۃ ص:۳۹۳ بحوالہ صحیح مسلم)

عوام کی عادتوں میں سے یہ بھی ہے کہ ریشم کے لباس اور سونے کی انگوٹھی پہنتے ہیں، اور بُری بات پر رَدّ ونکیر کو مہمل جانتے ہیں، اور بازاری حمام میں بغیر تہبند کے داخل ہوتے ہیں۔ اور یہ بھی ہے کہ بی بی کا پورا حق ادا نہیں کرتے۔ اور یہ بھی ہے کہ میّت کو صندوق میں رکھ کر دفن کرتے ہیں اور بیش قیمت کفن بناتے ہیں، اور قبروں کی تعظیم میں حد سے بڑھتے ہیں، اور اپنی حاجتوں میں میّت کو خطاب کرتے ہیں، اور اسی مضمون کے رقعے لکھتے ہیں، گویا سماعِ موتیٰ کے اعتقاد کے بعد اُنہیں خودمختار یا شفیعِ مطلق مانتے ہیں، اور تبرکاً قبر کی مٹی لے جاتے ہیں۔

عوام میں سے عورتوں پر شیطان کا فریب زبردست ہے، چنانچہ باوجود قدرت کے فرض نماز بیٹھ کر پڑھتی ہیں، حالانکہ ہر امام کے نزدیک قیام کی قدرت کے باوجود بیٹھ کر نماز پڑھنا ناجائز ہے، اس سے فرضیت ادا نہیں ہوتی، نوافل ہوجائیں

گی۔ معمولی عذر پر نماز چھوڑ دیتی ہیں، اکثر عورتیں واجبات وسننِ نماز نہیں جانتیں، بلکہ غسل کے فرائض تک کا اُن کو پتا نہیں، بلکہ جنابت (ناپاکی) میں رہتی ہیں، اور بعض عورتیں حمل ساقط کرنے کو آسان سمجھتی ہیں (حالانکہ چار ماہ بعد حمل ساقط کرنا حرام اور گناہِ کبیرہ ہے)، اور بعض عورتیں خاوند کے ساتھ رہنے سہنے کو بُرا سمجھتی ہیں، اور خاوند کا ادب کرنے کی بجائے ان کو بُرے کلمات سے مخاطب کرتی ہیں، اور قبروں پر اعتکاف بیٹھتی ہیں، اور مرد کے مال میں بلااجازت تصرف کرتی ہیں، وغیر ذالک، اللہ تعالیٰ ہم سب کو خطاؤں اور لغزشوں سے بچائے اور معاف کرے، اور نیک بات اور نیک کام کی توفیق بخشے، اللّٰھم امین!

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

والصلوٰۃ والسلام علی خیر خلقہ واتباعہ دائماً ابداً

ضروری گزارش:

جاننا چاہئے کہ تصوّف تعمیر الظاہر والباطن کا نام ہے، ظاہر یعنی جسم کو اور جسم کے متعلقات یعنی عبادات و معاملات کو اَحکامِ شریعت سے آباد کرے، اور باطن کو اعتقادِ صحیحہ اور اخلاقِ حمیدہ سے آباد کرے، یہ نعمت ہے، رحمت ہے، یہی شریعت ہے، اور یہی حقیقت ہے۔

عرض:

یہ رسالہ اس لئے نہیں لکھا کہ لوگوں کی اغلاط بیان کی جائیں، بلکہ اس لئے کہ اپنی اور اپنے احباب کی اصلاح و سدھار ہوجائے، واللہ الہادی، اللہ تعالیٰ قبول

فرمائے اور میرے اور تمام اہلِ اسلام کے لئے ذخیرۂ آخرت بنائے، وَمَا ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ بِعَزِیْزٍ! وَمِنْ فَضْلِ اللّٰہِ لَیْسَ بِبَعِیْدٍ!

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام

علیٰ خیر خلقہ محمد وآلہٖ واصحابہٖ واتباعہٖ اجمعین من

الصلوٰۃ والسلام افضلھما واکملھما وادومھما

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم

لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم

سبحانک اللّٰھم وبحمدک استغفرک واتوب الیک.

۱۵ر صفر المظفر ۱۳۸۶ھ

چودھویں صدی کے اخر میں ولایت ہے محال
اُٹھ گئی وہ مئے و میخانہ رہی ہے قیل و قال
صد ہزاراں شکر کیجئے گر ملے صاحبِ خصال
مدت و محنت وصحبتِ شیخ سے بدلے گا حال
(ناقص شجاع آبادی)

مجدّد الملّت حکیم الاُمت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب قدس سرہٗ کی چند وصیتیں اور مشورے:

۱:...شہوت وغضب کے مقتضا پر عمل نہ کریں۔

۲:...تعجیل نہایت بُری چیز ہے۔

۳:...بے مشورہ کوئی کام نہ کریں۔

۴:...غیبت قطعاً چھوڑ دیں۔

۵:... بدون پوری رغبت کے کھانا ہرگز نہ کھائیں۔

۶:... بدون سخت تقاضے کے ہم بستر نہ ہوں۔

۷:... بدون سخت حاجت کے قرض نہ لیں۔

۸:...فضول خرچی کے پاس نہ جائیں۔

۹:...غیرضروری سامان جمع نہ کریں۔

۱۰:...سخت مزاجی وتندخوئی کی عادت نہ ڈالیں، رفق، ضبط اور تحمل کو اپنا شعار بنائیں۔

۱۱:...زیادہ تکلف سے بہت بچیں، اقوال وافعال میں بھی، طعام ولباس میں بھی۔

۱۲:... مقتداء کو چاہئے کہ اُمراء سے بدخلقی نہ کرے، اور نہ زیادہ اختلاط رکھے، اور نہ اُن کو کبھی حتی الامکان بالخصوص دُنیوی نفع حاصل کرنے کے مقصد کے لئے۔

۱۳:...معاملات کی صفائی کو دیانات سے بھی زیادہ مہتم بالشان سمجھیں۔

۱۴:...زبان کی ہر قسم کی معصیت و لایعنی سے غایت درجہ احتیاط کریں۔

۱۵:...حق پرست رہیں، اپنے قول پر جمود نہ کریں۔

۱۶:...تعلقات نہ بڑھائیں۔

۱۷:...کسی کے دُنیوی معاملے میں دخل نہ دیں۔

۱۸:...روایات و حکایات میں بے انتہا احتیاط کریں، اس میں بڑے بڑے دِین دار اور فہیم لوگ بے احتیاطی کرتے ہیں، خواہ سمجھنے میں یا نقل کرنے میں۔

۱۹:... کثرتِ کلام اگرچہ مباح کے ساتھ ہو، اور کثرتِ اختلاطِ خلق بلاضرورتِ شدیدہ و بلامصلحتِ مطلوبہ، خصوصاً جبکہ ہر کس و ناکس کو رازدار بھی بنالیا جائے، نہایت مضرّ چیز ہے۔

صبغۃ اللہ و طبِ روحانی

یعنی

خدائی رنگ



قطب الارشاد حضرت مولانا محمد عبد اللہ بہلوی قدس سرہ

بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی، اَمَّا بَعْدُ!

تصوّف کی تعریف:

جاننا چاہئے کہ تصوّف تعمیر الظاہر والباطن کا نام ہے۔

یعنی اپنے ظاہر کو اُن اعمال سے آراستہ کرے جو جسم کے ظاہری اعضاء سے کئے جاتے ہیں اور ان کا کرنا ضروری ہے، جیسے: نماز، روزہ وغیرہ۔

اور باطن کو بُرے عقیدے اور بُری عادتوں، جیسے: ریا، حسد وغیرہ سے پاک کرے، اس کو تخلیہ کہتے ہیں۔

اور سچے عقیدوں اور نیک عادتوں، جیسے: اِخلاص، شکر، صبر وغیرہ سے آراستہ کرے، اس کو تجلیہ کہتے ہیں۔

ہر دو کے اس مجموعہ کے حاصل کرنے کا نام ولایتِ عامہ ہے، اور ولایت کا یہ درجہ ہر مسلمان متقی کو حاصل ہے اور اس درجے کا حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

ولایت ونسبت:

دُوسرا درجہ ولایت کا یہ ہے کہ ان مذکورہ باتوں کے ساتھ ظاہر کو نفل عبادتوں اور باطن یعنی دِل کو ہمیشہ اللہ کی یاد میں مشغول رکھے اور کسی دَم غافل نہ ہو، اس کو

نسبت کہتے ہیں، اس درجے کا نام ولایتِ خاصہ ہے، اور ولایت کا یہ درجہ صرف بزرگوں کو حاصل ہے، اس درجے کو حاصل کرنا مستحب ہے، اس درجے کے حاصل کرنے کے لئے بقدرِ ضرورت علمِ دِین سیکھنا اور سیکھے ہوئے علم پر عمل کرنے کا پختہ ارادہ کرنا ضروری ہے۔

تطہیر الظاہر کے دس اُصول:

تطہیر الظاہر کے معنی ہیں: اپنے ظاہر کو پاک کرنا، پھر اس تطہیر الظاہر کے دس اُصول ہیں:

۱:...نماز:

اس میں تین باتوں کا پورا لحاظ رکھنا چاہئے، اوّل نماز سے پہلے وضو کی نگاہ داشت کرے، اس کی سنتوں اور مستحبات کا پورا لحاظ رکھے اور ہر عضو کے دھونے پر حدیث میں جو دُعا آئی ہے، پڑھے۔

فائدہ:...حق تعالیٰ نے ظاہر اور باطن میں ایک ایسا خاص تعلق رکھا ہے جس کی وجہ سے ظاہری طہارت کا اثر باطنی طہارت تک ضرور پہنچتا ہے۔

دوم:...نماز کے جملہ ارکان خواہ سنتیں ہوں یا مستحب، ذکر ہو یا تسبیح، سب کو اپنے اپنے قاعدہ پر ادا کرو۔

سوم:...نماز کی رُوح کا زیادہ لحاظ رکھو، یعنی نماز میں شروع سے اخیر تک اِخلاص اور حضورِ قلب قائم رکھو، اور جو الفاظ زبان سے کہتے ہو یا جو کام اعضاء سے کرتے ہو، ان کا اثر دِل میں بھی پیدا کرو، اس توجہ کو آہستہ آہستہ بڑھاؤ۔

۲:...زکوٰۃ، خیرات:

عام قاعدہ ہے کہ انسان اپنے اس محبوب کے نام پر جس کی محبت قلب میں

زیادہ ہوتی ہے، اپنی تمام مرغوبات اور پیاری چیزیں لٹادیا کرتا ہے، پس مال جیسی پیاری چیز کا حق تعالیٰ کے نام پر خرچ کرڈالنا خدا کے ساتھ محبت کے بڑھے ہوئے ہونے کی علامت ہے، اور بخل کرنا خدا کی محبت کے نہ ہونے کی علامت ہے، تو اس زکوٰۃ و خیرات میں محبت کی علامت بھی ہے اور بخل کی بدخصلت کا دُور کرنا بھی ہے، مگر چونکہ اس میں ریا کے خطرناک مرض کا اندیشہ ہے، اس لئے چھپا کر دینے میں ریا سے نجات مل جائے گی۔

۲:... دُوسری شرط اس میں یہ ہے کہ جسے خیرات دیا کرو، اس پر احسان نہ سمجھو، اور اس سے شکرگزاری کی توقع بھی نہ رکھو، اور اگر صدقہ دینے کے بعد صدقہ لینے والا تمہارے دُشمن کے ساتھ محبت کرنے لگے تو تم کو ناگوار نہ ہو، بلکہ تم اس محتاج کو اپنا محسن سمجھو کہ اس نے تم سے صدقہ لے کر تم کو حقِ خداوندی سے سبکدوش کردیا۔

۳:... تیسری بات یہ ہے کہ عمدہ سے عمدہ اور پاکیزہ مال خیرات کرو۔

۴:... چوتھی بات یہ ہے کہ ہشاش بشاش ہوکر دیا کرو۔

۵:... پانچویں بات یہ ہے کہ صدقہ کے لئے عمدہ مصرف تلاش کیا کرو، یا تو کسی پرہیزگار عالم کو دیا کرو، یا کسی عیال دار نیک بخت مسلمان کو۔

۳:...روزہ:

حدیث شریف میں آیا ہے کہ:

> ''حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ: ہر نیکی کا ثواب دس گنا سے سات سو گنا تک لکھا جاتا ہے، مگر روزہ خاص میرا ہے، اور میں خود اس کا صلہ ہوں، جو چاہوں گا، دُوں گا۔''
>
> (مشکوٰۃ ص:۱۷۳ بحوالہ بخاری و مسلمؒ)

روزہ کی تین قسمیں:

خوب سمجھ لو کہ روزہ کی تین قسمیں تو اس کی کیفیت کے اعتبار سے ہیں، اور تین ہی درجے اس کی مقدار کے اعتبار سے ہیں۔

مقدار کے اعتبار سے ادنیٰ درجہ تو یہ ہے کہ صرف ہر سال کے رمضان کے فرض روزے رکھ لیا کرے۔

اور اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ جس طرح حضرت داوٗد علیہ السلام روزے رکھتے تھے، اسی طرح ایک دن روزہ رکھے اور دُوسرے دن نہ رکھے، پھر تیسرے دن رکھے اور چوتھے دن نہ رکھے۔

اور متوسط درجہ یہ ہے کہ عمر کا تہائی حصہ روزہ میں صرف ہوجائے، لہٰذا مناسب ہے کہ ماہِ رمضان کے علاوہ ہر ہفتے میں دوشنبہ (سوموار) اور پنجشنبہ (جمعرات) کا روزہ رکھ لیا کرو، اس حساب سے سال بھر میں چار ماہ اور چار یوم کے روزے ہوجائیں گے۔

روزہ کی کیفیت کے اعتبار سے اس کی تین قسمیں یہ ہیں:

۱:... ایک عوام کا روزہ کہ صرف روزہ توڑنے والی چیزوں سے بچتے ہیں۔

۲:... دُوسرا درجہ یہ ہے کہ بدن کے کسی عضو سے بھی کوئی کام خلافِ شرع نہ ہو، یعنی زبان غیبت سے محفوظ رہے، اور آنکھ نامحرم کو بُری نظر سے دیکھنے سے بچی رہے، وغیرہ۔

۳:... اور تیسرا روزہ خاص بندوں کا ہے کہ اعضائے بدن کے ساتھ ان کا قلب بھی فکر و وسواس سے محفوظ رہتا ہے، اور سوائے ذکرِ الٰہی کے کسی چیز کا اُن کے دِل میں گزر نہیں ہونے پاتا۔

۴:...حج:

حج بھی دِین کا ستون ہے، اس عبادت میں رموز و اسرار تو بہت ہیں، مگر ہم صرف ایک ہی مضمون بیان کرتے ہیں، وہ یہ ہے کہ بندوں کی غلامی کا اظہار اور ان کی بندگی کا امتحان ہوجائے، اور فرماں بردار غلام اپنے آقا کے دربار میں دُور دراز جگہوں سے بالقصد زیارت کرنے اور جوق در جوق ایسی حالت میں آئیں کہ بال بکھرے ہوئے ہوں، غبار آلودہ ہوں، شاہی ہیبت و جلال سے سراسیمہ و پریشان حال ہوں، ننگے سر، ننگے پاؤں، مسکین و محتاج بنے ہوئے ہوں، چنانچہ اس مصلحت سے، اس عبادت میں جس قدر بھی اعمال و ارکان مقرّر کئے گئے ہیں، وہ سب کے سب بعید از عقل و قیاس ہیں، تاکہ ایسے اعمال کا ادا کرنا محض حق تعالیٰ کے حکم کی تعمیل سمجھ کر ہو، اور کسی طبعی خواہش یا عقلی حکمت کی اتباع اس کا سبب اور باعث نہ ہو۔

۵:...تلاوت و آدابِ تلاوت:

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

> ''میری اُمت کے لئے سب سے بہتر، کلام اللہ کی تلاوت ہے۔'' (رواہ البیہقی)

تلاوت کے ظاہری آداب:

تلاوت کے ظاہری آداب تین ہیں:

اوّل:... یہ کہ تلاوت کرتے وقت دِل میں بھی کلام اللہ کا احترام ہو، اس کی صورت یہ ہے کہ وضو کرکے نہایت سکون کے ساتھ گردن جھکائے ہوئے قبلہ کی طرف منہ کرکے دو زانو اس طرح بیٹھو جس طرح اُستاذ کے سامنے بیٹھتے ہیں، اور تجوید کے موافق حروفِ قرآنیہ کو پڑھو، اور ٹھہر ٹھہر کر تلاوت کرو۔

دوم:... کبھی کبھی فضیلتِ تلاوت کا انتہائی درجہ حاصل کرلیا کرو، وہ یہ ہے کہ شب کے وقت بحالتِ نماز کلام اللہ پڑھو۔

سوم:... یہ کہ تلاوت کی مقدار کا بھی خیال رکھو، ادنیٰ درجہ تو یہ ہے کہ مہینے میں ایک ختم کرو، اور افضل درجہ یہ ہے کہ تین دن میں ختم کرو۔

تلاوت کے باطنی آداب:

اوّل:... جس طرح حق تعالیٰ کی عظمت و جلال دِل میں ہے، اسی طرح اس کے کلام کی عظمت قلب میں بھی ہونی چاہئے۔

دوم:... یہ کہ اگر قرآنِ کریم کے معنی سمجھ سکتے ہو تو کوئی آیت بھی بلا سمجھے تلاوت نہ کرو، حضرت علی کرّم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ: اس تلاوت سے کیا نفع جس میں سمجھنے سے واسطہ نہ ہو؟

ایک عارف فرماتے ہیں کہ: میں ہر ہفتے میں ایک ختم کرتا ہوں، اور ایک ہر مہینے میں، اور ایک ختم ایسا ہے کہ جس کو سال بھر میں ختم کرتا ہوں، اور ایک تلاوت ایسی بھی کہ جس کو تین سال سے شروع کر رکھا ہے، اور اب تک پورا کلام مجید ختم نہیں ہوا۔

سوم:... یہ کہ قرآن مجید کا مطلب سمجھنے میں جو اُمور مانع ہیں، ان کو جہاں تک ہوسکے دفع کرو۔

۶:... ذکرِ الٰہی:

حق تعالیٰ جل شانہ ارشاد فرماتا ہے:

”وَاذْكُرُوا اللهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ.“ (الجمعہ:۱۰)

ترجمہ:... ”اللہ تعالیٰ کا کثرت سے ذکر کرو، تاکہ فلاح پاؤ۔“

اور حدیث شریف میں ہے کہ:

''اللہ کا ذکر جہاد، صدقات اور خیرات، سب سے افضل ہے۔'' (مشکوٰۃ ص:۱۹۸)

اس سے معلوم ہوا کہ ذکر اللہ سے بہتر کوئی عمل نہیں۔

ذکر کے لئے ایک مغز اور تین پوست:

ذکرِ الٰہی کے لئے ایک مغز اور تین پوست ہیں، مغز تو مقصود بالذات ہے، مگر پوست اس لئے مقصود اور محبوب ہیں کہ وہ مغز تک پہنچنے کے ذرائع اور اسباب ہیں۔

پہلا پوست: صرف زبان سے ذکر کرنا ہے۔

دُوسرا پوست: قلب سے ذکر کرنا ہے، جبراً اور بہ تکلف اس کا خوگر ہونا۔

تیسرا پوست: یہ ہے کہ ذکرِ الٰہی قلب میں جگہ کرلے اور ایسا گڑ (راسخ ہو) جائے کہ اس کا چھڑانا دُشوار ہوجائے۔

چوتھا درجہ: جو کہ مغز اور مقصود بالذات ہے، وہ یہ ہے کہ قلب میں ذکر کا نام ونشان بھی باقی نہ رہے، بلکہ مذکور یعنی حق تعالیٰ کی ذات ہی ذات باقی رہ جائے کہ نہ قلب کی طرف توجہ رہے، نہ ذکر کی جانب التفات، اور نہ ہی اپنی خبر ہو، نہ کسی دُوسرے کی، غرض ذاتِ پاک کی محبت میں استغراق ہوجائے، اسی حالت کا نام فنا ہے، اور اس حالت پر پہنچ کر بندہ کو نہ اپنی حس وحرکت کا علم ہوتا ہے اور نہ باطنی عوارض کا۔ یہاں تک کہ اپنے فنا ہوجانے کا بھی علم باقی نہیں رہتا، جیسے دفعتاً کوئی شاہی دربار میں آجائے تو مارے ہیبت کے اس کو نہ اپنی خبر رہتی ہے، نہ دُوسرے کی۔

۷:...طلبِ حلال:

حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

"کُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا."

(المؤمنون:۵۱)

یعنی پاک چیز کھایا کرو، اور نیک کام کیا کرو۔

یاد رکھو کہ رزقِ حلال کو قلب کی نورانیت میں بڑا دخل ہے، لہٰذا مالِ حرام سے بچنا اور تقویٰ اختیار کرنا نہایت ضروری ہے۔

تقویٰ کے چار درجے:

۱:... پہلا درجہ: جن چیزوں یا جس مال کی حرمت پر فقہائے شریعت کا فتویٰ ہے، ان کا استعمال نہ کرو۔

۲:... دُوسرا درجہ صلحاء کا تقویٰ ہے: یعنی مشتبہ چیز سے پرہیز کرنا۔

۳:... تیسرا درجہ اتقیاء کا تقویٰ ہے: جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

"لا یبلغ العبد ان یکون من المتقین حتی یدع ما لا بأس به حذرًا لما به بأس." (مشکوٰۃ ص:۲۴۲ بحوالہ ترمذی)

ترجمہ:... "مسلمان جب تک خطرے والی چیزوں میں مبتلا ہونے کے اندیشے سے بے خطرہ چیزوں کو بھی ترک نہ کرے گا، اس وقت تک اتقیاء کے درجے کو ہرگز نہ پہنچے گا۔"

کیونکہ اگر آج حلال کا مزہ پڑا ہے تو کل کو حرام کی لذّت حاصل کرنے کا شوق ہوجائے گا۔

۴:... چوتھا درجہ صدیقین کا تقویٰ ہے: یعنی جس چیز کے کھانے سے عبادت اور اطاعت پر قوت حاصل نہ ہو، اس سے پرہیز کرنا، اگر یہ درجات حاصل نہ کرو تو

پہلے درجے کا تقویٰ حاصل کرنا تو بہرحال ضروری ہے۔ اور اس کے ساتھ دو باتوں کا اور بھی خیال رکھو:

ا:... بعض فقہاء نے جو حیلے بیان کئے ہیں، ان کی جانب التفات نہ کرو، مثلاً: سال ختم ہونے سے پہلے اپنا تمام مال بیوی کے نام منتقل کردیا تو اس پر زکوٰۃ نہیں۔ اسی طرح بلاضرورتِ شدیدہ کے کسی سے سوال نہ کرو، نیز اپنے دِین کو ذریعۂ کسب نہ بناؤ، مثلاً: اس نیت سے صلحاء وفقراء جیسی صورت نہ بناؤ کہ ہمیں بزرگ سمجھ کر لوگ ہدیہ دیں گے، حالانکہ تم بالکل کورے ہو، اور تمہارا دِل گندگی سے آلودہ ہے۔

۲:... دُوسری بات یہ ہے کہ صرف علماء کے فتویٰ پر اکتفا نہ کیا کرو، بلکہ اپنے دِل سے بھی پوچھ لیا کرو کہ اس معاملے میں دِل کیا کہتا ہے؟ کیونکہ گناہ کی بات مسلمان کے دِل میں ضرور کھٹکتی ہے۔

۸:... مسلمانوں کے حقوق محفوظ رکھو:

جان لو کہ دُنیا ایک مسافرخانہ ہے، ہم جنس مسافروں کے ساتھ نیک برتاؤ کرنا بھی دِین کا ایک رُکن ہے، حضرتِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ: مسلمان وہی ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے اللہ کی مخلوق محفوظ رہے، یعنی ایذا نہ پہنچے، اور اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ مخلوق کو نفع پہنچاؤ، مخلوق کے حقوق محفوظ رکھنے کے لئے ان باتوں کا لحاظ رکھو:

اوّل:... جو کچھ اپنے لئے بہتر سمجھو، وہی دُوسروں کے لئے بہتر سمجھو۔

دوم:... ہر کسی کے ساتھ تواضع سے پیش آؤ۔

سوم:... بڑوں کی تعظیم کرو اور چھوٹوں پر شفقت کی نظر رکھو۔

چہارم:... ہر شخص کے ساتھ خندہ روئی کے ساتھ پیش آؤ۔

پنجم:... مسلمانوں کے عیب ہرگز ظاہر نہ کرو۔

ششم:... تہمت کی جگہ سے بچو۔

ہفتم:... برتاؤ کے وقت لوگوں کے مرتبہ کا خیال رکھو۔

ہشتم:... مسلمانوں کی حاجت روائی میں کوشش کرو۔

نہم:... بیمار مسلمانوں کی عیادت کیا کرو، اور کوئی مسلمان انتقال کر جائے تو اس کے جنازے کے ساتھ ساتھ جاؤ۔

دہم:... شریر لوگوں سے بھی اس نیت سے مدارت کرو کہ اس طرح ان کے شر سے محفوظ رہوگے۔

یازدہم:... زیادہ تر مسکینوں کے پاس اُٹھو بیٹھو، اور اُمراء کی صحبت سے پرہیز کرو، وغیر ذالک۔

۹:... اَمر بالمعروف و نہی عن المنکر:

اللہ پاک فرماتا ہے کہ:

"وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ أُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ، وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ." (آل عمران:۱۰۴)

ترجمہ:... "تم میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہونے چاہئیں جو نیکی کی جانب بلائیں اور اچھے کاموں کا حکم کریں اور بُرائیوں سے منع کریں، یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔"

اگر تم نے کسی جگہ پر کوئی ناجائز کام ہوتا ہوا دیکھا اور خاموش بیٹھے رہے، تو اس گناہ میں تم بھی شریک سمجھے جاؤ گے، کیونکہ غیبت کرنے والا اور سننے والا گناہ کے

اندر دونوں برابر ہیں۔

اسی طرح ریشمی لباس یا سونے کی انگوٹھی پہننے والے جس قدر گناہگار ہیں، اسی قدر اس کے وہ یار دوست، یعنی اس کے پاس بیٹھنے والے مسلمان بھی گناہگار ہیں جو اس کو ریشمی لباس اور طلائی انگشتری پہنتے دیکھتے ہیں مگر منع نہیں کرتے۔

اسی طرح ایسے مکانوں میں بیٹھنا جن کی دیواروں پر تصویریں ہوں، یا بدعت کی مجلس میں شریک ہونا، یا کسی مباحثہ اور مناظرہ کے ایسے جلسے میں جانا جہاں سبّ وشتم اور لغو مشغلہ ہو، سب گناہ ہے، پس خوب سمجھ لو کہ ان گناہوں کے موقع سے صرف بچنا ہی ضروری نہیں ہے، بلکہ جب تک بے تأمل نصیحت نہ کروگے اور گناہ سے ان کو نہ روک دوگے، اس وقت تک ہرگز عہدہ برآ نہ ہوسکوگے، ہاں! اگر اس کو معلوم ہو کہ یہ لوگ میری بات کی بالکل پروانہیں کریں گے، بلکہ نظرِ حقارت سے دیکھیں گے، یا اس کو کہنے کی قدرت ہی نہیں ہے، تو اس وقت منع نہ کرنے کا گناہ نہیں ہے۔

۱۰:...اتباعِ سنت:

چونکہ اصل سعادت یہی ہے کہ تمام حرکات وسکنات میں جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کیا جائے، اس لئے سمجھ لو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام افعال دو قسم پر ہیں:

اوّل:...عبادات، جیسے: نماز، روزہ، حج، جہاد وغیرہ۔

دوم:...عادات، مثلاً: کھانا پینا، اُٹھنا بیٹھنا، وغیرہ۔

مسلمان پر لازم ہے کہ دونوں قسم کے افعال میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا کرے، کیونکہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”وَمَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ، وَمَا نَهٰکُمْ عَنْهُ

فَانْتَھُوْا." (الحشر:۷)

یعنی پیغمبر جو کچھ بھی تم کو دے اس کو لے لو، اور جس چیز سے منع کرے، اس سے باز آجاؤ۔

یہ ارشاد عادت اور عبادت دونوں کو شامل ہے، اس آیت میں رمز (اشارہ) یہ ہے کہ انسان، جانوروں کی طرح آزاد و بے کار نہیں پیدا کیا گیا، بلکہ اس کو اشرف المخلوقات اور شریعت کا پابند بنایا گیا ہے، اس لئے مناسب ہے کہ جو کام کرو، سنت کے موافق کرو، تاکہ نفس محکوم و مطیع بنا رہے، اور تم فرشتہ خصلت بن جاؤ۔

یہ جو کچھ بیان کیا گیا ہے، یہ اُمورِ عادیہ میں اتباعِ سنت کی ترغیب کا بیان ہے، تاکہ اتباع کی وجہ سے اس کی عادت بھی عبادت بن جائے، اور قلب کو صلاحیت اور نور حاصل ہو، کیونکہ قلب کو اعضاء سے خاص تعلق ہے، اور اعضائے بدن کے تمام افعال کا اثر دِل کے اندر پہنچتا ہے، جب اس کے تمام افعال، حرکات اور سکنات میں اتباع ہوگی، اور اتباع عبادت ہے، اور عبادت میں نورانیت ہے، تو قلب بھی نورانی ہوجائے گا۔

جن اعمال کو عبادت سے تعلق ہے اور ان کا اجر وثواب بھی بیان کیا گیا ہے، ان میں اتباع چھوڑ دینے کی وجہ تو سوائے کفرِ خفی یا حماقتِ جلی کے اور کوئی نظر نہیں آتی، مثلاً: حضرتِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

"جماعت سے نماز پڑھنے کو تنہا نماز پڑھنے پر ستائیس درجے کی فضیلت ہے۔"

اس کے بعد بھی اگر کوئی مسلمان جماعت کی نماز ترک کرے تو اس کا سبب یا تو حماقت ہے، کیونکہ اگر کوئی شخص دو پیسہ چھوڑ کر ایک پیسہ لے تو اس کو احمق ہی کہا جائے گا، اسی طرح اگر کوئی ستائیس فضیلتیں چھوڑ کر ایک پر اکتفا کرے تو، کیونکر

بے وقوف نہ ہوگا، اگر کوئی یہ خیال کرے کہ حضرتِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے مصلحتِ انتظامی کی بنا پر ایسا فرمایا ہے، تاکہ لوگ جمع ہوجایا کریں، پس اگر کسی نے ایسا خیال کیا تو یہ کفر ہے، اور کفر بھی ایسا خفی کہ اس کی اطلاع اپنے آپ کو بھی نہیں، نعوذ باللہ تعالیٰ من ذالک!

تعمیر الظاہر کی مختصر تفصیل ختم ہوئی، اب تعمیر الباطن بتوفیق اللہ تعالیٰ مختصر طور پر پیشِ خدمت ہے۔

تعمیر الباطن کے دس اُصول:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

''قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا.'' (الشمس:۹)

یعنی جس نے اپنا قلب پاک بنالیا، وہی فلاح کو پہنچا۔

اور حضرت رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

''طہارت نصف ایمان ہے۔'' (مشکوٰۃ ص:۳۸)

کیونکہ ایمان کے دو جزو ہیں، یعنی قلب کو ان نجاستوں سے پاک کرنا جو حق تعالیٰ کو ناپسند ہیں اور ان خوبیوں سے آراستہ کرنا جو اللہ تعالیٰ کو محبوب اور پسند ہیں، گویا نجاست سے پاک کرنا، ایمان کا ایک جزو ہے، اور اطاعت و عبادت سے اس کو مزین و آراستہ کرنا اس کا دُوسرا ٹکڑا ہے، لہٰذا اوّل اخلاقِ ذمیمہ معلوم ہونا چاہئیں، جن سے قلب کو پاک رکھنا ضروری ہے، سو ان کے بھی دس اُصول ہیں، ہر ایک کا بیان جدا جدا ہے۔

۱:... کثرتِ اکل و حرصِ طعام:

زیادہ کھانا اور پیٹ بھرنے کی ہوس بیسیوں گناہوں کی جڑ ہے، کیونکہ اس

سے جماع کی خواہش بڑھتی ہے، اس پر مال حاصل کرنے کی خواہش ہوتی ہے، کیونکہ شہوتیں بغیر مال کے پوری نہیں ہوسکتیں، اس کے بعد طلبِ جاہ کی خواہش ہوتی ہے، کیونکہ جاہ کے بغیر مال کا حاصل ہونا دُشوار ہے، اور جب مال و جاہ کی خواہش پیدا ہوگی تو تکبر، ریا، حسد، کینہ، عداوت، اور بہت سی دُوسری آفتیں پیدا ہوجائیں گی، اور دِین کی تباہی کا پورا سامان اکٹھا ہوجائے گا۔

جبکہ کم کھانے میں یہ فوائد ہیں کہ: قلب میں صفائی ہوتی ہے، دِل رقیق ہوجاتا ہے، مناجات میں مزہ آتا ہے، سرکش نفس ذلیل و مغلوب ہوجاتا ہے، تمام شہوتیں کمزور پڑجاتی ہیں، نیند زیادہ نہیں آتی، اور عبادت گراں نہیں گزرتی، وغیر ذالک۔

علاج:... چونکہ شکم سیری اور زیادہ کھانے کی لوگوں کو عادت پڑی ہوئی ہے، اس لئے یک لخت اس کا چھوڑنا دُشوار ہے، لہٰذا اپنی مقرّرہ خوراک میں سے ایک لقمہ روزانہ کم کرو، تو مہینے بھر میں ایک روٹی کم ہوجائے گی، اور کچھ گراں بھی نہ گزرے گا۔

۲:... کثرتِ کلام و فضول گوئی کی ہوس:

یاد رکھو! کہ جب زبان جھوٹی ہوجاتی ہے تو دِل میں بھی صورتِ کاذبہ کی تصویر کھینچتی اور کجی آجایا کرتی ہے، خصوصاً جبکہ فضول اور لغوگوئی بھی ساتھ ہو، زبان کے متعلق گناہوں سے بچنے کے لئے اس آیت پر عمل کرنا کافی ہے: "لَا خَیْرَ فِیْ کَثِیْرٍ مِّنْ نَّجْوٰھُمْ" جس کے منشا کا خلاصہ یہ ہے کہ فضول اور بے ہودہ کلام نہ کرو، صرف ضروری بات کے اظہار پر اکتفا کرو کہ اس میں نجات ہے، زبان کے متعلق بہت سی آفتیں ہیں اور غیبت کے متعلق حدیث شریف میں ہے کہ غیبت زنا سے بھی بدتر ہے۔ (رواہ ابن ابی الدنیا) اور غیبت کرنا مردہ مسلمان کا گوشت کھانے کی مانند ہے۔

اس کی حقیقت یہ ہے کہ کسی مسلمان سے متعلق اس کے پیٹھ پیچھے کوئی ایسی

واقعی بات کرنا کہ اگر وہ سنے تو اس کو ناگوار گزرے، مثلاً: کسی کو بے وقوف یا کم عقل کہنا، یا کسی کے حسب ونسب میں نقص نکالنا، یا کسی شخص کی کسی حرکت، مکان، مویشی یا لباس وغیرہ، غرض جس شے سے بھی اس کو تعلق ہو، اس کا کوئی ایسا عیب بیان کرنا جس کا سننا اسے ناگوار ہو، خواہ زبان سے یا اشارہ، کنایہ، ہاتھ، آنکھ کے اشارہ، نقل اُتارنے یا تعریض سے کیا جائے، یہ سب غیبت میں داخل ہیں، ہاں! اگر مظلوم، افسرِ اعلیٰ تک، ظالم کی شکایت پہنچائے، یا مفتی سے فتویٰ لینے کے لئے استفتاء میں اَمرِ واقعی کا اظہار کرے تو جائز ہے۔

علاج:...اس کا علاج یہ ہے کہ غیبت کے نقصان اور سزا میں غور کرو۔

فضول جھگڑا کرنا:

اس کی حقیقت یہ ہے کہ کسی کی بات پر سوائے دِینی فائدے کے اعتراض کرنا اور اس کے لفظ یا معنی میں غلطی اور نقص نکالنا جھگڑا ہے، اور یہ اکثر دو وجہ سے ہوتا ہے:

۱:... یا تو تکبر کی بنا پر، اپنی بڑائی اور تیز زبانی کا اظہار مقصود ہوتا ہے۔

۲:... یا دُوسرے شخص کو چپ کرانے اور عاجز کردینے کا شوق ہوتا ہے، اسی لئے مسلمان کو چاہئے کہ جو بات واقعی اور حق ہو، اس کو تسلیم کرے اور جتنی خلافِ واقعہ اور غلط ہو، اس پر سکوت اختیار کرے۔

مزاح و دِل لگی کرنے اور زیادہ ہنسنے، ہنسانے سے قلب مردہ ہوجاتا ہے اور ہیبت و وقار جاتا رہتا ہے، اور اکثر اوقات اس سے عداوت و کینہ بھی پیدا ہوجاتا ہے، البتہ تھوڑے مزاح میں کچھ مضائقہ نہیں، مگر اس کی عادت ڈالنا اچھا نہیں۔

جھوٹ بولنا: جھوٹ کی بُرائی اور قباحت کون نہیں جانتا؟ ہاں! صلح کرانے،

جہاد میں دُشمن کے دھوکے سے بچاؤ اور بی بی کے راضی کرنے کے لئے تعریف کرنا جائز ہے، وغیر ذالک من الآفات۔

۳:... غصّے کا بیان:

غصہ بُری بلا ہے، یہی مار پیٹ، گالی اور زبان درازی کے گناہ کراتا ہے، اسی سے حسد، کینہ، بدگمانی، افشائے راز اور ہتکِ عزّت کے عزم کی باطنی معصیتیں ہوتی ہیں، اس کی حقیقت یہ ہے کہ بدلہ لینے کے لئے خون جوش میں آتا ہے۔

علاج:... اس کا علاج دو طرح سے ہے، اوّل اس کو ریاضت و مجاہدہ سے توڑنا چاہئے، مگر توڑنے سے مقصود یہ نہیں کہ غصّے کا مادّہ ہی باقی نہ رہے، اس لئے کہ اگر مادّہ ہی جاتا رہا تو کفار سے جہاد کیونکر ہوگا؟ اور فساق و مبتدعین کی خلافِ شرع باتوں پر ناگواری کس طرح ہوگی؟ اس ریاضت سے مقصود یہ ہو کہ اس کو مہذب اور عقل و شرع کا تابعدار بنالیا جائے، چنانچہ جہاں شریعت حکم دے تو غصہ بھڑک اُٹھے اور اپنا کام کرے، ورنہ چپ رہے۔

ریاضت کی صورت یہ ہے کہ جب کوئی غصہ پیدا کرنے والا واقعہ پیش آئے تو نفس پر جبر کیا کرو اور غصّے کو بھڑکنے نہ دو، اسی سے غصہ مطیع بن جائے گا۔ غصّے کا عملی علاج یہ ہے کہ غصّے کے وقت خدا تعالیٰ کی قدرت کو یاد کرو اور "اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ" پڑھو، کیونکہ غصہ شیطانی اثر ہے، نیز اپنی حالت بدل دو، یعنی اگر کھڑے ہو تو بیٹھ جاؤ اور بیٹھے ہو تو لیٹ جاؤ، اگر اس سے بھی غصہ ٹھنڈا نہ ہو تو وضو کرلو، اور اپنا رُخسار زمین پر رکھو تا کہ تکبر ٹوٹے، اور عزّت والا عضو زمین پر جب رکھا جائے تو نفس مرے گا، یاد رکھو! کہ تحمل کی بدولت مسلمان شب بیدار، روزہ دار کا مرتبہ پالیتا ہے۔

۴:...حسد کا بیان:

حسد کی حقیقت یہ ہے کہ کسی شخص کو فارغ البالی یا عیش و آرام میں دیکھ کر کڑھے اور اس نعمت کے جاتے رہنے کو پسند کرے، قرآن و حدیث دونوں میں اس کی مذمت آئی ہے، عموماً حسد کا باعث یا تو نخوت و غرور ہوتا ہے یا عداوت و خباثتِ نفس، حسد کرنے والا بلاوجہ خدا کی نعمت میں بخل کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ جس طرح میں کسی کو کچھ نہیں دیتا، اسی طرح حق تعالیٰ بھی دُوسرے کو کچھ نہ دے، البتہ دُوسرے کو نعمت میں دیکھ کر حرص کرنا اور یہ چاہنا کہ اس کے پاس بھی یہ نعمت رہے اور مجھے بھی ایسی نعمت حاصل ہوجائے، یہ غبطہ کہلاتا ہے، اور غبطہ شرعاً جائز ہے، جبکہ حسد قلبی مرض اور ناجائز ہے۔

علاج:...اس کا علمی علاج یہ ہے کہ حاسد کو جاننا چاہئے کہ اس کا حسد اسی کو نقصان پہنچا رہا ہے، اس محسود کا جس پر یہ حسد کر رہا ہے، کچھ بھی نہیں بگڑتا، بلکہ اُس کا نفع ہے اس لئے کہ حاسد کی نیکیاں مفت میں اس کے ہاتھ آرہی ہیں، اس کے برخلاف حاسد کے دِین کا نقصان یہ ہے کہ اس کے نیک عمل ضائع ہو رہے ہیں، حاسد کا دُنیا کا نقصان یہ ہے کہ حاسد ہمیشہ رنج و بلا میں مبتلا رہتا ہے کہ کسی طرح فلاں شخص کو افلاس اور ذلت نصیب ہو۔

اس کا عملی علاج یہ ہے کہ جس پر حسد کر رہا ہے، اس کی بہ تکلف تعریفیں کیا کرے، اور اس کے سامنے تواضع اور اس نعمت پر مسرّت کا اظہار کرے، جب چند روز بہ تکلف ایسا کرے گا، تو محسود کے ساتھ محبت پیدا ہوجائے گی، اور حسد جاتا رہے گا، اور رنج سے نجات مل جائے گی۔

۵:...بخل اور محبتِ مال:

بخل درحقیقت مال کی محبت کی وجہ سے ہوتا ہے، کیونکہ مال کی محبت قلب کو دُنیا کی طرف متوجہ کردیتی ہے، جس سے اللہ تعالیٰ کی محبت کا تعلق ضعیف و کمزور ہوجاتا ہے، اور بخیل آدمی مرتے وقت حسرت بھری نظروں سے اپنا جمع کیا ہوا محبوب مال دیکھتا اور جبراً وقہراً آخرت کا سفر کرتا ہے، اس لئے اس کو خالق جل جلالہٗ کی ملاقات محبوب نہیں ہوتی، اور حدیث میں آیا ہے کہ:

''جو شخص مرتے وقت اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو پسند نہ کرے، وہ جہنمی ہے۔''

اسی لئے بخل کے علاج کے ساتھ حبِ مال کا علاج بھی ہونا چاہئے، جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

''دُنیا کی محبت تمام گناہوں کی جڑ ہے۔''

(مشکوٰۃ ص:۴۴۴ بحوالہ بیہقی)

مال کی وجہ سے معصیت پر قدرت ہوتی ہے، اور قدرت ہوتے ہوئے صبر کرنا اور گناہ نہ کرنا دُشوار ہے۔ پھر مال کے ہوتے ہوئے لذتوں کا خوگر ہوجاتا ہے، اور لذّت کے حاصل کرنے میں عموماً نفاق، جھوٹ، ریا، عداوت، بغض، حسد، سب گناہ ہوتے ہیں، مال کی تحصیل میں اکثر ذکرِ الٰہی کا وقت نہیں ملتا، پھر روپیہ کی تحصیل، اس کی حفاظت، اس کے نکالنے اور کسی کام میں لگانے میں بھی وقت صَرف ہوتا ہے، یہ سب دھندے قلب کو سیاہ کرنے والے ہیں۔

علاج:... پس اس کا علاج یہ ہے کہ ضرورت سے زیادہ مال نہ رکھے، پس محنت و مزدوری سے روزانہ اسی قدر مال حاصل کرو جس سے اپنا اور اپنے بال بچوں کا

روزانہ خرچہ پورا ہو، اور باقی خرچ کر ڈالو، اس کے علاوہ سارا وقت اللہ تعالیٰ کی یاد میں خرچ کرو۔

بخل اس کو کہتے ہیں کہ جہاں شریعت مال خرچ کرنے کا حکم دے یا مروّت تقاضا کرے، وہاں خرچ نہ کرنا، پس جو شخص باوجود ضرورت کے مال خرچ نہ کرے، سمجھ لو کہ اس کو مال سے محبت ہے۔

اس کا علمی علاج یہ ہے کہ بخل کے نقصانات معلوم کرو کہ آخرت کی تباہی اور دُنیا کی بدنامی دونوں اسی سے پیدا ہوتی ہیں۔

اور اس کا عملی علاج یہ ہے کہ نفس پر جبر کرو، اور خرچ کرنے کی بہ تکلف عادت ڈالو۔

۶:...رعونت، شہرت اور جاہ کی محبت اور اس کا علاج:

جنابِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ:

> ''بکریوں کے گلّے میں دو بھوکے بھیڑیے آپڑیں، تو وہ اتنا نقصان نہ کریں گے جتنا مال و جاہ کی محبت دین دار اور مسلمان کے دین کا نقصان کرتی ہے۔''

خوب سمجھ لو کہ رعونت اور حبِ جاہ بُری بلا ہے، ان سے قلب میں نفاق پیدا ہوتا ہے، حقیقت میں وہ لوگ بڑے آرام میں ہیں جن کو کوئی نہیں جانتا۔

حبِ جاہ اس کا نام ہے کہ اپنی شہرت کی خود خواہش کرے، اور ظاہر ہے کہ اس سے رعونت پیدا ہوجاتی ہے، حق تعالیٰ محفوظ رکھیں، آمین! مال کی محبت اور جاہ و شہرت کی خواہش، دونوں کا مقصد ایک ہی ہے کہ کوئی ضرورت ادھوری نہ رہے، مگر انسان کو مال کی بہ نسبت جاہ کی محبت و خواہش اس لئے زیادہ ہوتی ہے کہ جاہ میں

جب کسی کی تعظیم کا اعتقاد لوگوں کے دِلوں میں پیدا ہوجاتا ہے تو لامحالہ لوگ اس کی تعریفیں کرتے ہیں، اور دُوسروں کو اس ضمن میں اپنا ہم خیال بنانا چاہتے ہیں، جس میں بسااوقات کامیاب ہوجاتے ہیں، تو آخرکار مخلوق کے مطیع وفرماں بردار بننے کی وجہ سے بلامشقت ومحنت مال واسباب کی آمد اور ضروریات پوری ہونا شروع ہوجاتی ہیں، اس کے برعکس مال جمع کرنے میں بیسیوں تدبیریں اور حیلے کرنے پڑتے ہیں، مگر پھر بھی خاطرخواہ مال کا جمع ہونا مشکل ہوتا ہے۔

فائدہ:... ہاں! یہ ضرور ہے کہ انسان مال کی طرح بقدرِ ضرورت جاہ کا بھی محتاج ہے، تاکہ اس کی وجہ سے ظلم وتعدی اور ظالم حکام کی دست بُرد سے بےخوف ہوکر اطمینانِ قلب سے عبادت میں مشغول رہ سکے، لہٰذا اتنی طلبِ جاہ میں مضائقہ نہیں، مگر اپنی عبادات میں ریا و دِکھلاوا کرکے متقی اور صوفی صورت بن کر مخلوق کو دھوکا دے کر جاہ حاصل نہ کرو۔

علاج:... اس کا یہ ہے کہ سوچو کہ ایک دِن موت آنے والی ہے، اگر مثلاً تمام دُنیا تم کو سجدہ بھی کرنے لگے تو کتنے دن کے لئے؟ آخر ایک دن وہ ہوگا کہ نہ تم باقی رہوگے اور نہ سجدہ کرنے والے، اکثر و بیشتر حبِ جاہ کا سبب اپنی مدح وثنا کی خواہش ہوا کرتی ہے، اسی کی بدولت ریا اور طرح طرح کی معصیتوں میں مبتلا ہوجاتے ہیں، لہٰذا سوچو کہ تعریف کرنے والا کس بات کی تعریف کررہا ہے؟ اگر تمہارے مال و عزّت کی تعریف کررہا ہے تو یہ وہمی ہے، کوئی کمال کی چیز نہیں، کمال تو معرفتِ الٰہی کا نام ہے، اور اگر تمہارے زُہد واتقاء کی تعریف کرتا ہے تو اگر تم فی الحقیقت زاہد ومتقی ہوتو یہ سوچو کہ ان باتوں کا اپنے اندر آجانا اور حق تعالیٰ کا قبول فرمالینا ہی خوشی کی بات ہے، نہ کہ دُوسروں کا بیان کرنا، اگر تم متقی و زاہد نہیں ہوتو اس پر خوش ہونا کھلی حماقت ہے۔

۷:...دُنیا کی محبت اور اس کا علاج:

دُنیا صرف مال و جاہ ہی کی محبت کا نام نہیں ہے، بلکہ موت سے پہلے جس حالت میں بھی ہو وہ سب دُنیا ہے، اور دُنیا کی محبت تمام گناہوں کی جڑ ہے، دُنیا کے تمام جھگڑوں، بکھیڑوں، مخلوقات اور موجودہ چیزوں کے ساتھ تعلق رکھنے کا نام دُنیا کی محبت ہے۔

یاد رکھو! دُنیا کی زندگی محض کھیل اور تماشا ہے، اسی سے اکثر مہلک باطنی امراض، مثلاً: غرور، نخوت، کینہ، حسد، ریا، تفاخر وغیرہ کی حرص پیدا ہوتی ہے، اور جب انسان کو دُنیاوی حیات کی آرائش کا شوق پیدا ہوتا ہے تو صنعت وحرفت اور تجارت و زراعت کے ناپائیدار مشغلوں میں ایسا پھنس جاتا ہے کہ اس کو آگے، پیچھے، مبدا اور معاد کی کچھ خبر نہیں رہتی، اور اس کا ظاہر تدبیر میں، اور اس کا باطن محبت میں مشغول و مصروف ہوجاتا ہے، حالانکہ دُنیا توشۂ آخرت ہے، اور اس سے مقصود یہ ہے کہ مسافرانِ آخرت باآسانی اپنا سفر ختم کرسکیں، اسی لئے چاہئے کہ بہ قدرِ ضرورت دُنیا پر قناعت کرکے بہ اطمینان ہرلمحہ ذاتِ الٰہی کے ذکر اور فکر میں مشغول ہوجائے۔

علاج:...اس کا علاج یہ ہے کہ اکثر و بیشتر اپنی موت، مال، خویش، اقرباء اور سب کچھ چھوڑ جانے کا تصوّر کیا کرے۔

۸:...نخوت وتکبر اور اس کا علاج:

حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

"تکبر کرنے والے کا بہت بُرا ٹھکانا ہے، کبریائی خاص میری چادر ہے، پس جو شخص بھی اس میں شریک ہونا چاہے گا، اس کو قتل کردوں گا۔" (مشکوٰۃ ص:۴۳۳ بحوالہ مسلم)

حضرت رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

''جس کے قلب میں رائی کے دانہ کے برابر بھی تکبر ہوگا، وہ جنت میں نہیں جائے گا۔'' (مشکوٰۃ ص:۴۳۳ بحوالہ مسلم)

تکبر کے معنی یہ ہیں کہ انسان اپنے آپ کو صفاتِ کمالیہ میں دُوسروں سے زیادہ سمجھے، اور ظاہر ہے کہ جب انسان کا اپنے متعلق ایسا خیال ہوتا ہے تو نفس پھول جاتا ہے، اور پھر اس کے آثار ظاہر ہونے لگتے ہیں، مثلاً: راستے میں چلتے وقت دُوسروں سے آگے قدم رکھنا، مجلس میں صدر مقام یا عزّت کی جگہ بیٹھنا، دُوسروں کو نظرِ حقارت سے دیکھنا، اگر کوئی سلام کرنے میں پیش قدمی نہ کرے تو اس پر غصہ ہونا، اگر کوئی تعظیم نہ کرے تو ناراض ہونا، اگر کوئی نصیحت کرے تو ناک بھوں چڑھانا، حق بات معلوم ہونے پر اس کو نہ ماننا، عوام کو ایسی نگاہ سے دیکھنا جس طرح گدھوں کو دیکھتے ہیں، نعوذ باللہ تعالیٰ! چونکہ تکبر بڑی بڑی خباثتوں کا مجموعہ ہے، اسی لئے پورا جہنم کا ذخیرہ ہے، تکبر کرنے والا تواضع سے محروم رہتا ہے، حسد اور غصہ دُور کرنے پر قادر نہیں ہوتا، ریاکاری کا ترک اور نرمی کا برتاؤ اس سے دُشوار ہوتا ہے، مسلمان بھائی کی خیرخواہی نہیں کرسکتا۔

علاج:... اس کا علاج یہ ہے کہ اپنی حقیقت کو یاد کرے کہ وہ نجس اور ناپاک منی کا قطرہ ہے، اور آخر میں مردار لاشہ اور کیڑے مکوڑوں کی غذا، جبکہ اِس وقت نجاست پیٹ میں بھری ہوئی ہے، ہزاروں مصیبتوں، امراض، بھوک پیاس، اور سردی گرمی میں مقید ہے، اور ہر لحظہ موت کا نشانہ ہے۔

تکبر کے اسباب:

عموماً تکبر کے اسباب پانچ ہیں: علم، تقویٰ، حسب ونسب، مال اور جمال۔

اوّل: علم:... علماء تکبر سے بہت کم خالی ہیں، کیونکہ علم کے برابر کسی چیز کی فضیلت نہیں، لہٰذا اس کے حاصل کرنے کے بعد دو خیال پیدا ہوجاتے ہیں:

ا:... ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں ہمارے برابر دُوسروں کا رُتبہ نہیں۔

۲:... دوم یہ کہ لوگوں پر ہماری تعظیم واجب اور ضروری ہے، پس اگر لوگ تواضع سے پیش نہ آئیں تو ان کو تعجب ہوا کرتا ہے، ایسے عالم کو جاہل کہنا چاہئے، کیونکہ علم کا منشا تو یہ تھا کہ انسان اپنے شریر نفس کی حقیقت اور پروردگار کی عظمت و جلال کو معلوم کرتا، اور سمجھتا کہ اعتبار خاتمہ کا ہے، اور خاتمہ کا حال کسی کو معلوم نہیں، پس جو شخص اپنے آپ کو قابلِ عظمت سمجھے، گویا وہ اپنی اصلیت سے ناواقف اور خاتمہ کے اندیشے سے بے خوف ہے، اور یہ بڑی معصیت ہے۔

یاد رکھو! کہ جس علم سے تکبر پیدا ہو، وہ علم، جہل سے بھی بدتر ہے، کیونکہ حقیقی علم جتنا زیادہ ہوگا، اسی قدر اس کا خوف و خشیت بڑھے گی۔

دوم: زُہد و تقویٰ:... چنانچہ دیکھا جاتا ہے کہ عابد تکبر کرنے لگتا ہے اور بعض کی تو یہ حالت ہوتی ہے کہ اگر اس کو کوئی ایذا دے تو جھنجھلا کر کہتا ہے کہ: ''دیکھتے رہو، اللہ تعالیٰ اس کو کیسی سزا دیتا ہے؟ اس نے ہم پر تو ظلم کیا ہے، مگر عنقریب سزا بھی ایسی ملے گی کہ یاد رکھے گا۔'' اس کے بعد اگر تقدیر سے وہ ایذا دینے والا بیمار پڑگیا یا اس کا کوئی نقصان ہوگیا تو اپنے دعوے کا ثبوت بھی پیش کرتے ہیں کہ: ''دیکھا! اللہ کے بندوں کو ایذا دینے کا نتیجہ کیا ہے؟'' اس احمق سے کوئی پوچھے کہ کافروں نے انبیاء علیہم السلام کو ہزارہا ایذائیں پہنچائیں، مگر کسی نے بھی انتقام کی فکر نہ کی، اگر دُشمنوں سے انتقام لینا یا ان کا مرجانا چاہتے تو بھلا خدا کی مخلوق کیونکر ہدایت پاتی؟ کیا کوئی عابد، ولی کسی نبی سے بڑھ کر ہے؟

سوم: نسب:... تیسرا سبب نسب ہے کہ اپنے کو شریف اور عالی خاندان سمجھ

کر تکبر کرتے ہیں۔

علاج:... اس کا یہ ہے کہ ہر شخص کا نسب اس کے باپ کا ناپاک نطفہ اور ذلیل مٹی ہے، پھر اس کے باپ دادا اگر دُنیادار تھے، تب تو فخر و تکبر کرنا محض حماقت ہے، کیا خبر کہ وہ نسب والے کہاں گئے؟ ممکن ہے کہ جہنم کا کوئلہ بن گئے ہوں، اور اگر دِین داروں کے نسب پر فخر ہے، تو یہ بھی حماقت ہے، کیونکہ ان کو جو کچھ عزّت، آبرو اور شرف حاصل ہوا تھا، وہ ان کی دِین داری اور تواضع کی بدولت تھا، جب وہ اپنے دِین دار ہونے پر فخر نہیں کرتے تھے، تو اولاد کو فخر کرنا کیسے زیبا ہے؟

چہارم، پنجم: مال و جمال:... اگر اپنے مال دار یا حسین ہونے پر فخر کرتا ہے، تو یہ بھی حماقت ہے، کیونکہ اگر مال پر ڈاکا پڑجائے تو سب جاتا رہے، حسین اگر بیمار ہوجائے یا اس کے چیچک نکل آئے تو صورت کا رُوپ ہی بدل جائے گا، اور ویسے بھی اگر ہفتہ بھر بناوٹ، آرائش اور غسل نہ کرے تو دیکھ لو کہ بدن کے رنگ اور بو کا کیا حال ہوتا ہے؟ اس پر نازاں ہونا بڑی حماقت ہے، اَللّٰھُمَّ احْفَظْنَا مِنْ کُلِّ سُوْءٍ اٰمِیْنَ بِرَحْمَتِکَ یَا رَبَّ الْعَالَمِیْنَ!

۹:... خودپسندی کا علاج:

حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

"فَلَا تُزَکُّوْٓا اَنْفُسَکُمْ" (النجم:۳۲)

"اپنے آپ کو پاک وصاف اور اچھا نہ سمجھا کرو۔"

یہ کافروں کی شان ہے کہ اپنے اعمال اور اپنے آپ کو اچھا سمجھیں، خودپسندی تباہ کردیتی ہے، کیونکہ آدمی جب اپنے آپ کو نیکوکار سمجھنے لگتا ہے تو مطمئن ہوجاتا ہے اور سعادتِ اُخروی سے محروم ہوجاتا ہے، خودپسندی بھی تکبر کی ایک شاخ

ہے، فرق صرف یہ ہے کہ تکبر میں اپنے نفس کو دُوسرے لوگوں سے بڑا سمجھتا ہے، اور خود پسندی میں دُوسرے لوگوں کی ضرورت نہیں، بلکہ اپنے آپ کو اپنے خیال میں کامل سمجھ لینا، اور حق تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کو اپنا حق خیال کرنا، یعنی ان کو اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم نہ سمجھنا اور ان کے زوال سے بے خوف ہوجانا، خود پسندی و عجب کہلاتا ہے، اور اگر یہاں تک نوبت پہنچے کہ حق تعالیٰ کے نزدیک اپنے آپ کو ذی مرتبہ اور باوقعت سمجھنے لگے تو یہ "ناز" کہلاتا ہے، اور اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ اپنی دُعا کے قبول نہ ہونے سے تعجب اور اپنے موذی دُشمن کو سزا و عذاب نہ ملنے پر حیرت ہوتی ہے کہ ہم جیسوں کی دُعا قبول نہ ہو اور ہمارے دُشمن پامال نہ ہوں، البتہ اگر اللہ تعالیٰ کی نعمت پر خوش ہو اور اس کے چھن جانے کا خوف دِل میں ہو تو یہ خود پسندی نہیں ہے، کیونکہ خود پسند شخص نعمت کو منعمِ حقیقی کی جانب منسوب کرنا ہی بھول جاتا ہے اور جملہ نعمتوں کو اپنا حق سمجھتا ہے۔

علاج:...اس کا یہ ہے کہ اگر غیر اختیاری نعمتوں مثلاً قوت و طاقت یا حسن و جمال پر عجب ہو تو یوں سوچو کہ ان چیزوں کے حاصل ہونے میں میرا دخل ہی کیا ہے کہ ناز کروں؟ یہ اس کا فضل و احسان ہے کہ اس نے بلااستحقاق یہ خوبیاں مجھ کو عطا کردیں، علاوہ ازیں یہ سب خوبیاں معرضِ زوال میں ہیں کہ بیماری وضعف سے سب جاتی رہیں گی، ناپائیدار پر عجب کیسا؟ اور اگر افعالِ اختیاریہ، مثلاً: علم، زُہد، تقویٰ اور عبادت پر ناز ہو، تو اس پر غور کرو کہ اگر اللہ تعالیٰ ذہنِ رسا، طاقت، ہمت، دماغ، بینائی، ہاتھ پاؤں، قصد اور ارادہ عطا نہ فرماتا تو کسی کو کمال کیونکر حاصل ہوتا؟ تعجب تو اس پر ہے کہ عاقل سمجھ دار جب کسی جاہل بیوقوف کو مال دار پاتے ہیں تو تعجب کرتے ہیں کہ ایسا کیوں ہوا کہ ہم عاقل ہوکر مال سے محروم ہیں اور یہ جاہل متمول بن جائے؟ بھلا کوئی پوچھے کہ عقل، علم تم کو نصیب ہوا اور جاہل اس نعمتِ علم و عقل سے محروم رہا،

ایسا کیوں؟ بس سمجھ لو کہ حق تعالیٰ کا بڑا فضل ہے کہ اس نے بلا استحقاق تم پر کرم فرمایا اور عقل و علم جیسی نعمت بخشی، جس کے مقابلے میں مال کی کوئی حقیقت نہیں، اور سوچا کرو کہ جس نے بلا استحقاق یہ چیزیں عطا فرمائیں، اگر بلاقصور چھین بھی لے تو کوئی چوں و چرا نہیں کرسکتا، اور کیا خبر کہ مال کی نعمت اس کے لئے استدراج ہو، وبالِ جان اور سببِ عذاب بن جائے؟ اگر بلا استحقاق انعام کو ذرا بھی سوچتا رہے تو خشیت اور خوف بھی پیدا ہوجائے گا اور عجب سے بھی بآسانی نجات مل جائے گی، واللہ اعلم!

۱۰:...ریا کا بیان:

حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

"فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ. الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ. الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ." (الماعون:۴ تا ۶)

"افسوس ہے ان نمازیوں پر جو اپنی نماز سے بے خبر ہیں، جو دِکھاوا کرتے ہیں۔"

ریا کی مذمت قرآن و حدیث میں بہ کثرت مذکور ہے، ریا کی اصلیت یہ ہے کہ لوگوں کے دِلوں میں اپنی عبادت اور عملِ خیر کے ذریعہ وقعت اور قدر و منزلت کا خواہاں ہو اور یہ عبادت کے مقصود کے خلاف ہے، کیونکہ عبادت سے مقصود حق تعالیٰ کی رضامندی ہے، اور ریا میں رضائے خلق اور حصولِ منزلت مقصود ہے، لہٰذا اس کا نام شرکِ اصغر ہے۔

یاد رکھو! ریا بڑا مہلک مرض ہے، اس کا سبب یا تو حُبِ مدح یعنی اپنی تعریف کی خواہش اور مذمت کا خوف و اندیشہ ہوتا ہے، یا مال و دُنیا کی حرص ہوتی ہے، حُبِ مدح و مال کی حرص کا علاج گزر چکا اور مذمت کا خوف ریا کا باعث ہو تو یہ بات ذہن

نشین کرلو کہ اگر میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ ہوں تب تو لوگوں کی مذمت مجھ کو کچھ نقصان نہیں کرتی، اور اگر پسندیدہ نہیں ہوں تو لوگوں کی مذمت کیا چیز ہے؟ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے بچنا چاہئے۔

ریا کی اقسام:

یاد رکھو! کہ ریا کئی طرح سے ہوا کرتی ہے:

اوّل:... بدن کے ذریعے، مثلاً: شکستگی، ضعفِ بدن اور پلکوں کا جھپکانا، تاکہ لوگ اُسے روزہ دار اور شب بیدار خیال کریں، یا غمگین شکل بنائے تاکہ لوگ سمجھیں کہ اس کو آخرت کی فکر ہے، یا آواز پست کرے تاکہ لوگ سمجھیں کہ ریاضت کرتے کرتے اتنا ضعیف ہوگیا ہے کہ آواز نہیں نکلتی۔

دوم:... ہیئت کے ذریعے، یعنی اپنی رفتار میں نرمی اور ضعف ظاہر کرے، اور ایسی صورت بنائے جس سے لوگ سمجھیں کہ یہ حالتِ وجد، مکاشفہ، یا فکر میں مستغرق اور محو ہے۔

سوم:... لباس کے ذریعے، صوف اور موٹے کپڑے پہنے، کپڑوں کو بوسیدہ اور میلا کچیلا رکھے تاکہ لوگ سمجھیں کہ صوفی صاحب ہیں، یا اس غرض سے کپڑوں کو میلا کچیلا رکھے کہ دِین داروں کے دِل میں قدر و منزلت ہو، یا کپڑے تو بیش قیمت پہنے مگر گیرو یا آسمانی رنگ سے رنگوالے تاکہ صوفی لوگ بھی طعنہ نہ دیں، اور امیر لوگ بھی نفرت کی نگاہ سے نہ دیکھیں۔

چہارم:... گفتگو اور زبان کے ذریعے، یعنی وعظ کرے تو زبان کو موڑ موڑ کر، مسجع عبارتیں بناکر، آواز اور لہجہ غمگین بنائے، مگر دِل میں خاک بھی اثر نہ ہو، یا خلافِ شرع باتوں سے نفرت کا اظہار کرنا، مگر دِل میں رنج و نفرت کا اثر نام کو بھی نہ

ہو، یا مشائخ کی ملاقات اور صوفیوں کی کرامات کا اظہار کرنا تاکہ لوگ سمجھیں کہ یہ تو بالکل سلف کا نمونہ ہے۔

پنجم:... عمل میں ریا، یعنی قیام و رُکوع طویل کرنا، اگر معلوم ہو کہ ان کو کوئی نماز پڑھتا دیکھ رہا ہے تو فوراً سکینت و وقار سے پڑھنا تاکہ دیکھنے والا سمجھے کہ اس کی نماز خشوع سے بھری ہوئی ہے۔

ششم:... مریدوں اور شاگردوں کی کثرت بیان کرنا، اور اس کا خواہاں ہونا کہ کسی طرح سلاطین، اُمراء، علماء اور صلحاء اس کی زیارت کرنے لگیں، تاکہ اس کی شہرت ہوجائے۔

اسی طرح جن عبادتوں میں ریا ہوتی ہے، وہ بھی مختلف ہیں:

اصلِ ایمان میں ریا، نفاق کہلاتی ہے۔

اصلِ عبادت میں ریا، مثلاً: لوگوں کے سامنے نماز پڑھنا اور زکوٰۃ دینا وغیرہ، چنانچہ اگر کوئی پاس نہیں تو نہ نماز ہے، نہ زکوٰۃ۔

تیسرا درجہ یہ ہے کہ فرائض میں ریا نہ ہو مگر نوافل و مستحبات میں ریا کرے، یہ سب اقسام تو نہایت سخت ہیں۔ اس کے سوا تین درجے اور ہیں:

اوّل: یہ کہ عبادت سے مقصود تو حق تعالیٰ کی رضا ہو، لیکن اگر کوئی اس کو عبادت کرتا دیکھ لے تو اس کی طبیعت خوش ہوجائے اور اُسے نماز گراں معلوم نہ ہو، اگر اتنی سی بات ہے تو اُمید ہے کہ حق تعالیٰ معاف فرمادے اور عبادت قبول فرمائے۔

دُوسرا درجہ: یہ ہے کہ عبادت کا قصد کم اور دِکھاوے کا خیال غالب ہو، یعنی یہ حالت ہو کہ جتنا لوگوں کی موجودگی میں کرتا ہے، تنہائی اور خلوَت میں اتنا عبادت نہیں ہوسکتی، ایسی عبادت پر سخت عذاب کا اندیشہ ہے۔

تیسرا درجہ: یہ ہے کہ عبادت اور ریا دونوں مساوی ہوں، مثلاً: جس قدر

عبادت سے خدا تعالیٰ کی طاعت مقصود ہو، اسی قدر دِکھلاوا بھی مقصود ہو، چونکہ اس میں نفع اور نقصان برابر ہے، ممکن ہے کہ اس پر نہ عذاب ہو نہ ثواب، مگر حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

''جملہ شرکاء میں، شرک سے سب سے زیادہ بے نیاز
میری ذات ہے''

پس عجب نہیں کہ اس صورت میں بھی عبادت باطل ہوجائے۔

ریا جلی وخفی:

ریا کبھی تو جلی ہوتی ہے، مثلاً: تنہائی کی حالت میں اتنی عبادت نہیں ہوتی جتنی لوگوں کے سامنے ہوتی ہے۔

اور کبھی خفی اور پوشیدہ ہوتی ہے، مثلاً: تہجد تو ہمیشہ پڑھتا ہے، مگر مہمان کے سامنے زیادہ نشاط اور مسرّت ہوتی ہے، اس میں بھی ریا ہے، مگر پہلے کی نسبت خفی ہے۔

اس سے زیادہ مخفی یہ ہے کہ کسی کے موجود ہونے میں نشاط زیادہ نہ ہو، مگر اثناء عبادت یا بعد میں اگر کوئی مطلع ہو تو اس کے دِل میں ایک قسم کی فرحت اور خوشی پیدا ہو، اس سے معلوم ہوا کہ اس کے دِل میں ریا چھپی ہوئی ہے۔

اس سے بھی زیادہ خفی یہ ہے کہ اطلاع سے خوشی بھی نہ ہو، لیکن اس کا آرزومند رہے کہ کاش لوگ میری تعریف کریں، اگر کوئی اس کے ساتھ بُرائی کرے تو اس کو تعجب ہوتا ہے، یہ بھی ریا ہے، کیونکہ لوگوں پر اپنی طاعت وعبادت کا احسان رکھنا چاہتا ہے، اس قسم کی ریا بھی، جس سے صدیقین ہی خالی ہوتے ہیں، گناہِ صغیرہ میں داخل ہے، اور اعمال کے ضائع ہوجانے کا اندیشہ ضرور ہے۔

البتہ اگر عبادت پر مطلع ہونے سے خوشی اور سرور اس بنا پر ہو کہ الحمدللہ! اللہ

تعالیٰ نے عملِ نیک کا اظہار فرمایا اور ہمارے فعلِ قبیح کو پوشیدہ فرمایا، کیونکہ گناہ پر ستاری اور نیکی کا اظہار کرانا قیامت کی رُسوائی سے بچاؤ کی نشانی ہے، تو اس قسم کی خوشی میں کوئی مضائقہ نہیں۔

فائدہ:... ریا، یا تو عبادت کے شروع ہی سے ہو، جیسے: اوّل سے لے کر آخر تک دِکھلاوے کے لئے نماز پڑھے، یہ صورت تو نماز کے لئے مفسد ہے، یعنی موجبِ ثواب نہیں، بلکہ موجبِ عذاب ہے، یا عبادت کے درمیان میں ریا پیدا ہوگئی، اس کا حکم یہ ہے کہ اگر عبادت کی اصلی نیت مغلوب ہے تو نماز مقبول نہیں، یا بعد میں ریا پیدا ہوئی، مثلاً: لوگوں کے آگاہ ہونے پر مسرّت ہو، تو اس کا حکم یہ ہے کہ بعد کی ریا مضر نہیں، ہاں! اس کا اظہار کرنا مستقل اور علیحدہ گناہ ہوگا۔

فائدہ:... گناہوں کے مخفی رہنے پر خوش ہونا حرام نہیں، البتہ عبادت پر اس نیت سے خوش ہونا کہ لوگ تعریف کریں گے اور متقی اور عابد سمجھیں گے، بے شک حرام ہے، کیونکہ مخلوق کی مدح سے گویا اپنی طاعت کا معاوضہ لینا ہے، ہاں! ریا کے خوف سے طاعت اور عبادت کا چھوڑ دینا بھی مناسب نہیں، اپنے معمول کو ترک نہ کرے، بلکہ عادتوں کے موافق اپنا کام کیا کرے اور حتی الوسع اس وسواس کو علیحدہ کرتا رہے، ریا کا علاج گزر چکا ہے۔

تعمیر الباطن کے دُوسرے جزو، اخلاقِ محمودہ کی تفصیل:

حضرتِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

''طہارت نصف ایمان ہے۔'' (مشکوٰۃ ص:۳۸)

ایک جزو یہ ہے کہ قلب کو نجاستوں سے پاک کرے، جس کا بیان مختصراً گزر چکا ہے۔

دُوسرا جزو یہ ہے کہ خوبیوں سے قلب کو آراستہ کرے، اس کی تفصیل مختصراً عرض کی جاتی ہے، اس میں دس اُصول ہیں:

ا:...توبہ کا بیان:

یاد رکھو! غفلت اور ہوائے نفس ایسے مہلک اَمراض ہیں کہ ان کی وجہ سے انسان خدا کی معصیت اور گناہ کے کام پر اصرار اور مداومت کرنے لگتا ہے، اور یاد رکھو! کہ غفلت کا باطنی مرض جسم کے ظاہری امراض بخار، جاڑا اور پھوڑے پھنسی وغیرہ سے بہت بڑھا ہوا ہے، اور اس کی کئی وجوہ ہیں:

اوّل:... اس وجہ سے کہ بدن کے ظاہری امراض نظر آتے ہیں، اور باطنی امراض نظر نہیں آتے۔

دوم:... اس وجہ سے کہ انسان نے باطنی امراض کا انجام نہیں دیکھا، اسی لئے خدا تعالیٰ کے عفو پر بھروسا کئے بے فکر ہوکر علاج کی طرف مطلقاً متوجہ نہیں ہوتا، بخلاف بدنی امراض کے کہ ان کا نتیجہ تجربے میں آچکا ہے، اسی لئے یہاں خدا تعالیٰ پر بھروسا کرکے نہیں بیٹھ جاتا، بلکہ انتہائی کوشش سے علاج کرتا ہے۔

سوم:... اس وجہ سے کہ ان باطنی امراض کے طبیب مفقود ہیں، کیونکہ اس مرض کے طبیب علمائے شریعت اور عقلائے زمانہ ہوتے ہیں، اور وہ خود باطنی بیماریوں، مثلاً: حبِ دُنیا، حسد اور ریا وغیرہ میں مبتلا ہیں، اور لوگ انہی کو اپنا مقتدا و پیشوا سمجھتے ہیں، جب ان کی اقتدا کریں گے تو پھر اصلاح کی کیا صورت؟ افسوس! کہ جو لوگ مصلح تھے، مفسد بن گئے، اور جو راہبر تھے، گمراہ ہوگئے، تو کس طرح گناہوں پر اصرار نہ ہونے لگے؟

گناہوں پر اصرار ہونے کی اور بھی کئی ایک وجوہ ہیں، اوّل یہ کہ گناہوں کی

سزا دست بدست نہیں ملا کرتی، اس لئے اس کی وقعت نہیں ہوا کرتی۔

علاج:... اس کا علاج یہ ہے کہ سوچے کہ جو چیز ضرور آنے والی ہے، وہ قریب ہے۔

دوم:... یہ کہ نفس کو مرغوب خواہشوں اور لذتوں میں مزہ آرہا ہے، اس کو چھوڑنا ناگوار ہے۔

سوم:... یہ کہ نفس نے کاہلی کا سبق پڑھادیا ہے کہ یہ کام آج ہی کرنا کیا ضروری ہے؟ پھر کرلیں گے!

چہارم:... یہ کہ نفس نے حق تعالیٰ کے عفو و کرم کا آرزومند بنا رکھا ہے، حالانکہ حدیث میں ہے کہ:

> ''عقل مند وہ ہے جس نے اپنے نفس کو مطیع بنالیا اور مرنے کے بعد کام آنے والا ذخیرہ جمع کرلیا، اور احمق ہے وہ شخص جس نے خواہشات کا اتباع کیا اور پھر خدا سے عفو و کرم کا آرزومند رہا۔'' (مشکوٰۃ ص:۴۵۱)

اسی لئے توبہ کرکے رُجوع کرنا بہت ضروری ہے، خصوصاً کبیرہ گناہوں اور صغیرہ پر اصرار سے، یاد رکھو! کہ صغیرہ گناہ پر اصرار کرنا بہت ہی خطرناک ہے، اس لئے کہ صغیرہ گناہ کی ذہن میں وقعت نہیں ہوتی، اور جب اس کو معمولی سمجھتا ہے، تو اس سے توبہ کیسے کرے گا؟ اور اس لئے کہ بسااوقات اس صغیرہ کو نعمت سمجھتا ہے اور اس پر فخر کرتا ہے کہ: ''میں نے فلاں کو کیسا جواب دیا، دھوکا دیا، اس کی آبروریزی کی'' کیونکہ گناہ پر خوش ہونا زیادہ مضر ہے۔

توبہ کی حقیقت اور اقسام:

توبہ کی حقیقت یہ ہے کہ گناہ کو اُخروی زندگی کے لئے سمِ قاتل سمجھ کر متأسف اور نادم ہو، اور اس کے چھوڑنے کا عزم کرے، اور اس کے ساتھ ہی جہاں تک ہو سکے گزشتہ تقصیر کا تدارک کرے، مثلاً: نماز فرض کی قضا کرے، اور زکوٰۃ ادا کرے، اور حقوق العباد معاف کرائے یا ادا کرے۔

یاد رکھو! کہ عام لوگوں کی توبہ ظاہری گناہوں سے ہوا کرتی ہے، صالحین کی توبہ باطنی گناہوں اور مذموم اخلاق سے، متقین کی توبہ شک وشبہات کے ابتلا سے، محبّین کی توبہ غفلتِ ذکر سے، اور عارفین کی توبہ اس مقام سے جس سے اُوپر پہنچ گئے ہیں۔

۲:...خوفِ الٰہی کا بیان:

خوف کرنے والوں کی شان میں حق تعالیٰ نے ہدایت، رحمت، علم اور رضا کی محمودہ خصلتیں جمع فرمائی ہیں۔

خوف کے حقیقی معنی یہ ہیں کہ آنے والی تکلیف کے اندیشہ سے دِل دُکھے اور سوزش پیدا ہو۔

تحصیلِ خوف کا طریقہ:

ظاہر ہے کہ جب تک حق تعالیٰ کی صفاتِ جلالیہ کی معرفت حاصل نہ ہوگی، اس وقت تک خوف پیدا نہ ہوگا، اور جب یہ اچھی طرح ذہن نشین ہوجائے گا کہ خداوند تعالیٰ ہر چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی چیز پر ایسا قادر ہے کہ دَم میں جو چاہے کرے اور مخلوق میں کوئی شخص چوں بھی نہیں کرسکتا، تو اس وقت خوف و اندیشہ پیدا ہوجائے گا، پس اگر خوف پیدا کرنا چاہتے ہو تو حق تعالیٰ کی صفاتِ جلال اور بے نیازی کو سوچو۔

خوف کی حد:

یاد رکھو! کہ خوف ایک چابک ہے، جو انسان کو سعادتِ ابدی کی طرف دوڑاتا ہے، اسی لئے خوف اسی حد تک پسندیدہ ہے جب تک کہ نیکوکاری کا آلہ ہے، پھر اگر خوف اس قدر زیادہ ہو کہ نااُمیدی تک نوبت پہنچ جائے، تو بھی شرعاً مذموم ہے، اور اگر اتنا ضعیف ہو کہ خالق سے نڈر ہو جائے تو بھی مذموم ہے، کیونکہ: "اَلْاِیْمَانُ بَیْنَ الْخَوْفِ وَالرَّجَاءِ" پس چاہئے کہ خوف اور اُمید کے دونوں پلّے برابر ہوں۔

یاد رکھو! کہ جوانی اور عیش میں خوف کو غالب رکھنا چاہئے، مگر بڑھاپے، مصیبت اور موت کے وقت اُمید کو غالب رکھنا چاہئے۔

رجائے مقبول:

یاد رکھو! کہ رجا اور اُمید مقبول وہ ہے جو خدا تعالیٰ کی اطاعت میں پوری مشقت اُٹھانے اور مجاہدہ و ریاضت کے بعد ہو اور اگر ایسی نہ ہو تو وہ رجا مقبول نہیں، اس کو تمنا اور ہوس کہتے ہیں، اور وہ شیطانی دھوکا ہے۔

۳:... زُہد کا بیان:

حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

"فَمَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ اَنْ یَّھْدِیَہٗ یَشْرَحْ صَدْرَہٗ لِلْاِسْلَامِ." (الانعام:۱۲۵)

ترجمہ:... "اللہ تعالیٰ جس کو ہدایت دیتا ہے، اس کا شرحِ صدر کردیتا ہے۔"

صحابہ رضوان اللہ علیہم نے دریافت کیا کہ: یا رسول اللہ! اس کی شناخت کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

''دُنیا سے بے رغبتی، دِین کی جانب توجہ اور موت سے پہلے موت کا انتظام کرنا، شرحِ صدر ہے۔''

(کذا فی ابن ابی شیبہ وغیرہ)

زُہد کی حقیقت، ثمرہ اور درجات:

حقیقی زُہد یہ ہے کہ انسان دُنیا کے مال و متاع کی جانب التفات نہ کرے، اور تحصیل کی قدرت کے باوجود اس کی جانب متوجہ نہ ہو، زُہد کا ثمرہ یہ ہے کہ نفس اگرچہ دُنیا کی طرف مائل ہو، مگر اس کو جبراً بے التفات بنائے، اس حالت کو زُہد سے تزہد کہنا بہتر ہے۔

دُوسرا درجہ: یہ ہے کہ دُنیا سے نفس اتنا متنفر ہوجائے کہ اس کی طرف مائل ہی نہ ہو اور سمجھے کہ دُنیا اور آخرت کی نعمتوں کا یکجا جمع ہونا ناممکن ہے۔

تیسرا درجہ: یہ ہے کہ دُنیا کے مال و متاع کا ہونا نہ ہونا برابر ہو، یعنی اگر مل جائے تو کچھ مسرّت نہیں، اور نہ ملے یا آیا ہوا ہاتھوں سے چلا جائے تو کچھ حسرت نہ ہو، جس کا حاصل یہ ہے کہ دُنیا کی وقعت نظر سے اُٹھ جائے۔

اس سے اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ زُہد سے بھی زُہد ہوجائے یعنی دُنیا کی جانب سے بے التفاتی کو بھی وقعت کی نظر سے نہ دیکھے، بلکہ اس کو قابلِ ذکر بھی نہ سمجھے۔

زُہد کے اسباب:

زُہد کے اسباب متعدّد ہیں:

خائفین کا زُہد اندیشۂ عذابِ قبر سے ہوتا ہے، یہ ادنیٰ درجہ ہے۔

کبھی اُخروی نعمتوں اور لذتوں کی رغبت سے ہوتا ہے، اور یہ راجین کا زُہد ہے، اور یہ درجہ پہلے درجے سے بڑھا ہوا ہے، کیونکہ اُمید محبت کو مقتضی ہے اور محبت کی

فضیلت تم کو معلوم ہے۔

تیسرا درجہ یہ ہے کہ ماسوا اللہ کی جانب سے بے توجہی اور نفس کے غیر اللہ کی جانب التفات نہ کرنے کو ہی کو فضول سمجھا جائے، کیونکہ وہ کوئی چیز نہیں۔

اگر کوئی شخص دُنیا کو حاصل کرنا چاہے، مگر دُنیا اس کے ہاتھ نہ آئے، تو اس کو زُہد نہیں کہتے، بلکہ اس کا نام فقر ہے، بہرحال فقر کی فضیلت بھی آئی ہے۔

۴:...صبر کا بیان:

حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ:

''یٰـاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اسۡتَعِیۡنُوۡا بِالصَّبۡرِ وَالصَّلٰوۃِ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیۡنَ۔'' (البقرۃ:۱۵۳)

ترجمہ:...''اے ایمان والو! مدد طلب کرو صبر اور نماز کے ذریعہ، بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔''

حضرت رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

''صبر نصف ایمان ہے۔''

(الترغیب والترہیب ج:۴ ص:۲۷۷)

صبر کے حقیقی معنی: ہوائے نفس (خواہشِ نفس) کے مقابلے میں خدا تعالیٰ کے حکم پر ثابت قدم رہنے کے ہیں، مگر یہ صرف انسان کے ساتھ خاص ہے، کیونکہ بہائم میں صرف خواہشات وشہوات ہی کا مادّہ ہے، ان میں عقل اور دِین کا شعور نہیں ہے۔ جبکہ فرشتوں میں صرف خدا تعالیٰ کے قرب کی استعداد پیدا کی گئی ہے، وہ شہوات اور غیظ وغضب سے بالکل منزّہ ہیں، وہ جانتے ہی نہیں کہ شہوت کیا چیز ہے؟ لہٰذا صبر کا مرتبہ ان دونوں میں سے کسی کو حاصل نہیں ہوسکتا۔

صبر کے درجات:

یاد رکھو! کہ صبر کے تین درجے ہیں:

الف:...صبر کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ شہوات اور ہوائے نفس کا مادّہ اتنا مغلوب ہوجائے کہ اس میں عقلِ سلیم کے مقابلے کی قدرت ہی نہ رہے۔ جن نفوس کو اس پر ثبات و بقا نصیب ہوا، ان نفوس کو نفسِ مطمئنہ کا خطاب حاصل ہوتا ہے، اور ان کو رضائے الٰہی کی بشارت ہے۔

ب:...صبر کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ ہوائے نفسانی غالب آجائے، پھر اس کی دو علامتیں ہیں:

۱:...ایک یہ کہ ایسا شخص کہا کرتا ہے کہ مجھے توبہ کا شوق ہے، مگر توبہ اس سے ہو نہیں سکتی۔

۲:...دوم یہ کہ توبہ کا شوق ہی نہ رہے، یا کہے کہ اللہ رحیم و کریم ہے، اسے میری توبہ کی کیا پروا ہے؟

ج:...صبر کا متوسط درجہ یہ ہے کہ شیطانی گروہ اور خدائی لشکر میں جنگ و جدال رہے، کبھی یہ غالب اور کبھی وہ غالب، اس کی علامت یہ ہے کہ ضعیف خواہشوں کو چھوڑ سکے اور زور آور شہوات کو نہ چھوڑ سکے، اور برابر اس کوشش میں لگا رہے کہ کسی طرح نفس پر قابو حاصل ہوجائے، اسی کو جہادِ اکبر کہا گیا ہے۔

یاد رکھو! کہ انسان ساری عمر اور ہر حالت میں صبر کا محتاج ہے، کیونکہ اُسے دو ہی حالتیں پیش آسکتی ہیں: سب کچھ اس کی مرضی کے موافق ہوگا یا مخالف و ناگوار ہوگا، اگر اوّل ہے، جیسے: تونگری، اولاد اور عزّت وغیرہ، تو اس میں صبر کی نہایت ضرورت ہے، کیونکہ اگر نفس کی باگ نہ تھامی گئی تو یہ سرکش شرارت کرے گا، اور اگر

حالتِ دوم یعنی ناگواری ہو، تو اس کی چار قسمیں ہیں:

صبر طاعت:

اوّل: طاعات میں صبر کرنا جس سے نفس بھاگتا ہے، جیسے نماز میں سستی نہ کرنا، زکوٰۃ میں بخل نہ کرنا، عبادت میں شروع سے آخر تک اِخلاص رکھنا، عبادت کے اندر آداب وسنن پورے طور پر ادا کرنا، اور فراغت کے بعد ریا وسمعہ کے طور پر اس کا اظہار نہ کرنا وغیرہ۔

صبر عن المعصیت:

دوم: معاصی سے صبر کرنا، خاص کر جس کا نفس معاصی کا عادی ہو، جیسے: غیبت، جھوٹ اور خودستائی وغیرہ۔

صبر علی المکارہ:

سوم: صبر کی تیسری قسم یہ ہے کہ اختیار ہونے کے باوجود انتقام نہ لینا، یہ کسی وقت واجب، اور کسی وقت مستحب ہوتا ہے، چنانچہ اپنے متعلق انتقام نہ لینا اور صبر کرلینا مستحب ہے، اور دُوسروں کے متعلق انتقام لے لینا اور ظالموں سے ضعیفوں کو حق دِلادینا واجب ہے۔

چہارم: چوتھی قسم بالکل غیراختیاری ہے، جیسے: مرض ومصیبت میں صبر کرنا، اس کا بہت بڑا درجہ ہے، اس میں صبر یہ ہے کہ شکایت کا کلمہ زبان پر نہ لائے۔

۵:...شکر کا بیان:

حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

”لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيْدَنَّكُمْ“ (ابراہیم:۷)

ترجمہ:... ''اگر تم لوگ شکر کرو گے تو ہم تم کو زیادہ دیں گے۔''

واقعی شکر کا مرتبہ نہایت عالی ہے، اور صبر، خوف، زُہد اور تمام مذکورہ مقامات سے بلند ہے، کیونکہ جن صفات کا ذکر ہوا ہے، ان میں سے کوئی بھی مقصود بالذات نہیں ہے، بلکہ مقصود بالغیر ہے، چنانچہ صبر تو اس لئے مقصود ہے کہ ہوائے نفس کا قلع قمع ہوجائے، خوف اس لئے کہ کوڑے کا کام دے کر مقامِ مقصود تک پہنچادے، اور زُہد اس لئے کہ ماسوا اللہ کے تعلق سے بے خبر ہوجائے، البتہ شکر ایسی صفت ہے جو مقصود بالذات اور فی نفسہٖ مطلوب ہے، یہی وجہ ہے کہ شکر کا وجود جنت میں ہوگا، مگر توبہ، زُہد اور صبر کی وہاں حاجت نہیں۔

شکر کے ارکان:

شکر کے تین رُکن ہیں:

اوّل: علم، یعنی نعمت اور منعم سے واقف ہونا اور نیز سمجھنا کہ سب نعمتیں حق تعالیٰ کی ہیں، اور سب وسائط اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہیں، اس کو سمجھنے سے دو باتیں پیدا ہوں گی، ایک منعم سے خوش ہونا، دوم اس کی خدمت گزاری، اور امتثالِ اَمر میں سرگرم ہونا، ان دو حالتوں کا نام حال اور عمل ہے۔

دوسرا رُکن: حال ہے، کہ منعم کی نعمت پر اس وجہ سے خوش ہونا کہ یہ منعم کا عطیہ ہے، اور اس پر خضوع و تذلل ظاہر کرنا، پھر اس کی خوشی بھی تین وجہ سے ہوتی ہے:

ایک: یہ کہ میرے کام کی چیز ہاتھ آگئی، مثلاً: گھوڑے کی ضرورت تھی اور گھوڑا ہاتھ آگیا، یہ حالت تو کوئی چیز نہیں، کیونکہ اس میں صرف نعمت پر خوشی ہے، اس میں منعم کی حیثیت ملحوظ نہیں۔

دوم: یہ کہ یہ نعمت، مثلاً: گھوڑے پر سوار ہوکر منعم آقا کے حضور حاضر ہوکر شاہی خدمت بجا لاسکے گا، یہ حالت شکر کا حال درجہ ہے، کیونکہ اس پر اس وجہ سے خوش ہو رہا ہے کہ یہ منعم یعنی حق تعالیٰ تک پہنچنے کا ذریعہ ہے، اس کی علامت یہ ہے کہ کسی ایسی نعمت پر خوشی نہ ہو جس کے سبب ذکرِ الٰہی سے غفلت ہو۔

سوم: متوسط درجہ یہ ہے کہ اس نعمت سے خوش ہوکر اُسے عطیہ بتلا رہا ہے کہ اس غلام پر منعم کی عنایت ہے، جس سے آئندہ اور بڑی نعمت کے حصول کی اُمید ہے، یہ حالت شکر میں شمار ہے، البتہ ضعیف ہے۔

تیسرا رُکن عمل ہے، کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمت کو اس کی رضامندی میں استعمال کرے، مثلاً: زبان کو یادِ خدا تعالیٰ میں، کان کو ذکرِ الٰہی کے سننے میں، اور قلب کو ذکرِ معرفت اور اِخلاص میں استعمال کرے، اسی طرح ہر نعمت کو۔

۶:... اِخلاص اور صدق کا بیان:

اِخلاص کی بنیاد مسلمان کی نیت ہے، کیونکہ نیت ہی میں اِخلاص ہوا کرتا ہے، اور اِخلاص کا کمال صدق ہے، اور اِخلاص کے معنی یہ ہیں کہ نیت میں کسی شے کی آمیزش نہ ہو، اس لئے نیت، اِخلاص اور صدق کو علیحدہ علیحدہ بیان کیا جاتا ہے۔

رُکنِ اوّل: نیت:... حضرت رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

"اعمال کا مدار نیت پر ہے۔"

(مشکوٰۃ ص:۱۱، بحوالہ بخاری و مسلم)

اور نیت کے معنی قصد اور ارادہ کے ہیں، جس سے کام پر قدرت پیدا ہوتی ہے۔ پہلے اس شے کا علم ہوتا ہے، علم کے بعد اس کے عمل میں لانے کا قصد و ارادہ ہوتا ہے، اس کے بعد اس کام کو کرنے کی قدرت پیدا ہوتی ہے، گویا قصد و ارادہ،

قدرت کے خادم ہیں، پس وہی عزم ومیلان، جس نے قوت کو ہاتھ پاؤں پھیلانے، یعنی کام کرنے پر مستعد کیا ہے، نیت ہے۔

ایک عمل میں کئی نیتیں:

یاد رکھو! ایک عمل میں کئی کئی نیتوں کا جمع ہونا ممکن ہے، مثلاً: مسجد کے اندر جانے میں اللہ کی زیارت کی نیت، انتظارِ صلوٰۃ کی نیت، اِعتکاف کی نیت، خلوَت کی نیت، اَمر بالمعروف اور نہی عن المنکر وغیر ذالک کی نیتیں جمع ہوسکتی ہیں کہ یہ سب یا بعض نیتیں اس کے مسجد میں جانے کے لئے محرک ہوں۔

اسی طرح معصیت میں بھی کئی کئی فاسد نیتیں جمع ہوسکتی ہیں، مثلاً: مسجد میں جانے کا باعث فضول باتیں کرنا، مسلمانوں کی آبرو ریزی، ہنسی مذاق اُڑانا، بے ریش لڑکوں کو دیکھنا، تفاخر اور مناظرہ کی نیتیں جمع ہوکر شیطان کے اعمال کے مساوی ہوجانا ممکن ہے، معاذ اللہ!

رُکنِ دوم: اِخلاصِ نیت:...حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

''وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِیَعْبُدُوا اللّٰہَ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ''

(البینۃ:۴)

ترجمہ:...''لوگوں کو اُسی کا حکم ہوا ہے کہ اللہ کی عبادت کریں، مخلص بن کر۔''

اِخلاص کے معنی یہ ہیں کہ صرف ایک نیت ہی عمل کا باعث ہو، خواہ ریا مقصود ہو یا محض حق تعالیٰ کی رضا۔ جس طرح اِلحاد کے لغوی معنی محض میلان کے ہیں، خواہ حق کی جانب ہو یا باطل کی طرف، مگر شرعاً باطل کی جانب مائل ہونے کا نام اِلحاد ہے، اسی طرح عبادت میں اگر محض رضائے حق تعالیٰ کا قصد ہوتو وہ اِخلاص ہے، اور

اگر اس میں ریا کی آمیزش یا دُنیا کے کسی فائدہ کا ارادہ شامل ہو، جیسے: اگر روزہ میں عبادت کے ساتھ، ساتھ بیماری سے نفع ہونے کا قصد بھی ہو تو یہ اِخلاص نہیں، اسی طرح اگر حج کرنے میں یہ غرض بھی ہو کہ سفر کرنے سے صحتِ مزاج حاصل ہوگی یا دُشمن کی ایذاؤں سے چند روز بچ جاؤں گا، تو اِخلاص نہ رہا، اہلِ بصیرت کا قول ہے کہ اگر ایک ساعت بھی اِخلاص حاصل ہوجائے تو نجات مل جائے گی۔

حضرت ابوسلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''مبارک ہو اس کو! جس کا ایک قدم بھی ایسا اُٹھا جس سے مقصود خدا ہی ہے۔''

یاد رکھو! اگر مباح کاموں کے اندر حق تعالیٰ کی رضا کا قصد شامل ہوجائے تو اس کا ثواب بھی ضرور ملے گا۔

تیسرا رُکن صدق ہے:... اور یہی اِخلاص کا کمال ہے، حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ بندے وہ ہیں جو اپنے عہد میں سچے ثابت ہوئے۔

صدق کے درجات:

صدق کے چھ درجے ہیں:

پہلا درجہ: صدقِ قولی ہے، کہ ہر حالت میں سچ بولے، اس کے دو کمال ہیں، اوّل: تعریض سے بھی پرہیز کرے، دُوسرا: یہ کہ ان اقوال میں بھی صدق کا لحاظ رکھے، جو حق تعالیٰ کے سامنے عرض کرتا ہے، مثلاً: نماز میں ''اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ'' (تیری ہی عبادت کرتا ہوں اور تجھ ہی سے مدد مانگتا ہوں) کہتا ہے، پس اگر دِل کے اندر زَر کی طلب اور مال کی محبت موجود ہے، تو یہ بھی کذب ہے، کیونکہ دِل میں تو دُنیا کا بندہ بنا ہوا ہے، اسی طرح ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ'' کہنے کے وقت ہمہ تن شکر ہوجائے، اگر ایسا

نہ ہوتو یہ بھی کذب ہے، اَللّٰھُمَّ ارْحَمْنَا!

دُوسرا درجہ: نیت میں سچا رہنے کا ہے، یعنی ایسا اِخلاص کہ جس میں عبادت کے قصد کے سوا کسی دُوسرے قصد کی آمیزش نہ ہو۔

تیسرا درجہ: عزم میں سچا بننے کا ہے، انسان اکثر قصد کرتا ہے کہ اگر مجھے مال ملا تو اتنی خیرات کروں گا، پھر جب مال مل گیا تو بعض حضرات تو عزم میں پختہ رہتے ہیں، مگر بعض متردّد ہوجاتے ہیں، سچا وہ ہے جس کے عزم میں تردّد نہ آئے۔

چوتھا درجہ: عزم کے پورا کرنے میں سچائی کا ہے، کیونکہ اکثر اوقات انسان عزم میں تو پختہ ہوتا ہے، مگر پورا کرتے وقت کاہل بن جاتا ہے، مثلاً: مال کے ہاتھ آنے کے بعد صدقہ کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔

پانچواں درجہ: یہ ہے کہ ظاہر و باطن یکساں ہوں، یعنی ظاہری حالت وہی ہو جو باطن میں ہے، مثلاً: نرم چال چل کر ظاہر کرے کہ طبیعت میں وقار ہے، جبکہ قلب کے اندر وقار نہ ہو، بلکہ محض لوگوں کے دِکھانے کو ہو، تو اس کا نام ریا ہے، اگر دِکھاوے کا خیال نہیں تو ریا تو نہیں، مگر صدق بھی نہیں۔

چھٹا درجہ: باطنی معاملات اور مدارج میں سچا ہو، مثلاً: زُہد، اِخلاص، توکل وغیرہ کا انتہائی مرتبہ حاصل کرے، جو اُسے اسم بامسمّٰی بنادے، چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

”اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللهِ، اُولٰٓئِکَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ۔“ (الحجرات:۱۵)

ترجمہ:... ”مؤمن وہی ہے جو اللہ و رسولؐ پر ایمان لائے، پھر اس نے نہ کچھ شبہ کیا اور نہ اللہ کے راستے میں اپنے

مال و جان سے دریغ کیا، یہی لوگ سچے ہیں۔''
جس شخص کو ان میں سے جو درجہ حاصل ہوگا، اسی مقدار کے موافق اُسے صدق کا مرتبہ حاصل ہوگا۔

۷:...توکل کا بیان:

حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

''وَعَلَی اللهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ.'' (ابراہیم:۱۱)

ترجمہ:...''اللہ ہی پر مسلمانوں کو بھروسا رکھنا چاہئے۔''

''اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْا'' (یونس:۸۴)

ترجمہ:...''لوگو! اگر ایمان دار ہو تو خدا پر توکل کرو۔''

توکل کے معنی اس حالت کے ہیں، جو حق تعالیٰ کو یکتا، فاعل، مختار، تمام صفاتِ کمالیہ میں مستقل اور لاشریک سمجھنے کے بعد پیدا ہوتی ہے، اس کے بعد یہ حالت ایسے کام کراتی ہے، جس سے اللہ تعالیٰ پر اعتماد ظاہر ہوا کرتا ہے۔

توکل کے ارکان:

توکل کے تین رُکن ہیں: اوّل معرفت، دوم حالت، سوم اعمال۔

رُکنِ اوّل: معرفت:... یعنی حق تعالیٰ کی توحید، جس کا اقرار کلمۂ توحید سے ہوتا ہے کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں، اسی کا ملک ہے، وہ یکتا ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے، جب اس کا اعتقاد راسخ ہوجائے گا تو توکل کی حالت ضرور پیدا ہوگی، بشرطیکہ اس صدق اقرار کا معنی قلب پر غالب آجائے۔

دُوسرا رُکن حال توکل ہے:... اور اس کے معنی یہ ہیں کہ اپنے تمام کام خدا کے حوالے کردو، قلب کو مطمئن رکھو، اور غیر سے نظر اُٹھالو، کیونکہ جب سب کچھ

اسی کے قبضے میں ہے اور وہ رحیم وقدیر بھی ہے، تو پھر اس پر توکل کیوں نہ ہو؟ اگر اتنا جان کر بھی توکل نہ ہو، یا پورا یقین نہ ہو، یا یقین تو ہے مگر قلب پر اس یقین کا اثر نہیں، جیسے موت کے آنے کا یقین تو ہے، مگر ایسا نڈر رہے کہ گویا مرنا ہی نہیں، یا قلب پیدائشی طور پر ضعیف اور بزدل ہے، جس پر اوہام اور افکارِ باطلہ غالب ہیں، جیسے مردہ کے پاس لیٹنے سے ڈر معلوم ہوتا ہے، حالانکہ یقین ہے کہ مردہ کچھ نہیں کرسکتا، تو یہ واقعی توہّم ہے۔

تیسرا رُکن اعمال ہیں:... جاہلوں کا خیال ہے کہ متوکل وہی ہے جو سب کام چھوڑ چھاڑ کر، بے کارِ محض ہوکر خلوَت میں بیٹھا رہے، اگر بیمار ہوجائے تو علاج نہ کرے، کہیں آگ میں گھس جائے، کہیں شیر کے منہ میں ہاتھ دیدے، تب متوکل کہلائے گا، حالانکہ یہ خیال بالکل غلط ہے، کیونکہ ایسا کرنا شرعاً حرام ہے، جبکہ شرع نے توکل کی ترغیب دی ہے، بھلا جس چیز کو شریعت حرام بتلائے، اس کی ترغیب کیوں دِلائے گی...؟

اصل بات یہ ہے کہ انسان کی کوشش چند وجوہ سے ہوا کرتی ہے، مثلاً: نافع چیز کے حاصل کرنے، موجودہ نفع کی حفاظت، آنے والے ضرر کے روکنے یا موجودہ نقصان کے دُور کرنے میں ہوا کرتی ہے۔

منفعت اور مضرّت کی صورت میں اسباب اختیار کرنے اور کوشش کرنے کی تین صورتیں ہیں: یا تو وہ نفع حاصل کرنے اور مضرّت سے بچنے کا یقینی سبب ہوگا، یا اس کا غالب گمان ہوگا، یا محض موہوم ہوگا، یقینی سبب کے اختیار کرنے کا حکم شرعاً ضروری ہے، کیونکہ جن کو حق تعالیٰ نے قاعدے کے طور پر تجویز فرمایا ہے، اس میں تغیر وتبدل نہیں ہوسکتا، اس کو ترک کرنا حرام اور گناہ ہے، مثلاً: اولاد ہونے کے لئے نکاح کرنا، اور بھوک پیاس رفع کرنے کے لئے کھانے پینے کا انتظام کرنا، یا درندہ کو دیکھ کر بھاگ

جانا، یا جھکی دیوار کے پاس سے ہٹ جانا، اس میں توکل یہ ہے کہ اسباب ضرور اختیار کرے، مگر ان سب پر دِل سے بھروسا نہ ہو، بلکہ دِل سے خالق پر بھروسا ہو۔

دُوسری صورت یہ ہے کہ سبب پر نتیجہ مرتب ہونے کا غالب گمان ہو، مثلاً: جنگل کے سفر کے لئے توشہ لے جانا، اگر توشہ ساتھ نہ لے جائے تو اگرچہ مرجانا تو یقینی نہیں، تاہم غالب گمان ہے کہ مرجائے گا، تو ایسے سبب کا اختیار کرنا بھی خلافِ توکل نہیں، بلکہ سلف کا طریقہ اور صلحاء کا معمول رہا ہے۔

تیسری صورت موہوم کی ہے کہ جیسے مرض کے جاتے رہنے کے لئے منتر پڑھنا، داغنا اور مضر کا ترک کرنا وغیرہ بھی توکل ہے، ہاں! اگر غالب گمان ہو تو اختیار کرنا جائز ہے۔

فائدہ:... متوکل کو اپنے لئے ذخیرہ بنا کر رکھنا خلافِ توکل ہے، اور بال بچوں کے لئے ذخیرہ بنانا خلافِ توکل نہیں، حضرت رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ازواجِ مطہراتؓ کے لئے سال بھر کا نفقہ مرحمت فرمادیتے تھے۔

۸:... محبت کا بیان:

حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

''اللہ تعالیٰ نیک بندوں سے محبت کرتا ہے، اور نیک بندے اللہ سے محبت رکھتے ہیں۔''

حضرت رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

''جب تک تمہارے نزدیک اللہ اور اس کا رسول ہر چیز سے زیادہ محبوب نہ ہوگا، اس وقت تک تمہارا ایمان کامل نہ ہوگا۔'' (مشکوٰۃ ص:۱۲ بحوالہ بخاری ومسلم)

یاد رکھو! محبت کا مدار حسن پر ہے، اور حسن دو قسم پر ہے: حسنِ ظاہری اور حسنِ معنوی۔

اسبابِ محبت:

حسنِ ظاہری: کی وجہ سے محبت کا ہونا ادنیٰ درجہ ہے، کیونکہ حسن بھی معرضِ زوال میں (زوال پذیر) ہے، اور اس حسن کا ادراک بھی حواسِ خمسہ سے ہوتا ہے، مثلاً: آنکھ کو خوبصورت و حسین چیز دیکھنے سے لذّت آتی ہے، کان کو موزوں اشعار اور خوش الحانی سے مزہ آتا ہے، زبان کو چکھنے سے، ناک کو سونگھنے سے اور تمام بدن کو نرم چیز کے چھونے سے لذّت حاصل ہوتی ہے، اور حواسِ خمسہ کے لذائذ میں انسان کے ساتھ حیوان بھی شریک ہیں۔

حسنِ معنوی: یعنی خوب سیرتی کی وجہ سے محبت کا ہونا اعلیٰ درجہ ہے، کیونکہ اس حسن کا ادراک کرنے والا قلب ہے، اور قلب، جس کو عقل اور نور بھی کہتے ہیں، انسان کے ساتھ خاص ہے، کیونکہ اس کا ادراک بصیرت پر ہے، بشرطیکہ بصیرت کے آنکھ، کان روشن ہوں، اور بصیرتِ قلب انسان کے ساتھ خاص ہے، جتنا خوبصورتی کے اوصاف کمال پر ہوں گے، اتنا ہی محبت کمال پر ہوگی، مثلاً: جتنا بھی مقتدایانِ دِین کے کمالات سنے جاتے ہیں، اتنا ہی ان سے محبت میں اضافہ ہوتا ہے، کیونکہ ان کے ساتھ اتنا تعلق ہوجاتا ہے کہ ان کے نام پر جان و مال خرچ کرنے میں مطلق دریغ نہیں ہوتا، حالانکہ ان کی صورتِ مبارک بھی آنکھوں سے نہیں دیکھی، جب مقتدایانِ دِین کے کمالاتِ عالیہ سن کر ان سے ایسی محبت ہوجاتی ہے، کہ ان کے نام پر جان و مال قربان کرنے سے دریغ نہیں ہوتا، تو چونکہ حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ کمالات بدرجہ اتم موجود ہیں، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ پاک کے

ساتھ محبت دُنیا بھر کے علماء وانبیاء سے بڑھی ہوئی ہوگی، اس کے بعد حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو جس ذات نے یہ کمالات عطا فرمائے ہیں، اور درحقیقت مخلوق کے جملہ کمالات اس ذات کے اوصاف کے پَرتو اور ظل ہیں، تو اس کے ساتھ محبت کیوں نہ ہوگی؟ اس پر بھی اگر تمہاری بصیرت حق تعالیٰ کے جلال و جمال کا ادراک نہ کرسکے اور عشق پیدا نہ ہو، تو کم سے کم اتنا تو کرلو کہ اس کے احسانات و انعامات کو یاد کرو، آخر محسن کے ساتھ محبت پیدا ہوجائے گی۔

محبت کی علامات یہ ہیں:

اوّل:... یہ کہ انسان اپنے نفس کی خواہش پر اپنے محبوب یعنی حق تعالیٰ کے حکم کو ترجیح دیتا ہو۔

دوم:... یہ کہ اللہ تعالیٰ کی ملاقات کا شائق ہو، موت سے نہ گھبرائے۔

سوم:... یہ کہ حکمِ الٰہی اور قضا و قدر پر اس طرح راضی رہے، کہ گوار اور ناگوار جو کچھ بھی پیش آئے، اس پر زبان یا دِل سے شکوہ نہ کرے۔ اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا حُبَّکَ وَحُبَّ حَبِیْبِکَ وَحُبَّ مَنْ یُّحِبُّکَ!

۹:...رضا بر قضا کا بیان:

حق تعالیٰ نے مسلمانوں کی شان میں فرمایا ہے کہ:

”اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہیں۔“

رضا کے معنی یہ ہیں کہ ظاہر، باطن، زبان اور دِل میں سے کسی سے اور کسی حالت میں حق تعالیٰ پر اعتراض نہ کرے، اس کے ساتھ ہی اس کے حکم کی تعمیل بھی ہو، اسی طرح اس نے عالم کے لئے جو نظام تجویز فرمادیا ہے، اس سے بھی باہر نہ نکلے، بلکہ

شرعی اَحکام کا پورا پابند رہے، اور حق تعالیٰ کی مرضی حاصل کرنے اور اس کو راضی کرنے کے لئے اپنی طرف سے کوئی چیز ایجاد نہ کرے، مثلاً: دُعا مانگنے اور شر سے بچنے کی تدبیر کرنے کا شرعاً حکم ہے۔ اسی طرح جس شے کے حاصل ہونے کے لئے جو اسباب مقرّر فرمائے ہیں، مثلاً: پیاس کے دفع کرنے کے لئے پانی اور بھوک کے لئے روٹی، اولاد حاصل کرنے کے لئے شادی کرنا، ان سب کے اختیار کرنے میں رضا بالقضا ہے، اور ان کے ترک میں اسباب اور عادتِ جاریہ میں رخنہ ڈالنا یا حدودِ شریعت سے باہر نکلنا ہے، اسی طرح اَمر بالمعروف نہ کرنا بھی حدودِ شریعت سے نکلنا ہے۔

معصیت وکفر کی دو حیثیتیں:

یاد رکھو! کہ معصیت وکفر میں دو حیثیتیں ہیں:

ایک یہ کہ وہ حق تعالیٰ کے ارادہ اور مشیت سے ہے، کیونکہ خدا کے حکم کے بغیر کوئی ذرّہ بھی نہیں ہل سکتا، پس اس اعتبار سے تو اس کو قضا اور تقدیر کہتے ہیں، اس حیثیت سے اس پر ناگواری نہیں، بلکہ رضا ہونی چاہئے کہ حق تعالیٰ کا جو کام بھی ہے، وہ مصلحت سے خالی نہیں۔

دُوسری حیثیت یہ ہے کہ یہ کفر ومعصیت، عاصی وکافر شخص کا عمل اور کسب ہے، جو اس کے، حق تعالیٰ کا دُشمن اور نافرمان ہونے کی علامت ہے، پس اس اعتبار سے بے شک اس پر ناگواری اور اس سے بغض ہونا چاہئے، اسی اعتبار سے اَمر بالمعروف ہے، اور یہی تعمیلِ فرمان ہے، اور اسی اعتبار سے مبغوض ہے، خوب سمجھ لو!

۱۰:...فکرِ موت کا بیان:

یاد رکھو! کہ مقاماتِ سابقہ، سب ایک درجے میں نہیں ہیں، ان میں سے

بعض تو مقصود بالذات ہیں، کہ کسی کی وجہ سے نہیں ہیں، جیسے مقامِ رضا اور مقامِ محبت، اور بعض مقصود بالغیر ہیں، کہ کسی اور شے کی وجہ سے مقصود ہوگئے ہیں، مثلاً: زُہد، توبہ، خوف اور صبر وغیرہ، کیونکہ درحقیقت مقصود تو قربِ خداوندی ہے، البتہ یہ تمام مقامات خود قرب نہیں، بلکہ راہِ قرب میں معین ہیں، کیونکہ قرب تو معرفت و محبت سے حاصل ہوتا ہے، اور معرفت و محبت حاصل نہیں ہوسکتی جب تک کہ غیراللہ کی محبت قطع نہ کردی جائے، اور غیراللہ کی محبت جیسے خوفِ خداوندی اور ذکرِ الٰہی کے ذریعہ قطع ہوتی ہے، اسی طرح موت کی یاد سے بھی ہوتی ہے۔ جیسا کہ حضرت رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

"اکثروا ذکر ھازم اللذات"

(مشکوٰۃ ص:۱۴۰ بحوالہ ترمذی)

ترجمہ:... "لذتوں کے توڑنے والی چیز یعنی موت کا کثرت سے ذکر کیا کرو۔"

موت کے یاد کرنے کی صورت یہ ہے کہ خلوت میں بیٹھ کر دِل سے سارے خیالات کو نکال کر توبہ کے ساتھ موت کو یاد کرو کہ ایک دن آئے گا جب مال، اولاد، خویش و اقرباء کو چھوڑ کر قبر میں جانا ہے، جیسا کہ میرے فلاں فلاں دوست کیسے عیش و آرام میں تھے، مگر کیا ہوا کہ ان کی سب اُمیدیں خاک میں مل گئیں، اور اُن کے جسم کیڑے مکوڑوں کی غذا بن گئے، وہ پس ماندگان جن کے لئے تکلیف کش تھا، اب وہ ان کو یاد بھی نہیں، اسی طرح فکر کرتا رہے، تو اِن شاء اللہ تعالیٰ طولِ اَمل یعنی لمبی اُمیدیں کم ہوجائیں گی، اور نفس کی اصلاح ہوکر اِن شاء اللہ تعالیٰ بہشت کے حصول کا ذریعہ اور اللہ تعالیٰ کی رضا کا سبب پیدا ہوجائے گا، وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ!

خاتمہ در حسنِ خلق:

حضرت رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

''مؤمنین میں افضل وہی ہے جس کا خلق سب سے بہتر ہے۔'' (مشکوٰۃ ص:۴۳۲ بحوالہ ابوداؤد و دارمی)

حسنِ خلق کا نام دِین ہے، اور اسی کی تکمیل کے لئے جناب رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم دُنیا میں تشریف لائے، اگرچہ خلقِ حسن کی تحقیق میں محققین کے اقوال مختلف ہیں، مگر ہم اختصار کے ساتھ چند چیزیں بیان کرتے ہیں۔

جاننا چاہئے کہ خَلق بفتح خا سے مراد صورتِ ظاہری ہے، اور خُلق بضم خا سے مراد صورتِ باطنی ہے، جس طرح خوبصورت، حسین اسی وقت کہلاسکتا ہے جبکہ ہاتھ پاؤں، آنکھ، کان اور سارے اعضاء متناسب اور خوبصورت ہوں، اسی طرح حسنِ خلق یعنی خوب سیرتی اس وقت حاصل ہوگی جب اس کی تمام باطنی حالتیں قابلِ تعریف اور پسندیدہ ہوں، پھر باطنی حالت کا حسن اور خوبی ان چار قوتوں کے اعتدال پر موقوف ہے جن کا نام قوتِ علم، قوتِ غضب، قوتِ شہوت اور قوتِ عدل ہے، اگر ان میں سے ایک میں بھی افراط وتفریط ہوگئی تو حسنِ خلق نہ ہوگا۔

اوّل: قوّتِ علم:... جس کا اعتدال اور حسن یہ ہے کہ انسان اس کے ذریعہ اقوال میں سچ، جھوٹ، اعتقادات میں حق و باطل، اور اعمال میں حسن و قبح یعنی اچھے اور بُرے کی پہچان اور امتیاز وتفریق کرسکے۔

حکمت: جس وقت یہ صلاحیت پیدا ہوجائے گی، تو اس وقت حکمت اور اس کا ثمرہ پیدا ہوجائے گا، جسے اللہ تعالیٰ بایں الفاظ ارشاد فرماتا ہے کہ:

''وَمَنْ یُّؤْتَ الْحِکْمَۃَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا کَثِیْرًا'' (البقرۃ:۲۶۹)

ترجمہ:... ''اور جس کو حکمت نصیب ہوئی، اس کو خیرِ کثیر عطا ہوئی۔''

جو درحقیقت تمام فضیلتوں کی جڑ ہے۔

دوم و سوم: قوّتِ غضب و قوّتِ شہوت:... ان کا اعتدال اور حسن یہ ہے کہ یہ دونوں قوّتیں حکمت و شریعت کے اشارے پر چلنے لگیں، اور مہذّب و مطیع شکاری کتے کی طرح شریعت کی فرماں بردار بن جائیں۔

شجاعت:

قوتِ غضبیّہ کے اعتدال کا نام شجاعت ہے، اور یہی عنداللہ تعالیٰ پسندیدہ ہے، اسی سے شجاعت، لطف، کرم، دلیری، جودت، بردباری، استقلال، نرمی، غصّے کے ضبط کا مادّہ، ہر کام میں دُور اندیشی اور وقار پیدا ہوتا ہے، اگر اس میں زیادتی ہوتی ہے تو اس کا نام تہوّر ہے، اس سے ناعاقبت اندیشی، شیخی بگھارنا، غصّے سے بھڑک اُٹھنا، تکبر اور خود پسندی پیدا ہوتی ہے، اگر اس میں کمی ہوتی ہے تو بزدلی، ذِلت، بے غیرتی، بے حمیتی اور وہ حرکات پیدا ہوتی ہیں جو چھچھوراپن کہلاتی ہیں۔

پارسائی:

شہوت کی حالت کے اعتدال کا نام پارسائی ہے، اس حالت سے سخاوت، حیا، صبر، قناعت اور اتقا پیدا ہوتے ہیں، اسی سے خوف و خشیت اور دُوسرے کی مدد کرنے کا مادّہ پیدا ہوتا ہے۔ اس کے اعتدال سے بڑھنے سے حرص، ہویٰ، لالچ، خوشامد، تذلل، فقراء کو بہ نظرِ حقارت دیکھنا، بے حیائی، فضول خرچی، ریا، تنگ دِلی، بزدلی اور حسد وغیرہ خصائلِ بد پیدا ہوتے ہیں۔

چہارم: قوّتِ عدل:... اس کا اعتدال یہ ہے کہ قوّتِ غضب اور قوّتِ

شہوت دونوں کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے اور ان کو دِین وعقل کے اشارے کا ماتحت بنائے رکھے، گویا عقل حاکم ہے، اور یہ قوتِ عدل اس کی پیش کار ہے، جدھر حاکم کا اشارہ پاتی ہے، اسی جانب کو جھک جاتی ہے، اور اسی کے موافق اَحکام جاری کرتی ہے، پس جس وقت یہ حالت قابلِ اطمینان اور لائقِ تعریف ہوجاتی ہے، تو انسان احسن الخلق اور خوب سیرت کہلائے گا۔

قوّتِ عدل اگر اعتدال میں ہوتو انسان مدبر، منتظم، ذکی اور سمجھ دار ہوتا ہے، اس کی رائے صائب ہوتی ہے، ہر مضمون میں چلتی ہے، اور جودت کہلاتی ہے۔ اگر حدِ اعتدال سے بڑھ جائے تو دھوکابازی اور مکاری کہلاتی ہے، اگر عقل کی قوت میں کسی قسم کا نقصان اور ضعف ہوگا تو کند ذہنی اور حماقت کہلائے گا، جس کا اثر یہ ہوگا کہ ایسا آدمی جلد دُوسرے کے دھوکے میں آجائے گا۔

فائدہ:... ان بداخلاقیوں کی اصلاح چونکہ ریاضت ومجاہدہ سے ہوسکتی ہے، لہٰذا اگر کسی میں کوئی بُرا خلق ہوتو اس کو چاہئے کہ نفس پر جبر کرے، مثلاً: اگر بخل کی عادت ہوتو جبراً وقہراً اور نفس کو ناراض کرکے خرچ کرنے کی عادت ڈالے، اگر فضول خرچی کا خوگر ہوتو نفس کو فرضی سخاوت سے روکے اور جبراً خرچ کرنا بند کرے، تاکہ کم خرچی کی عادت ہوجائے، رفتہ رفتہ طبیعت حالتِ اعتدال پر آجائے گی، اور خصلتِ محمودہ سے دِل ایسا متصف ہوجائے گا کہ وہ عمدہ خصلت طبیعت بن جائے گی، اسی طرح ہر مرض کا علاج اس کی ضد سے کرے، اُمید ہے کہ وہ مرض کافور ہوجائے گا۔

بداخلاقیوں کا علاج:

کبھی بدخلق شخص بھی اپنے کو خلیق اور خوب سیرت سمجھنے لگتا ہے، چنانچہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ انسان کو غصہ آتا ہے، اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ مجھے اللہ کے واسطے ہی غصہ

آیا ہے، جو خوب سیرتی کے لئے ہونا چاہئے، اسی طرح مثلاً: اپنی عبادت کو لوگوں پر ظاہر کرتا ہے اور اس کو نفس یہ دھوکا دے کر مطمئن بنا دیتا ہے کہ تمہاری غرض یہ ہے کہ لوگ اس نیک کام کی رغبت اور اس میں تمہاری اقتدا کریں۔ لہٰذا مناسب ہے کہ اپنی حالت اپنے کسی مخلص اور صاف گو دوست سے پوچھو کہ وہ تمہیں کیسا سمجھتا ہے؟ پس اگر تمہارے دوست کو تمہاری خیر خواہی منظور ہوگی تو بے تکلف وہ تم کو بتادے گا کہ تمہاری فلاں عادت خراب ہے، پس اس کی اصلاح میں تم کو مشغول رہنا چاہئے، اگر چند عادتیں خراب ہوں تو زیادہ خراب کی فکر پہلے کرو، یا قلوب کے کسی ماہر طبیب کو اپنا اچھا بُرا حال سب بیان کرتے رہو، وہ جو فرمائے، اس کا اتباع کرو، اِن شاء اللہ اصلاح ہوجائے گی، اور اگر یہ دونوں مفقود ہوں، تو اپنی حالت کا کتبِ اخلاق سے موازنہ کیا کرو، اور اگر یہ بھی میسر نہ ہو تو لوگوں سے اختلاط اور تعلقات کو کم کرتے جاؤ، اُمید ہے کہ بفضلہٖ تعالیٰ اصلاح ہوتی جائے گی۔

سلسلۂ قادریہ کے اسباق

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

خُصُوْصًا عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدِ الْمُصْطَفٰی وَعَلٰی اَصْحَابِہٖ

وَاٰلِہٖ وَاَتْبَاعِہِ الَّذِیْنَ فَازُوْا بِاتِّبَاعِہِ الدَّرَجَاتِ الْعُلٰی.

سلسلہ قادریہ کے اسباق، خواص وعوام کے لئے مختلف ہیں، کسی کے لئے حسبِ استعداد مراقبات و اذکار ہیں، کسی کے لئے زبانی وظائف ہیں، کسی کے لئے شغل وتصوّرات ہیں، اور کسی کے لئے محض ذکرِ قلبی، رُوحی، سری وغیرہ ہیں، بندہ متوسط علم و استعداد والے حضرات کے لئے چند اسباق پیشِ خدمت کرتا ہے، گر قبول افتد زہے عزّ وشرف!

۱:... ذکرِ قلبی: دِل کے مقام پر ''اللہ، اللہ'' کی ضرب لگانا اور زبان سے بھی کہنا، قلب بائیں پستان کے نیچے بفاصلہ دو اُنگشت ہوتا ہے۔

۲:... ذکرِ رُوحی: لطیفۂ رُوح دائیں پستان کے نیچے بفاصلہ دو اُنگشت۔ بجانب پہلو ہے، اس پر ''اللہ، اللہ'' کی ضرب لگانا اور زبان سے بھی کہنا۔

۳:... ذکرِ سری: مذکورہ بالا دونوں لطائف کے درمیان وسطِ سینہ سے ذرا نیچے ''اللہ، اللہ'' کی ضرب لگانا، اور زبان سے بھی کہنا۔

۴:... ذکرِ لطیفہ نفسی: لطیفۂ نفس ناف کے نیچے ہے، اس پر ''اللہ، اللہ'' کی ضرب لگانا، اور زبان سے بھی کہنا۔

۵:... ذکرِ لطیفہ خفی: یہ ہے کہ پیشانی پر ''اللہ، اللہ'' کی ضرب لگانا، اور زبان سے بھی کہنا۔

۶:... ذکرِ لطیفہ اخفی: تالو پر ''اللہ، اللہ'' کی ضرب لگانا، اور زبان سے کہنا۔

۷:... پاسِ انفاس: لطیفۂ قلبی، رُوحی اور سری سے اسمِ ذات ''اللہ'' کو اُٹھا کر (یعنی بذریعہ سانس کھینچ کر) اخفیٰ (تالو) تک لے جانا، پھر ناک کے راستے سے ''ہو'' کو نکالنا۔

۸:... ذکر ارّہ: دائیں کندھے سے ''یا'' کو لطیفہ رُوحی تک لانا، پھر رُوحی سے سری تک ''اللہ'' کہنا، اور سری سے قلبی تک ''ہو'' کہنا۔

۹:... سبع صفات: یعنی سمیع، بصیر، کلیم، حیّ، قدیر، مرید اور علیم، ان صفاتِ مذکور کو لطائف پر اس طرح پڑھنا کہ: سمیع تُو، میں نہیں، بصیر تُو، میں نہیں، کلیم تُو، میں نہیں، حیّ تُو، میں نہیں، قدیر تُو، میں نہیں، مرید تُو، میں نہیں، علیم تُو، میں نہیں۔

۱۰:... سلطان الاذکار: اسمِ ذات ''اللہ'' کو لطیفۂ نفس سے اُٹھا کر عرش سے اُوپر لے جائے اور تصوّر کرے کہ تمام فرشتے تسبیحیں پڑھ رہے ہیں، اور چاروں بڑے فرشتے زور زور سے تسبیحیں پڑھ رہے ہیں، پھر وہاں سے ''ہو'' کو نیچے لانا اور ساتوں زمین کے نیچے تک لے جانا۔

۱۱:... نفی اِثبات: لطیفۂ نفس سے ''لا'' کو لطیفہ سری تک لانا، پھر سری سے ''اِلٰہ'' کو اخفی تک لے جانا، پھر رُوحی سے قلبی تک ''اِلَّا اللہ'' پڑھنا۔

۱۲:... مراقبہ اسم نورانی: مذکورہ بالا لطائف ستہ پر بیک وقت ''اللہ'' کی ضرب لگانا اور ساتھ ہی ان کو روشن کرنا۔

۱۳:... کبھی نفی اِثبات اس طور سے کراتے ہیں کہ: ''لا'' کو لطیفہ رُوحی سے لطیفۂ سری تک لانا اور ''اِلَّا اللہ'' کی قلب پر معمولی ضرب لگانا، اور کبھی ''لا'' کو لطیفہ نفسی

سے کھینچ کر اخفیٰ تک اور ''اِلٰہ'' کو داہنے مونڈھے تک لاکر نفی غیراللہ کا تصوّر کرنا، اور ''اِلَّا اللہ'' کی ضرب دِل پر لگانا، اور اثبات ذات کا کیا جائے، پھر ''اِلَّا اللہ، اِلَّا اللہ'' کی ضرب دِل پر لگائے، پھر ''اللہ، اللہ'' کی ضرب دِل پر لگائے، پھر ''ہو، ہو'' کی ضرب دِل پر لگائے، تمام تین، تین سو بار پڑھے، یہ دوازدہ تسبیحات ہیں، مگر زبان سے رونے کی آواز سے آہستہ آہستہ اس قدر کہ ساتھ والا سنے، دُور آواز نہ جائے۔

۱۴:... پھر ''اللہ حاضری'' داہنے مونڈھے پر اور ''اللہ ناظری'' بائیں مونڈھے پر ''اللہ معی'' سینہ پر تین بار کہے، مگر حاضری، ناظری اور معی کا اس قدر فکر کرے کہ ہر وقت اس کا تصوّر رہے تاکہ غلطیوں سے بچ جائے، اور فرمان کی تعمیل پوری ہوتی رہے، اور حاضری، ناظری اور معی میں اللہ تعالیٰ کا استحضار اکثر اوقات رہ جائے۔

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین
وصلّی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقه سیدنا محمد واٰلہٖ
وصحبہٖ وسلّم ابدا الابید وختم لنا العمل السعید فانه
بالاجابة جدیر وھو علیٰ کل شیء قدیر
ویفعل ما یشاء ویحکم ما یرید

۲؍ جمادی الثانیہ ۱۳۹۱ھ

”در حقیقت مقصود تو قربِ خداوندی ہے......
قرب تو معرفت و محبت سے حاصل ہوتا ہے، اور
معرفت و محبت حاصل نہیں ہوسکتی جب تک کہ غیر اللہ
کی محبت قطع نہ کردی جائے۔“

التجلّی
فی الانوار والتجلّی

یعنی

انوار و تجلّی کی حقیقت

قطب الارشاد حضرت مولانا محمد عبداللہ بہلوی قدس سرہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

رَبِّ یَسِّرْ وَلَا تُعَسِّرْ وَتَمِّمْ بِالْخَیْرِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مُحَمَّدٍ خَاتِمِ النَّبِیِّیْنَ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَتْبَاعِہٖ اَجْمَعِیْنَ،

اَمَّا بَعْدُ!

واضح ہو کہ انوارِ ذکر، کشف اور تجلیات کی کیفیات میں بعض احباب کو ورطۂ حیرت میں مضطرب و سرگرداں دیکھا، خیال ہوا کہ اگر چند چیزیں کتبِ سابقہ صحیحہ اور مسموعہ انفاسِ طیبات اکابر کرامؒ مثلاً: حکیم الاُمت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ وغیرہم سے حوالۂ قلم کردی جائیں تو شاید کسی کو فائدہ ہو اور دُعائے مغفرت کرے، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور مجھے بخشے، وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ، تو یہ بھی میری نجات کے لئے ایک سبب ہے، اسی لئے ماحضر پیشِ خدمت ہے، ناظرینِ کرام قبول فرما کر میرے لئے دُعا فرمائیں، سیجزیھم اللہ تعالیٰ خیراً!

عرض یہ ہے کہ دِل کا آئینہ ذکر اللہ سے آہستہ آہستہ صاف ہوتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

"لِکُلِّ شَیْءٍ صِقَالَۃٌ وَصِقَالَۃُ الْقُلُوْبِ ذِکْرُ اللّٰہِ."

(مشکوٰۃ ص:۹۹)

ترجمہ:... ''بے شک ہر چیز کو صیقل کرنے والی کوئی
خاص چیز ہوتی ہے، اور دِلوں کو صفا کرنے والی چیز ذکر اللہ ہے۔''

اگر چہ تمام عمر قساوتِ قلوب میں بسر ہوتی ہے، چند ایام ذکر کرنے سے... بسبب اس کے کہ اللہ تعالیٰ کا نامِ پاک غالب ہے... سیاہی آہستہ آہستہ دُور ہونے لگتی ہے، ذکر سے صفائی ہوتی ہے، اور صفائی پر گاہے انوار وارِد ہونے لگتے ہیں (ہر کسی کو انوار معلوم نہیں ہوتے، کسی کسی کو ہوتے ہیں)، اور وہ انوار تین قسم پر منقسم ہیں:

ا:...بروق، ۲:...لوامع، ۳:...لوائح۔

بروق: برق کی طرح جلدی آتے اور جاتے ہیں، جیسے روشنی و چمک ظاہر ہوئی اور پھر غائب ہوگئی۔

لوامع: چمک پے در پے ہوتی ہے، پھر تھوڑی دیر کے بعد یہ بھی بس (ختم) ہوجاتی ہے، لیکن ان کی روشنی پہلی قسم سے زیادہ ہوتی ہے، کبھی چراغ، مشعل کی طرح ہوتی ہے۔

لوائح: میں روشنی دیر تک رہتی ہے، اکثر آفتاب، چاند اور ستارے کی طرح منعکس ہوتی ہے، پھر وہ روشنی کبھی جسم کے باہر اور کبھی اندر ظاہر ہوتی ہے۔ مع ہذا اگر کسی رنگ، شکل، صورت اور کیفیت میں ظاہر ہو تو صفاتِ بشری کی آلائش سے خالی نہ ہوگی، حواسِ باطنہ، ظاہرہ، عناصر یا کسی خارجی چیز کی لطافت کی آمیزش ہوگی، وہ نور مقید کے نام سے موسوم ہے، اگر وہ بے رنگ و کیف ہے تو وہ وجدانِ قلبی سے معلوم ہوتی ہے، اس کو نورِ مطلق کہتے ہیں۔

انوار کس کس چیز سے پیدا ہوتے ہیں؟

کبھی یہ انوار اعتقاداتِ صحیحہ کا پَرتو، کبھی اعمالِ صالحہ کی تجلی، کبھی اخلاقِ

فاضلہ کی روشنی، کبھی یہ نور مشکوٰۃِ نبوّت سے مستفاد، کبھی ولایتِ شیخ و مرشد اور کبھی مکانِ مقدس، مزارِ منوّر اور زمانِ مبارک کا نور ہوتا ہے۔ انوار کے امتیاز کے لئے شیخ صاحبِ بصیرت کی ضرورت ہے۔

جاننا چاہئے کہ انوار میں تمائز (امتیاز) اور پہچاننا کہ کس چیز سے پیدا ہوا؟ اور اس کا دُوسرے نور سے کیا فرق ہے؟ اور چند چیزوں کے انوار مجتمع ہونے کے وقت غالب و مغلوب میں فرق کرنا بغیر طبیبِ حاذق یعنی شیخِ واثق کے مشکل ہے۔ نیز لطافتِ ناری سے نور کا جدا کرنا اور حواسِ باطنہ کی تجلّی کو عبادت کی تجلّی سے علیحدہ سمجھنا بھی سوائے ماہر، باریک بین کے عسیر (مشکل) ہے۔ اور بعض وقت مجاہدۂ شاقہ، کم خوردنی اور خلوت کے سبب سے بھی کسی قسم کا نور نمودار ہوتا ہے، اور کبھی جن و شیطان، بدعتی اور مشرک پر اپنی لطافتِ ناری کا پَرتو ڈالتا ہے، جس کو وہ نورِ سریانی یا طریانی سمجھتا ہے، اس کا فرق بھی محقق کرسکتا ہے، اس کے لئے مرشدِ بصیر کی ضرورت ہے۔

انوار کا اعلیٰ درجہ:

جاننا چاہئے کہ کبھی سالک پر افعالِ الٰہی تعالیٰ اور صفاتِ الٰہی تعالیٰ کے انوار کا پَرتو ہوتا ہے۔ پھر صفاتِ الٰہی دو قسم کی ہیں: ۱:... جمالی ۲:... جلالی۔ (یہ پَرتو بلاواسطہ ہوگا یا بالواسطہ)۔

اگر صفاتِ جمالی مثل علیم، حکیم، رحمٰن، رحیم وغیرہ کا پَرتو وارد ہو اور بالواسطہ ہو، جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہوا: "مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ يّٰمُوْسٰى" (القصص:۳۰) اور بلاواسطہ ہو جیسے: "وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا" (النساء:۱۶۴) تو وہ نور بے کیفیت، بے حد اور بے مثل ہوتا ہے، تمکین اور تمکن اس کے لوازمات میں سے ہے، یہاں پر نہ طلوع رہتا ہے، نہ غروب، نہ دایاں، نہ بایاں، نہ قریب، نہ بعید:

بصر زنور تو بر تو ظفر نمے یابد
ترا چنانکہ توئی دید ور نمے یابد
زتو چگو نہ خبر شد دل مرا کہ زلطف
طرا زپیراہن از تو خبر نمے یابد

اس سے اکثر فنا ظاہر ہوتی ہے، دِل مشاہد ہوتا ہے، بس: ''مَا کَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی''۔

اور اگر صفاتِ جلال کے انوار جو قہرِ خداوندی کے عالم سے ہیں، ظاہر ہوں تو وہ فناء الفناء کے مقتضی ہوتے ہیں، اس قسم کے احوال اعیانی ہیں، بیانی نہیں، بلکہ عینی ہیں نہ کہ آئینی۔

صفاتِ جلال کے انوار محرق (جلانے والے) ہوتے ہیں، اور صفاتِ جمال کے مشرق (چمکانے والے)۔

صفاتِ جلالی کے مقام فناء الفناء میں حیرت، ہیبت، دبدبہ اور الوہیت ظاہر ہوتی ہے، اور گاہے سیاہ نور باقی رکھنے والا، زندہ کرنے والا معلوم ہوتا ہے:

دیدیم نہاں گیتی واصل جہاں
و زعلت دعا برگذشتیم آساں
از نور سیہ زلا نقطہ برتر مداں
زاں گذشتیم نہ ایں ماند نہ آں

ترجمہ:... ''ہم نے پوشیدہ عالم اور اصلِ جہاں دیکھا،
اور دُعا کے سبب آسانی سے گزر گئے ہیں، سیاہ اور پیلی بھڑ کو نور
سے برتر مت جان، ہم اس سے گزر گئے، نہ یہ رہا، نہ وہ رہا۔''

اور صفاتِ جمال میں ایسا پَرتو وارِد ہوتا ہے کہ حجاب شفاف ہوجاتے ہیں:

"سَنُرِیْھِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَفِیْ اَنْفُسِھِمْ" (حٰمٓ السجدة:۵۳) اگر اپنے تئیں دیکھتا ہے تو حق دیکھتا ہے، اور موجودات کو دیکھتا ہے تو ہر ذرّہ میں حق تعالیٰ ہی دکھائی دیتا ہے، "اَنَا الْحَقُّ" اور "مَا رَأَیْتُ اللهَ شَیْئًا اِلَّا وَرَأَیْتُ اللهَ فِیْهِ" اسی مقام کے آثار ہیں:

عمریست کہ در راہ تو بائسیت سپرم
خاکِ درِ تو بدید گاں می سپرم
زاں روئے کنوں کائنہ روئے تو ام
از دیدہ تو بروئے تومی نگرم

ترجمہ:... "ایک عمر ہے جو تیری راہ میں سپرد کرتا ہوں میں، تیرے در کی خاک کو آنکھوں کے سپرد کرتا ہوں میں، میں اب اس چہرے سے جو تیرے چہرے کا آئینہ ہے، تیری آنکھ سے تیرے چہرے میں دیکھتا ہوں میں۔"

اور کبھی افعالِ الٰہی کے انوار سالک پر وارِد ہوتے ہیں، تو افعالِ مخلوق بالواسطہ یا بلاواسطہ افعالِ الٰہی معلوم ہوتے ہیں:

اگر دیدہ بخشد خداوند امر
نہ بینی دگر صورت زید و عمرو

یاد رکھنا چاہئے! کہ دونوں عالم وجودی میں جو چیز ہے یا انوارِ لطف کا پَرتو ہے یا قہر کی صفات کا، کسی چیز کا وجودِ حقیقی قائم بالذات سوائے اللہ تعالیٰ کے نہیں، باقی جو کچھ ہے وہ اُسی سے ہے، یا وہ ہی ہے:

دل جز وحقیقت است تن پوست بہ بیں
در کسوت روح صورت دوست بہ بیں

ہر چیز کہ نشانِ ہستی دارد
یا سایہ نور اوست یا اوست بہ بیں

ترجمہ:... ''دِل جزوِ حقیقت ہے، بدن کو چھلکا جان، رُوح کی لباس میں دوست کی صورت دیکھ، جو چیز کہ اس کی ہستی کا نشان رکھتی ہے، یا اس کے نور کا سایہ ہے یا خود وہی جان۔''

مکاشفات اور ان کی اقسام کا مختصر نقشہ:

حدیث میں ہے:

''حِجَابُهُ النُّوْرُ .... لَوْ كَشَفَهَا لَاحْتَرَقَتْ سُبُحَاتُ وَجْهِهٖ مَا انْتَهٰى اِلَيْهِ بَصَرُهٗ.'' (صحیح مسلم ج:۱ ص:۹۹)

ترجمہ:... ''اس کا حجاب اس کا نور ہے، اگر اس حجاب کو دُور کردے تو اس کے چہرے کی تیزی ان سب چیزوں کو جلادے جن تک اس کی نگاہ کام کرتی ہے۔''

واضح رہے کہ کشف یہ ہے کہ کسی کا حجاب سے اس طرح نکلنا کہ صاحبِ کشف اس چیز کا ادراک ایسی صفت سے کرے جس سے اس سے پیشتر نہ کیا ہو، جیسا کہ:

''فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ.'' (قٓ:۲۲)

ترجمہ:... ''تیری نظر کے سامنے سے ہم نے پردے ہٹالئے، سو تیری نظر آج تیز ہوگئی۔''

حجاب سے مراد وہ موانعات ہیں جن کے سبب انسان حضرتِ جلَّ شانہ کے

کمالات کے مشاہدے سے دُور، ممنوع و محجوب رہتا ہے، اور وہ حجاب انسان کی طرف سے ہیں نہ کہ جلّ و علا کی طرف سے۔

وہ حجاب یا تو ظلمانی ہوں گے، جیسے:

''اَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوَاهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ..... الخ.'' (الجاثیۃ:۲۳)

ترجمہ:... ''بھلا دیکھ تو جس نے ٹھہرالیا اپنا حاکم اپنی خواہش کو اور راہ سے بچلادیا اس کو اللہ نے باوجودیکہ جانتا بوجھتا، اور مہر لگادی اس کے کان اور دِل پر۔''

یا وہ حجاب خواہشاتِ نفسانی ہوں گے، خواہ اعتقادی و اخلاقی یا لسانی و جوارح کے افعال ہوں:

ہمہ باہوا و ہوس ساختی
دمے با مصالح نپر داختی

یا پھر وہ شدید تر حجابِ نورانی ہوتے ہیں کہ ان کی وجہ سے کمالاتِ الٰہی کے مشاہدے سے محروم رہتا ہے، اس لئے کہ ظلمانی حجاب کو گناہ سمجھ کر توبہ سے پاک ہوسکتا ہے، اور حجابِ نورانی جیسا کہ انوار، کشف، استغراق اور کرامت وغیرہ کو مقصدِ اصلی سمجھے، تو یہ شخص ان کو کمال سمجھ کر ان میں محو رہے گا، اور کمالِ صحیح سے بے بہرہ رہے گا۔

جاننا چاہئے کہ مدرکاتِ انسانی یا بواسطہ حواسِ خمسہ ظاہری، مثلاً: قوتِ باصرہ، سامعہ، لامسہ، شامہ اور ذائقہ، کے ہیں، یا بواسطہ حواسِ خمسہ باطنی، مثلاً: حس مشترک، خیال، وہم، قوتِ متصرفہ اور حافظہ کے ہیں، اور یہ سب بدن سے متعلق ہیں، ان چیزوں سے جو چیز منکشف ہو، وہ اہلِ سلوک کے نزدیک مکاشفات میں داخل نہیں، اہلِ سلوک کی اصطلاح میں مکاشفات کا اطلاق اُن معنوں پر ہوتا ہے جو بواسطہ حواسِ

باطنی جو کہ رُوح کے متعلق ہیں، مثلاً: عقل، دِل، سر، رُوح اور خفی، کے واسطے سے مدرک ہوں، اس کو مکاشفہ کہتے ہیں، اور وہ چند قسم ہیں:

کشفِ نظری:

یاد رکھنا چاہئے کہ اہلِ سلوک کے نزدیک ستر ہزار حجاب فیما بین العبد والربّ ہیں، جیسا کہ وارِد ہے:

''اِنَّ لِلّٰہِ تَعَالٰی سَبْعِیْنَ اَلْفَ حِجَابٍ مِّنْ نُّوْرٍ وَّظُلْمَۃٍ.'' (اتحاف ج:۲ ص:۷۲)

ترجمہ:... ''اللہ تعالیٰ کے نور اور ظلمت کے ستر ہزار پردے ہیں۔''

یہ ستر ہزار پردے انسان کے وجود میں ہیں، جب سالکِ صادق اعلیٰ علیّین کی طرف رُخ کرتا ہے اور قانونِ طریقت کے مطابق ریاضت و مجاہدہ سے راہ طے کرنے لگتا ہے، تو اُن حجابوں میں سے جو رفع ہوتا ہے، اس کے مطابق گاہے صفائیِ عقل سے اس کو معقول معانی دکھائی دیتے ہیں، اور اسرار منکشف ہوتے ہیں، اس کو کشفِ نظری کہتے ہیں۔ اس پر اس قدر بھروسہ نہیں ہوسکتا، کیونکہ جو چیز دکھائی دے اور طے نہ ہو، وہ قابلِ اعتبار نہیں:

''نے ہرچہ بینی بتو بخشد ای دل''

(اے دِل یہ بات نہیں ہے کہ تو جو کچھ دیکھے وہی تجھے عطا کردے)

کشفِ شہودی (قلبی):

اور جب معقولات کے کشف سے عبور کیا تو دِل کے مکاشفات ظاہر ہوتے ہیں، جنھیں کشفِ شہودی کہتے ہیں، اس میں مختلف انوار ہوتے ہیں، جیسا کہ کسی قدر

پہلے بیان ہو چکا ہے۔

مکاشفاتِ سری:

اس کے بعد الہامی کشف وارِد ہوتے ہیں، یہاں پہنچ کر اکثر چیز کے وجود کی حکمت اور اس کی پیدائش کے بعض اسرار مکشوف ہوتے ہیں، اس کو مکاشفاتِ سری کہتے ہیں۔

واضح ہو کہ دِل عالمِ جسمانی اور عالمِ ملکوت کا وسیلہ ہے، اس کا ایک رُخ عالمِ ملکوت میں ہے اور دُوسرا عالمِ جسمانی کی طرف، تا کہ عالمِ ملکوت کی طرف سے رُوحانیت کے انوار کے آثار بدن اور نفس دونوں کو پہنچائے۔

مکاشفاتِ نظری سے خداوندی کے عالمِ بالا تک راہ ملتی ہے، اور مکاشفاتِ شہودی سے عالمِ ملکوت کے انوار وارِد ہوتے ہیں، اور مکاشفاتِ سری سے حقائقِ اشیاء کے فیوض دِل کو پہنچتے ہیں۔ پس جیسے دِل عالمِ جسمانی اور عالمِ ملکوت کا وسیلہ ہے، ویسے ہی سر عالمِ دِل اور عالمِ رُوح کا وسیلہ ہے، عالمِ رُوح سے بواسطہ سر فیوض عالمِ دِل پر پہنچتے ہیں:

ای کردہ غمت غارت ہوش دِلِ ما
درد تو زدہ خانہ فروش دِلِ ما
سریکہ مقدساں ازاں محروم اند
عشق تو فروگفتہ بگوش دِلِ ما

مکاشفاتِ رُوحی:

اس کے بعد مکاشفاتِ رُوحی وارِد ہوتے ہیں، جسے رُوحانی کشف کہتے ہیں، اس مقام میں بعض کو صفائی کے مطابق مختلف عروج اور مختلف عوالم (عالم کی جمع)

کے کشف وارِد ہوتے ہیں، پھر کسی کو زمان و مکان سے بعض حجاب گاہے مرتفع ہوجاتے ہیں، کسی کو کم، کسی کو زیادہ، حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم پر دوزخ و بہشت گاہے منکشف ہونا، غالباً اُن ہی آثار سے تھا۔

فائدہ:... بہت سے خرقِ عادات جنہیں کرامات کہتے ہیں، اسی مقام میں بعض کو ملتے ہیں، پانی یا آگ پر چلنا اور زمین وغیرہ کا طے ہونا اسی مقام پر ظاہر ہوتے ہیں، مگر ان کرامتوں کا چنداں اعتبار نہیں، کیونکہ یہ چیزیں مؤمن و کافر دونوں میں مشترک ہیں، جیسے حدیث میں ابنِ صیاد کے بعض کشف مذکور ہیں اور دجال کے سینکڑوں خارقِ عادات حدیث میں وارِد ہیں، کرامت اور استدراج میں تشابہ ہے، سنتِ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر صحیح عمل کرامت اور استدراج میں فرق کرنے والا ہے۔

مکاشفاتِ خفی:

اس کے بعد مکاشفاتِ خفی ظاہر ہوتے ہیں، وہ مؤمنوں کے ساتھ خاص ہیں، کفار، فساق کو نہیں ملتے، جیسا کہ فرمایا:

''کَتَبَ فِیْ قُلُوْبِھِمُ الْاِیْمَانَ وَاَیَّدَھُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ''

(المجادلۃ:۲۲)

ترجمہ:... ''ان کے دِلوں میں ایمان لکھا گیا ہے، یعنی دائم و قائم ہے، اور اُن کو اس کی رُوح سے تائید حاصل ہے۔''

دُوسری جگہ فرمایا:

''یُلْقِی الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِہٖ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ'' (المؤمن:۱۵)

ترجمہ:... ''اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے

اپنے اَمر سے رُوح کا القا فرماتا ہے۔''

پس خفی صفاتِ خداوندی کے عالم اور رُوحانیت کے عالم کا وسیلہ ہے، تاکہ انسان صفاتِ حضرتی کے مکاشفات کے قابل ہوجائے۔

پھر اگر عالمیت کی صفت مکشوف ہوتو اس کو علمِ لدنی ظاہر ہوتا ہے۔

اور سمعی صفت مکشوف ہوتو کلام اور خطاب شنوائی دیتے ہیں۔

اور بصیری صفت کے کشف سے رُوٗیت اور مشاہدہ ظاہر ہوتا ہے۔

اور اگر جمال کی صفت ظاہر ہوتو شہودِ حضرتی کا ذوق حاصل ہوتا ہے۔

اور اگر جلالی صفت ظاہر ہوتو فناء حقیقی ظاہر ہوتی ہے، علیٰ ہذا القیاس۔

مگر کشفِ ذاتی کا مرتبہ اور جمیع صفات کا کشف بہت ہی بلند ہے، سوائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی کو کم نصیب ہوا ہے:

ایں دولتے است کہ کرا دہند
تا بر سرکوئے عشق تو منزل ما است
سر دو جہاں بجملہ کشف ما است
وآنجا کہ قدمگاہ دل مقبل ما است
مطلوب ہمہ جہانیاں حاصل ما است

تجلیٔ ذات وصفاتِ خداوندی:

اللہ تعالیٰ جل شانہ نے فرمایا:

''فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا'' (الاعراف:۱۴۳)

ترجمہ:... ''اللہ تعالیٰ نے جب کوہِ طور پر تجلی فرمائی تو

اس کوٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور موسیٰ علیہ السلام بیہوش ہوکر گر گئے۔"

تجلّی کی تحقیق کہ کیا چیز ہے؟ اس کے متعلق مالہٗ وما علیہ فتح الملہم بشرح صحیح مسلم جلدِ اوّل صفحہ:۳۴۵ میں حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی قدس سرہٗ نے تحقیق فرمائی ہے، جو چاہے وہاں دیکھ لے، اس جگہ جو مطلب کتبِ تصوّف سے میری ناقص سمجھ میں آیا ہے، وہ پیشِ خدمت ہے:

واضح رہے کہ تجلّی سے مراد ذات و صفاتِ خداوندی کا ظہور ہے، اور ایک تجلّی رُوح کا بھی ہوتا ہے، اس میں سالک کو تجلّیٔ حق کا سا ذوق ہوتا ہے، بعض سالک اس پر فریفتہ ہوکر حق تعالیٰ کی تجلّی سمجھتے ہیں، دونوں میں فرق عنقریب پیشِ خدمت کیا جائے گا، انشاء اللہ تعالیٰ۔

نیز یاد رہے کہ جب دِل کا آئینہ ماسوی اللہ کی کدورت سے پاک صاف ہوجاتا ہے تو تجلّیٔ حق کے قابل سمجھا جاتا ہے، مگر اس کا یہ معنی نہیں کہ جس کا دِل صفا ہو اس کو تجلّی کی سعادت بھی حاصل ہو، تجلّی کے لئے دِلِ صفا ضروری ہے، لیکن دِلِ صفا پر تجلّی ہونا ضروری نہیں:

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

تجلّیٔ رُوحانی اور تجلّیٔ ربانی میں فرق:

۱:...تجلّیٔ رُوحانی میں صفاتِ بشریہ پورے طور فنا نہیں ہوتیں، جب تجلّی حجاب میں ہو، صفاتِ بشری لوٹ آتی ہیں، اور تجلّیٔ حق کوہِ طور (بدن کی آلائش) کو پاش پاش کر دیتی ہے، جیسا کہ ارشاد ہے:

"جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ

زَهُوقًا" (بنی اسرائیل:۸۱)

ترجمہ:... "سچ آیا، اور جھوٹ زائل ہوا، بے شک جھوٹ زائل ہونے والی چیز ہے۔"

۲:... تجلیٔ رُوحانی میں پوری تسکین حاصل نہیں ہوتی، اور دِل شک و شبہ کے میل کچیل سے صاف نہیں ہوتا اور تجلیٔ حق اس کے برعکس ہے۔

۳:... تجلیٔ رُوحانی میں غرور، پندار اور خود بینی پیدا ہوتی ہے، اور طلب میں نقصان آجاتا ہے، کبھی جرأت بڑھ جاتی ہے، لیکن تجلیٔ حق سے ان تمام رذائل کا قلع قمع ہوجاتا ہے۔

تجلیٔ حضرتِ حق دو قسم پر ہے:

تجلیٔ حضرتِ حق: دو قسم پر ہے: ا:... تجلیٔ اُلوہیت و ۲:... تجلیٔ رُبوبیت۔

تجلیٔ رُبوبیت: حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ہوئی، جیسا کہ ارشاد ہے:

"فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ.... الخ" (الاعراف:۱۴۳)

جب حق تعالیٰ نے اپنی رُبوبیت سے تجلی فرمائی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام بیہوش ہوکر گرے، اور پہاڑ کے جس حصے پر تجلی ہوئی، وہ پاش پاش ہوگیا۔

تجلیٔ اُلوہیت: حضرت پُرنور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوئی، ان کی پاک ہستی ذاتِ حق کی ہستی میں فنا ہوئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کرنا اللہ تعالیٰ کے ساتھ بیعت کرنا ہوا، جیسا کہ قرآنِ کریم میں ہے: "اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ" (الفتح:۱۰)، اور ان کا دُشمنوں پر کنکر مارنا اللہ تعالیٰ کا کنکر مارنا ہوا: "وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى" (الانفال:۱۷)۔

تجلیٔ صفات کی قسمیں:

تجلیٔ صفات کی دو قسمیں ہیں: تجلیٔ صفاتِ جمال اور تجلیٔ صفاتِ جلال، پھر ہر ایک کی کئی اقسام ہیں، صفتِ رُبوبیت و اُلوہیت کے ماسوا صفات کی تجلیات کے حالات و کیفیات مختلف ہیں۔

اگر صفاتِ جمالیہ ہیں تو یا صفاتِ نفسی ہوں گی، یا معنوی۔

صفاتِ نفسی وہ ہیں جو مخبر کی خبر ذاتِ باری تعالیٰ پر دلالت کرے، نہ کہ معنی پر، وہ تین قسم کی ہیں: ا:...موجودی، ۲:...واحدی، ۳:...قائم بنفسی۔

اگر صفتِ موجودی سے تجلی کرے تو اس کا اثر یوں ظاہر ہوتا ہے جیسے حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: "مَا فِي الْوُجُوْدِ سِوَى اللهِ" (وجود میں سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں)۔

اگر واحدی صفت سے تجلی کرے تو اس کا اثر یوں ظاہر ہوتا ہے جیسے ابوسعید علیہ الرحمۃ نے فرمایا: "مَا فِیْ جُبَّتِیْ" (نہیں میرے جبے میں اللہ تعالیٰ کے سوا اور)۔

اور اگر بنفسی کی صورت سے تجلی ہو تو اس بات کا تقاضا کرتی ہے جو بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی ہے: "سُبْحَانِیْ مَا اَعْظَمَ شَأْنِیْ" (پاک ہوں میں، کیا ہی اعلیٰ شان ہے میری)۔

اور صفاتِ معنوی یہ ہیں کہ مخبر کی خبر ذاتِ باری تعالیٰ پر دلالت کرے، کچھ زائد معنی اور حقیقت سے، مثلاً صفات: علم، قدرت، ارادت، سمع، بصر، حیات، بقا، وغیرہ۔

اگر عالم ہونے کی صفت سے تجلی فرمائے تو مختلف علوم کے حقائق بلاواسطہ ظاہر ہوتے ہیں، جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو: "وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا"

(البقرۃ:۳۱) (آدم علیہ السلام کو سب اسماء (صفات وغیرہ) سکھا دیئے)۔

اور اگر قدرت کی صفت سے تجلی فرمائے تو اُنگلی کے اشارے سے چاند کے دوٹکڑے کرادیئے، اور مٹھی بھر خاک سے سارے لشکر کو شکست دی: "وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰـکِنَّ اللہَ رَمٰی" (جس وقت تو نے مٹی پھینکی تھی (دراصل) تو نے نہیں پھینکی تھی بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکی تھی)۔

اگر سمعی صفت کی تجلی ہو تو جیسے حضرت سلیمان علیہ السلام نے دُور سے چیونٹی کی بات سن لی۔

جس صفت سے تجلی ہو، اسی صفت کے آثار سالک میں ظاہر ہوتے ہیں، جو صفت آئینہ سے ظاہر ہوتی ہے، وہ صاحبِ تجلی کے تصرف سے ہوتی ہے، نہ کہ آئینہ سے:

ازاں روئے کنوں کہ آئینہ روئے توام

از دیدہ تو بروئے تو می نگرم

ترجمہ:... "میں اب اس چہرے سے جو تیرے چہرے کا آئینہ ہے، تیری آنکھ سے تیرے چہرے میں دیکھتا ہوں میں۔"

صفتِ حیات کی تجلی سے حضرت خضر علیہ السلام، عیسیٰ علیہ السلام اور الیاس علیہ السلام زندہ رہے۔

صفتِ کلام کی تجلی سے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام ہوا۔

صفتِ بقا کی تجلی سے انانیت دُور ہوتی ہے۔

صفتِ رزّاقی کی تجلی ہوئی تو حضرت مریم علیہا السلام پر بے موسمی میوہ جات نازل ہوتے رہے۔

صفتِ حیات کی تجلی ہوئی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے مردہ زندہ ہوئے۔

اور صفتِ خالقیت کی تجلی ہوئی تو مٹی سے پرندہ کی صورت بنا کر اُڑا دیا۔

صفاتِ جلال بھی دو قسم کی ہیں:

صفاتِ جلال بھی دو قسم کی ہیں: ا:...صفاتِ ذات، ۲:...صفاتِ فعل۔

پھر صفاتِ ذات بھی دو قسم ہیں: ا:...صفاتِ جبروت، ۲:...صفات عظموت۔

جب صفاتِ جبروت سے تجلی ہوتو لامتناہی نور بہت ہی ہیبت ناک صورت میں نمایاں ہوتا ہے، جس کی نہ کوئی صورت، نہ کوئی کیفیت، نہ کوئی صاف رنگ ہوتا ہے، فوراً صفات انسانیت کی فنا ظاہر ہوتی ہے، بلکہ کبھی فنا کا شعور بھی نہیں رہتا، اسی حالت کو (صعقہ) بیہوشی کہتے ہیں:

ازاں بادہ نخوردہ ام کہ ہشیار شوم
وآن مست نیم کہ باز بیدار شوم
یک جام تجلی جلال تو بخش
تا از عدم و وجود بیزار شوم

تجلی صفاتِ عظموت کی بھی دو قسمیں ہیں: ا:...حی و قیوم کی صفت، ۲:...صفتِ کبریا، عظمت وقہاری۔

جب قیومی صفت کی تجلی ہوتو فناء الفناء ظاہر ہوتی ہے، اور بقاء البقاء نصیب ہوتی ہے، اور اُس نور کی حقیقت ظاہر ہوتی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''یَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ'' (اللہ جسے چاہتا ہے اپنے نور کی راہ دکھاتا ہے)۔ وہ ایسا ظہور ہے جو کبھی نہیں چھپتا: ''اَلْفَانِیْ لَا یُرَدُّ'' فانی پھر غیر فانی نہیں ہوتا، جیسے بالغ پھر نابالغ نہیں ہوتا، وہ تمکین کا مقام ہے، وہاں اُلوہیت کی سلطنت ولایت پر غالب آتی ہے۔

اور اگر کبریائی صفات کی تجلی ہوتو جو کچھ سالک نے حاصل کیا ہوا ہے، سب کا سب گم ہوجاتا ہے، اور حاصل کردہ کی بجائے وحشت اور حیرت ہوتی ہے، اور علم و

معرفت، جہالت و بے خبری سے بدل جاتے ہیں، اسی مقام سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے "رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا" فرمایا۔

اگر کبریائیت، عظمت اور قہاری کی صفات سے متجلی ہو تو اسے روزِ قیامت کہتے ہیں: "کُلُّ شَیْءٍ هَالِکٌ اِلَّا وَجْهَهٗ" (القصص:۸۸)، "لِمَنِ الْمُلْکُ الْیَوْمَ" (المؤمن:۱۶) اسی تجلی سے ہے، فافہم!

مکاشفہ اور تجلی میں فرق:

مشاہدہ تجلی کے ساتھ بھی ہوتا ہے، جیسے معراج میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوا، اور بغیر تجلی کے بھی، جیسے کوئی خواب میں اللہ تعالیٰ کی زیارت کرے۔

تجلی بغیر مشاہدہ بھی ہوتی ہے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو "اَرِنِیْ اَنْظُرْ اِلَیْکَ" (دکھا مجھے میں دیکھوں تیری طرف) کے وقت، جب صفاتِ جمال سے تجلی ہو تو اکثر بالمشاہدہ ہوتی ہے، اور صفاتِ جلال کی تجلی کے وقت بے مشاہدہ ہوتی ہے، اور مکاشفہ بغیر تجلی و مشاہدہ ہوسکتا ہے۔

واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف پہنچنے کے ہزارہا راستے ہیں: "اَلطُّرُقُ اِلَی اللهِ بِعَدَدِ اَنْفَاسِ الْخَلَائِقِ" ہندی میں مثال مشہور ہے: جتنے سانس اتنے راہ۔

اکثر سالک انوار، استغراق، کرامات اور کشف وغیرہ کے عاشق ہیں، ان ہی کو مقاصد سمجھتے ہیں، حالانکہ یہ چیزیں احوال ہیں، نہ کہ مقامات اور مقاصد مقامات ہیں، نہ کہ احوال۔

مقامات، مثلاً: توکل، رضا، شکر، قناعت اور تفویض وغیرہ ہیں، وہی مقصود ہیں، اور ان کا اہتمام ضروری ہے۔

اور احوال گو محمود ہیں، مگر مقصود نہیں، ان کے درپے نہ ہونا چاہیے، اگر

حاصل ہو جائیں تو الحمد للہ! اگر حاصل نہ ہوں تو بلا سے نہ ہوں:

یابم یا نہ یابم جستجوئے می کنم
حاصل آید یا نیاید آرزوئے می کنم

نیز طلب مقصود ہے نہ کہ وصول، کیونکہ طلب تو اختیاری ہے، اور حصول غیر اختیاری ہے، نیز مقصود کے حصول کا تقاضا رکھنا بھی ایک قسم کا حجاب ہے، اس لئے کہ عدمِ حصول سے تشویش ہوتی ہے، اور تشویش جمعیت وتفویض کے لئے تباہ کن ہے، اور جمعیت وتفویض ہی شرطِ وصول ہے، اس کو خوب راسخ کرلیا جائے کہ یہ رُوحِ سلوک ہے۔

یاد رکھنا چاہئے کہ ذکر میں صفات کی طرف توجہ کرنے کو اصطلاح میں مشاہدہ کہتے ہیں، اور ذات کے تصور کو معائنہ کہتے ہیں، ذکر وفکر، استغراق سے افضل ہے، اس لئے کہ ذکر وفکر میں ترقی ہوتی ہے، اور استغراق میں ترقی نہیں ہوتی، وہ ایک حالت کا نام ہے۔

فکر وصلوٰۃ کو قرب میں زیادہ دخل ہے بہ نسبت مطالعہ کتب کے، مطالعہ کتب مقصود بالغیر ہے، اور عمل مقصودِ اصلی ہے، گو لذت مطالعہ میں زیادہ ہو، لہٰذا بقدرِ ضرورت ہونا چاہئے۔

جس سالک کو حالات میں سے کچھ بھی نظر نہیں آیا، وہ درحقیقت اس سے بڑھا ہوا ہے، جس کو کچھ نظر آیا ہے (ذوق، استغراق وغیرہ)، اس لئے کہ جو کچھ اس کو ملنا ہے، وہ تمام محفوظ ہے، اور جس کو کچھ ملا، تمام سے کچھ کم ہوا، نیز سچا عاشق وہی ہے کہ کچھ نہ ملنے پر بھی دربار میں پڑا ہوا ہے، اور ملنے والے کو ممکن ہے کہ عشق اصلی ہو، اور ممکن ہے کہ طالبِ لذّت ہو، کسی بزرگ نے فرمایا ہے:

طالبِ خدا باش طالب لذّت مباش

چاہئے کہ کار خود کن کہ مجاہدہ وعمل سنت وتقویٰ وعمل بالقرآن میں زندگی بسر کرے، وکار دیگراں مکن کہ فلاں فلاں مقام و حال پیدا ہوجائے، یہ کام اللہ تعالیٰ کا ہے، بخشے زہے رحمت! وگرنہ شکایت کیا؟

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

والصلوۃ والسلام علیٰ خیر خلقہ محمد واٰلہ واصحابہٖ

وازواجہٖ واولیائہٖ واتباعہٖ اجمعین من الصلوٰۃ والسلام

افضلھما واکملھما وادومھما، اٰمین!

۱۷/جمادی الاولیٰ ۱۳۷۳ھ

”بے شک ہر چیز کو صیقل کرنے والی کوئی خاص چیز ہوتی ہے، اور دلوں کو صفا کرنے والی چیز ذکر اللہ ہے۔“

(مشکوٰۃ، ص:۹۹)

عُمدۃ الاذکار فی عِلاجِ قُلوبِ الابرار

یعنی

ابرار کے قلوب کا علاج



قطب الارشاد حضرت مولانا محمد عبداللہ بہلوی قدس سرہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

”یُسَبِّحُ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ الۡمَلِکِ الۡقُدُّوۡسِ الۡعَزِیۡزِ الۡحَکِیۡمِ. ھُوَ الَّذِیۡ بَعَثَ فِی الۡاُمِّیّٖنَ رَسُوۡلًا مِّنۡھُمۡ یَتۡلُوۡا عَلَیۡھِمۡ اٰیٰتِہٖ وَیُزَکِّیۡھِمۡ وَیُعَلِّمُھُمُ الۡکِتٰبَ وَالۡحِکۡمَۃَ وَاِنۡ کَانُوۡا مِنۡ قَبۡلُ لَفِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ.“

(الجمعہ:۱،۲)

اما بعد! بندہ عرض پرداز ہے کہ اس زمانے کے اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ اسلام: نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، نکاح، طلاق اور چند غیبی خبریں مثل احوالِ قبر اور بہشت و دوزخ کا نام ہے، باقی انسان کے ظاہری حالات، جیسے: معاملاتِ بیع وشراء، اِجارہ وغیرہ، اور معاشرت، جیسے: حقوقِ ہمسایہ و تدبیرِ منزل، اور حالاتِ باطنی، جیسے: عقائد، تہذیبِ اخلاق اور تربیتِ نفس سے اسلام کو کوئی تعلق نہیں، جیسا چاہو معاملہ کرو، تجارت جس طرح چاہو کرو، لوگوں سے جس طرح چاہو برتاؤ کرو، جو چاہو پہنو، غرض چند اُمور کے سوا سب آزادی ہے، جس سے مخالفین پر یہ اثر پڑا کہ اسلام پر اس کی تعلیم کے ناکافی ہونے کا دھبّہ لگایا گیا، اور نئے تعلیم یافتہ نوجوانوں پر حقیقت ناشناسی کی وجہ سے یہ اثر ہوا کہ انہوں نے اپنے کو تہذیبِ جدید کا محتاج سمجھا، اور عوام پر یہ اثر ہوا کہ انہوں نے چند اُمورِ مذکورہ کے سوا اپنے معاملات و معاشرت میں علماء کی طرف رُجوع

کرنا چھوڑ دیا، اور درویشوں پر یہ اثر ہوا کہ وہ شریعت وطریقت کو جدا جدا سمجھنے لگے، طریقت کو اصل مقصد سمجھ کر اور شریعت کو انتظامی قانون تصور کر کے علماء سے نفور اور شریعتِ مصطفویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے پس و پیش ہونے لگے، علماء، جہلاء اور عوام وخواص میں بھی کچھ نہ کچھ اس باطل خیال کا اثر پہنچا، حالانکہ جس نے ذرا بھی کتاب وسنت پر غور کیا، اُس نے سب اُمور کو کھلے کھلے الفاظ میں پایا، اور شریعتِ مطہرہ کو کافی و وافی اور دُوسرے اَحکام وقوانین سے مستغنی کرنے والا دیکھا، تو اسلامی ہمدردی نے تقاضا کیا کہ اس غلطی کی اصلاح کو بطورِ نمونہ پیش کیا جائے، بہرحال توفیقِ ہدایت ہادی کے قبضے میں ہے، وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ! چنانچہ یہ نمونہ پانچ حصوں پر منقسم ہے:

۱:...عقائد۔ ۲:...عبادات۔ ۳:...معاملات۔

۴:...آدابِ معاشرت۔ ۵:...مقاماتِ سلوک۔

اے اللہ! اس نادان کی مدد فرما اور اسے خطا، لغزش اور ریا سے بچا، اٰمِیْنَ وَبِہٖ نَسْتَعِیْنُ!

اطلاع:... پیشِ نظر ان مضامین کا اکثر حصہ ''تعلیم الدین''، کچھ ''فروع الایمان'' اور کچھ ''کیمیائے سعادت'' وغیرہ سے لیا گیا ہے، ان پاک کتابوں میں ہر مسئلے پر کتاب وسنت سے دلیل موجود ہے، جس کو زیادہ تفصیل مقصود ہو، وہاں دیکھ لے، ہاں! بعض دلائل بھی بعض جگہ تحریر کئے جائیں گے، وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ!

عقائد:

اللہ تعالیٰ کی صفات وافعال اُس کی ذاتِ پاک کی طرح بے مثل و بے مثال ہیں، کسی کو کسی اَمر میں حضرتِ تعالیٰ کے ساتھ شرکت نہیں کیونکہ: ''لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ''

لہٰذا صفاتِ سمع، بصر، قدرت، کلام، علم، وجود اور حیات میں بھی مخلوق کو، اللہ تعالیٰ کے ساتھ بجز مشارکتِ اسمی کے، کوئی مجانست و مشارکت نہیں ہے، جن صفات میں جیسے: ''اِستویٰ'' وغیرہ میں صفتِ مخلوق کا کچھ وہم ہوتا ہے، وہ اس سے پاک ہیں، اُن صفات میں رائے اور قیاس سے کلام کرنا اور اُن کی کیفیات و توجیہات بیان کرنا نہایت محلِ خطر ہے، کیونکہ جس کو اپنی صفات کے حقائق پورے طور سے معلوم نہ ہوں، وہ خالق تک کیونکر پہنچ سکتا ہے؟

اس کی کسی صفت میں اُس کا کوئی ساجھی نہیں، اور نہ ہی احاطۂ علمی میں، اس لئے کہ:

''وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ.''

(البقرۃ:۲۵۵)

ترجمہ:... ''اور وہ سب احاطہ نہیں کر سکتے کسی چیز کا اس کی معلومات میں سے مگر جس کا کہ وہی چاہے۔''

نہ استحقاقِ عبادت میں، اس لئے کہ:

''لَا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ.''

نہ ملک کے تصرف میں، جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے:

''قُلْ مَنْۢ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ. سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ، قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ.'' (المؤمنون:۸۸، ۸۹)

ترجمہ:... ''تو کہہ کس کے ہاتھ میں ہے حکومت ہر چیز کی اور وہ بچالیتا ہے اور اس سے کوئی بچا نہیں سکتا، بتاؤ اگر تم جانتے ہو؟ اب بتائیں گے اللہ کو، تو کہہ پھر کہاں سے تم پر جادو آپڑتا ہے۔''

اسی طرح بول چال، عادات و اطوار میں کیونکہ یہ ریا کی مانند شرکِ اصغر ہے، بخلاف اوّلین کے کہ وہ شرکِ اکبر ہیں، (تحقیقهٗ فی فتح الملهم بشرح صحیح مسلم ج:۱ ص:۲۵۴) جیسے: "مَا شَآءَ اللهُ وَشِئْتَ" ("قال له علیه الصلوٰة والسلام رجل: ما شاء الله وشئت! فقال علیه الصلوٰة والسلام: اجعلتنی له ندًّا؟ قل: ما شاء الله وحدهٗ." فتح الملهم هٰکذا "انا بالله وبک وانا متوکل علی الله وعلیک" فتح) وغیرہ میں اُس کا کوئی حقیقی اور لفظی شریک نہیں، حضرتِ حق تعالیٰ نے مخلوق کی ہدایت کے لئے رسول اور پیغمبر علیہم السلام بھیجے ہیں اور اُن کے جو کچھ اعتقاد و اَحکام وغیرہ اور اخبارِ غیبی ہیں، جیسے: توحید، تصدیقِ رُسل و کتب، اَحوالِ قبر، قیامت، دوزخ، بہشت، نجات اور شفاعت وغیرہ، سب پر ہمارا اعتقاد ہے کہ یہ حق ہیں، اور ہم نے زبان اور دِل سے مان لیا ہے۔

عبادات:

اس کو اکثر لوگ خود جانتے ہیں، اور جو نہیں جانتے وہ پوچھ بھی لیتے ہیں۔

معاملات:

اسی طرح نکاح و طلاق کے مسائل کو کچھ اگر جانتے ہیں، اور کچھ پوچھ لیتے ہیں، اور باقی کچھ بطورِ نمونہ پیشِ خدمت ہیں، باقی کثیر در کثیر ہیں، ہر کام کے وقت پہلے شریعت کے مسئلے اور فیصلے کو پوچھ کر کام شروع کیا جائے تو مسائل معلوم ہوجائیں گے، اس عادت پر بے فکر کو بھی فکر پڑ جائے گی۔

معاملہ۱:... سب سے بہتر کسب و دستکاری ہے، انبیاء علیہم السلام نے بھی دستکاری کی ہے۔

معاملہ۲:... زانیہ کی آمدنی، جھوٹے تعویذوں اور فال کھلائی وغیرہ کا

نذرانہ حرام ہے، مگر جو تعویذ شریعت کے موافق ہو، اسی طرح صحیح جھاڑ پھونک پر اُجرت لینا جائز ہے، کذا فی التفسیر فتح العزیز تحت قولہ تعالیٰ: ''وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰیٰتِیْ ثَمَنًا قَلِیْلًا.''

معاملہ۳:... مانگنے کا پیشہ سب سے بدتر اور گناہ ہے، اس سے تو لکڑیاں چن کر، بیچ کر معاش کمانا ہزار درجہ افضل ہے، اگر سخت ضرورت پڑے تو ایسے لوگوں سے مانگے جو نیک بخت، بلند ہمت اور ذی استطاعت ہوں۔

معاملہ۴:... جو چیزیں ناپ تول سے بکتی ہوں اور وہ ایک طرح کی ہوں، جیسے: گیہوں، جو اور کھجور وغیرہ، ان کے آپس کے تبادلے میں دو باتیں ضروری ہیں:

ایک یہ کہ برابر سرابر ہوں، اگرچہ ادنیٰ و اعلیٰ کا تفاوت اور فرق ہو۔

۲:... یہ کہ دست بدست ہوں، اگر ایک اَمر بھی اس کے خلاف ہوا تو سود ہوجائے گا۔

اور اگر وہ چیزیں ناپ تول کر تو بکتی ہوں، مگر ان کی جنس الگ الگ ہو، جیسے گیہوں کا جو سے تبادلہ ہو، تو اس میں برابر سرابر ہونا ضروری نہیں، مگر دست بدست ہونا ضروری ہے۔

اگر جنس تو ایک ہو مگر ناپ تول کر نہیں بکتیں جیسے: بکری، تب ان میں برابر سرابر ہونا تو ضروری نہیں، مگر دست بدست ہونا ضروری ہے۔

اور اگر ان کی نہ جنس ایک ہے اور نہ ہی ناپ تول کر بکتی ہیں، جیسے: گھوڑا، اُونٹ، جب ان کا آپس کا تبادلہ ہو مثلاً: گھوڑے کا اُونٹ سے تبادلہ ہو، تو اُس وقت نہ برابر سرابر ہونا ضروری ہے اور نہ دست بدست ہونا ضروری ہے، یہ فقہِ حنفی کے موافق سود کی تفصیل ہے۔ (تعلیم الدین)

معاملہ۵:... رہن میں یہ شرط ٹھہرانا کہ اگر اتنی مدّت تک زرِ رہن ادا نہ ہو تو

اس کو بیع سمجھا جائے، باطل ہے، اور مدّت گزرنے پر بیع نہ ہوگی۔ (تعلیم الدین)

معاملہ۶:... جو مال ظلم سے، دباؤ سے، کسی کی وجاہت سے، یا کسی شرماشرمی سے وصول ہو، وہ مال بھی حلال نہیں، حلال وہی ہے جو بالکل طیبِ خاطر سے دیا جائے۔

معاملہ۷:... مزدور سے کام لے کر اُس کی مزدوری دینے میں کوتاہی مت کرو، اس مقدمہ میں سرکارِ عالی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مدعی ہوں گے۔

(ابن ماجة بلفظہٖ: "اَنَا خَصْمُهُمْ!" ترجمہ: "میں اس کا دُشمن ہوں!")

معاملہ۸:... نکاح میں زیادہ تر منکوحہ کی دینداری کا خیال رکھو، مال، جمال، حسب اور نسب کے پیچھے مت پڑو۔

معاملہ۹:... اگر کسی عورت پر اچانک نظر پڑ جائے تو فوراً اُدھر سے نگاہ پھیرلو، پھر اگر اس کا کچھ خیال دِل میں رہے تو اپنی بی بی سے فراغت کرلینا چاہئے، اس طرح وسوسہ بھی دفع ہوجائے گا۔

معاملہ۱۰:... خواہ مخواہ بلاقرینہ بیوی پر بدگمانی کرنا جہالت اور تکبر ہے، اور قرائن ہوتے ہوئے چشم پوشی کرنا بے غیرتی اور دیوثی ہے۔

معاملہ۱۱:... اللہ تعالیٰ مال دے تو اوّل خویش بعدہٗ درویش۔

معاملہ۱۲:... مساجد میں سزا جاری نہ کی جائے، شاید بول و براز خطا ہوجائے۔

معاملہ۱۳:... سلطان کی اہانت کی اجازت نہیں، حکام کو بھی حکم ہے کہ رعایا سے نرم برتاؤ کریں۔

معاملہ۱۴:... بلاقصور کسی کو گھورنا کہ جس سے وہ ڈر جائے، جائز نہیں۔

معاملہ۱۵:... اپنا حق ثابت کرنے کے لئے کوشش کرنا بُری بات نہیں، بلکہ اس میں سستی اور کاہلی کرنا کم ہمتی ہے، اگر ناکام رہے تو اس پر زیادہ غم نہ کرے، بلکہ

سمجھے کہ حاکمِ حقیقی کو یہی منظور تھا۔

آدابِ معاشرت:

ادب ۱:... بسم اللہ پڑھ کر کھانا شروع کرو، اپنے داہنے ہاتھ سے کھاؤ، اور اپنے سامنے سے کھاؤ، ہاں! اگر کھانا کئی قسم کا ہو، اور کئی طرح کے پھل ہوں، اُس وقت جو مرغوب ہو اور جس طرف سے ہو، اُٹھالو۔

ادب ۲:... اگر ہاتھ سے لقمہ چھوٹ کر گر جائے، اُس کو اُٹھا کر صاف کر کے کھالو، یہ عالی نعمت ہے، ہر شخص کو نصیب نہیں ہوتی!

ادب ۳:... مردوں کو ٹخنے کے نیچے پائجامہ یا چادر پہننا ممنوع ہے۔

ادب ۴:... ایک جوتی پہن کر مت چلو۔

ادب ۵:... دوا دارُو کی اجازت بلکہ ترغیب دی گئی ہے۔

ادب ۶:... بدشگونی وغیرہ کا ماننا ایک قسم کا شرک ہے۔

ادب ۷:... باہم سلام کرلیا کرو، اس سے محبت بڑھتی ہے۔

ادب ۸:... مصافحہ کرنے سے دِل صاف ہوتا ہے اور گناہ معاف ہوتے ہیں۔

ادب ۹:... کسی بزرگ یا معزّز آدمی کے آنے کے وقت تعظیماً کھڑا ہونا مضائقہ نہیں۔

ادب ۱۰:... بن ٹھن کر اِتراتے ہوئے مت چلو۔

ادب ۱۱:... اُلٹے مت لیٹو، اور کچھ سایہ اور کچھ دُھوپ میں مت بیٹھو۔

ادب ۱۲:... مسلمان کے مسلمان پر یہ حقوق ہیں:

جب ملے سلام کرے، پکارے تو جواب دے، دعوت دے تو قبول کرے، چھینکے اور "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ" کہے تو "یَرْحَمُکَ اللہُ" کہے، بیمار ہوجائے تو عیادت کرے،

مرجائے تو اُس کے جنازے کے ہمراہ جائے، اور جو اپنے لئے پسند کرے وہی اُس کے لئے پسند کرے۔

ادب ۱۳:... گانے بجانے کا شغل قلب کو اکثر خراب کردیتا ہے، کیونکہ اکثر نفوس میں خبث غالب ہے، اور گانے بجانے سے کیفیت موجودہ کو حرکت وقوّت ہوتی ہے، اور ظاہر ہے کہ حرام کا مقدمہ بھی حرام ہے۔

ادب ۱۴:... ماں باپ کی خدمت کرو، گو وہ کافر ہی ہوں، اور اُن کی اطاعت بھی کرو، جب تک کہ وہ خدا و رسول کے حکم کے خلاف نہ کہیں۔

ادب ۱۵:... بڑے بھائی، چچا، سسر اور ماموں کا حق مثل باپ کے ہے۔

ادب ۱۶:... اولاد کا یہ حق ہے کہ اس کو علم ولیاقت سکھلاؤ۔

ادب ۱۷:... تواضع، ہمدردیٔ خلق، خوش خلقی، وقار، حلم، دانشمندی، انتظام اور صبر واستقلال سے رہو۔

ولایت اور مقاماتِ سلوک:

اثباتِ رُتبۂ ولایت:

بعض خشک مزاج اس طریق کے اِنکاری ہیں، اس لئے مختصراً عرض کیا جاتا ہے، چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے:

"وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا." (الکہف:۶۵)

ترجمہ:... "اور سکھلایا تھا اپنے پاس سے علم۔"

اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''اَلْاِحْسَانُ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ. متفق علیه.'' (مشکوٰۃ ص:۱۱)

ترجمہ:...''احسان یہ ہے کہ اللہ کی عبادت اس طرح کرو کہ تم اللہ کو دیکھ رہے ہو، اگر یہ نہ ہوسکے تو یہ گمان کرو کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے۔''

احسان کو ایمان و اسلام کے بعد ارشاد فرمایا، جس سے معلوم ہوا کہ عقائدِ ضروریہ و اعمالِ ظاہریہ کے علاوہ کوئی اور چیز بھی ہے، جس کا نام اس حدیث میں ''اِحسان'' آیا ہے، اور اُس کی حقیقت بیان فرمانے سے معلوم ہوا کہ وہ یہی طریقِ باطن ہے، کیونکہ اس طریق کے بغیر ایسی حضوری میسر نہیں ہوتی، اور لاکھوں معتبر آدمیوں کی شہادت موجود ہے کہ جس کے غلط ہونے کا عقل کو احتمال نہیں ہوسکتا، کہ ہم کو اہلِ باطن کے پاس بیٹھنے سے اپنے باطن میں عقائد و فقہ کے علاوہ ایک نئی حالت محسوس ہوتی ہے جو پہلے نہ تھی، اور اس حالت کا یہ اثر ہے کہ طاعت کی رغبت، معاصی سے نفرت اور عقائد میں پختگی روز افزوں ہوتی ہے، یہ بھی نہایت قوی دلیل ہے کہ طریقِ باطن بھی کوئی چیز ہے، اس کے علاوہ بزرگوں کے کشف و کرامات کے واقعات اس درجہ منقول ہیں جس کی کوئی انتہا نہیں، اگرچہ یہ کوئی قوی دلیل نہیں، مگر استقامتِ شرع کے ساتھ اگر خرقِ عادات ہوں تو صاحبِ خوارق کے کامل ہونے پر اطمینان بخش ضرور ہوتے ہیں، اس کے علاوہ ''ارشاد الطالبین'' مصنفہ قاضی ثناء اللہؒ کے ص:۴۰ پر دُوسرے قوی دلائل بھی موجود ہیں، جنھیں دیکھا جاسکتا ہے، بہرحال ہمت کا مقتضا تو یہ ہے کہ صاحبِ ذوق بنو، اگر اتنی توفیق نہ ہو تو خدا کے لئے اِنکار تو نہ کرو، کذا فی ''تعلیم الدین'' لمولانا اشرف علی مدظلہٗ۔

فصل: تحقیقِ ولایت

ولایت کیا چیز ہے اور وصول الی اللہ کا معنی کیا ہے؟

اکثر و بیشتر تفصیلی یا اجمالی مجاہدہ و ریاضت کے بعد، اور کبھی بلا ریاضت کے سالک کے قلب میں قرب و وصول الی اللہ تعالیٰ کی استعداد پیدا ہوجاتی ہے، اور اس کے بعد محض فضلِ خداوندی سے اُس کے قلب میں مطلوبِ حقیقی کے ساتھ بالفعل ایک خاص جذبی تعلق پیدا ہوجاتا ہے، اس کو نسبت، سکینہ اور نور سے تعبیر کرتے ہیں، اور اسی نسبت کے پیدا ہوجانے کا نام ''وصول'' ہے۔

فصل:

مدارِ ولایت:

ارشادِ الٰہی ہے کہ:

''اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ. اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ.'' (یونس:۶۲،۶۳)

ترجمہ:... ''یاد رکھو جو لوگ اللہ کے دوست ہیں، نہ ڈر ہے ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے، جو لوگ کہ ایمان لائے اور ڈرتے رہے۔''

اس آیت میں ولایت کا مدار ایک ایمان اور دوم تقویٰ کو فرمایا ہے، سو جس درجے کا ایمان اور تقویٰ حاصل ہوگا، اُسی درجے کی ولایت ہوگی، اگر ادنیٰ درجے کا ایمان وتقویٰ، جو تصحیحِ عقائدِ ضروریہ سے پیدا ہوجائے، گو تقلیداً ہی کیوں نہ

ہو، یا ضروری اعمال کی پابندی سے حاصل ہو، تو وہ ادنیٰ درجے کی ولایت ہوگی، جو ہر مؤمن کو حاصل ہے، کیونکہ ارشادِ الٰہی ہے: ”اَللهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا“، اس کو ولایتِ عامہ کہتے ہیں۔

اور اگر اعلیٰ درجے کا ایمان وتقویٰ ہو، جیسے قرآنِ کریم میں فرمایا گیا: ”اِتَّقُوا اللهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ“ (آل عمران:۱۰۲)، ”فَاتَّقُوا اللهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ“ (التغابن:۱۶) اس کو ولایتِ خاصہ کہتے ہیں۔ اصطلاحاً ولی یہی شخص کہلاتا ہے، اور یہ دونوں چیزیں ایمانِ کامل اور تقویٰ کامل نماز، روزہ کی طرح فرض و واجب ہیں، اور دونوں کا محل قلب ہے۔

تحلیہ، تجلیہ اور تخلیہ: گو ظاہری تقویٰ جوارح سے بھی متعلق ہے مگر یہ موقوف ہے اصلاحِ باطن پر اور اصلاحِ باطن کی حقیقت یہ ہے کہ اوصافِ حمیدہ کو پیدا کرے اور مذمومہ کو دُور کرے۔ اوّل کو تحلیہ وتجلیہ اور دُوسرے کو تخلیہ کہتے ہیں، جیسا کہ ارشادِ نبوی ہے:

الف:... ”التقوىٰ هٰهنا! واشار الى الصدر.“ (رواہ مسلم)

ترجمہ:... ”تقویٰ یہاں ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سینے کی طرف اشارہ فرمایا۔“

ب:... ”قال عليه الصلٰوة والسلام: ان فى الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد كله، واذا فسدت فسد الجسد كله، ألا! وهى القلب.“ (متفق علیہ)

ترجمہ:... ”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک جسم کے اندر ایک ٹکڑا ہے جب وہ ٹھیک ہوتو پورا جسم ٹھیک ہوتا ہے، اور جب وہ خراب ہوجائے تو پورا جسم خراب

ہوجاتا ہے، سنو! وہ دِل ہے۔''

اوصافِ حمیدہ کا حاصل کرنا اور مذمومہ کا دفع کرنا فرض ہے، اور یہی اصلاحِ باطن ہے، لہٰذا اصلاحِ باطن بھی فرض ہے، کما حققہ الغزالی فی الاحیاء و کیمیائے سعادت، اور درالمختار ص:۱۲۲ جلد اوّل میں بھی اس کو فرضِ عین فرمایا گیا ہے، اسی طرح تحصیلِ ولایت کے جاننے کا نام عرف میں ''تصوّف'' ہے۔

اس قدر کہ جس سے اصلاحِ باطن ہوجائے فرض ہے، اس سے زائد، جس سے مثلاً: ظاہر کو طاعاتِ غیرضروریہ سے اور باطن کو دوامِ ذِکر سے معمور کیا جاسکے، مستحب ہے، آج کل اسی کو ''درویشی'' کہتے ہیں۔

تصوف کی تعریف، موضوع اور غایت:

تصوّف کی تعریف یہ ہے: ''تَعْمِیْرُ الظَّاھِرِ وَالْبَاطِنِ''۔

اس کا موضوع: تزکیہ وتصفیہ ہے۔

غایت: اس کی غایت اور فائدہ سعادتِ ابدیہ کا حصول ہے، پھر یہ اصلاحِ باطن درجہ بدرجہ حاصل ہوتی ہے:

تأمل در آئینۂ دِل کنی
صفائی بتدریج حاصل کنی

اگر وہ صفاتِ حمیدہ راسخ ہوجائیں اور اس سے ایک طرح کے افعال صادر ہوں، تو اصطلاح میں انہیں مقامات کہا جاتا ہے۔

(کذا فی ''حجۃ اللہ البالغۃ'' جلد دوم، و''تعلیم الدین'')

اور اگر وہ صفات پورے طور پر مستقر نہیں ہوئے بلکہ کبھی غالب اور کبھی مغلوب ہوں، تو اس کو اصطلاحِ تصوّف میں اَحوال اور اوقات کہتے ہیں، اور کبھی

اَحوال کا اطلاق تجلیٔ ذات و صفات وغیر ذالک پر بھی کیا کرتے ہیں، اس فن کے اصل مقاصد یہی مقامات ہیں۔

(اگر اس مرتبہ کو حاصل کرنے سے کسی طاعتِ ضروریہ میں خلل پڑے یا وہ فوت ہوجائے جیسے: باجماعت نماز کا ترک ہونا، یا بال بچوں کا بھوکے مرنا، وغیرہ تو اس میں مشغول ہونا ممنوع ہوجائے گا، اس وقت فقط فرض پر اکتفا کرے۔ قصد السبیل)

فصل:

تحصیلِ نسبت اور ضرورتِ شیخ و مرشد

عادۃ اللہ یوں ہی جاری ہے کہ کوئی کمالِ مقصودی بغیر اُستاذ کے حاصل نہیں ہوتا، جب اس راہ میں آنے کی توفیق ہو تو اُستاذِ طریق کو ضرور تلاش کرنا چاہئے، جس کے فیضِ تعلیم اور برکتِ صحبت سے مقصود تک پہنچے:

گر ہوائے ایں سفر داری دِلا
دامنِ رہبر بگیر واپس برآ
بے رفیقے ہر کہ شد در راہِ عشق
عمر بگزشت او نشد آگاہِ عشق

علاماتِ شیخِ کامل:

سب سے پہلے متقی پیر تلاش کرے، جس کی علامات یہ ہیں:

۱:...علمِ شریعت سے بقدرِ ضرورت واقف ہو۔

۲:...ارتکابِ کبائر اور اصرار علی الصغائر سے بچتا ہو۔

۳:...ظاہری و باطنی طاعت پر مداومت رکھتا ہو۔

۴:... اس نے بزرگوں کے فیضِ صحبت سے فیوض و برکات حاصل کئے ہوں، اُس کی مجلس میں اللہ کی یاد اور خوف بڑھتا ہو، یہ ضروری نہیں کہ تارکِ کسب اور صاحبِ کرامت ہو۔

اگر ایسا پیر مل جائے تو اپنے آپ کو اس کے سپرد کر کے اُس کی تعلیم پر کاربند ہوجائے، اور یہ سمجھے کہ میرا مطلب اسی مرشد سے حاصل ہوگا، اور اگر دُوسری طرف توجہ کرے گا تو مرشد کے فیض سے محروم رہے گا، پھر جو کچھ اپنا حال ہو، بھلا یا بُرا، اسی مرشد سے عرض کرتا رہے، اور مرشد کی تلقین فرمودہ اصلاح پر کمربستہ ہوکر عمل کرے یعنی کاہلی نہ کرے۔ (فروع الایمان ص:۱۶)

(مگر عوام کو تھوڑی سی صحبت میں اس کا محسوس کرنا دُشوار ہے، اس لئے مرید کو چاہئے کہ وہ اُس پیر و شیخ کے مریدوں میں سے جس کو عاقل اور راست گو دیکھے، اُس سے شیخ کی تاثیر دریافت کرے۔ تعلیم الدین) اسی کا عنوان اس زمانے میں ''بیعت'' ہے۔

بعض مرشد پہلے ذکر، پھر شغل، پھر مراقبہ تعلیم کرتے ہیں، جس سے بفضل اللہ نسبت پیدا ہوجاتی ہے، اس کے حاصل کرنے والے کو اصطلاح میں سالک، مجذوب اور مرید اور محبّ کہتے ہیں، چنانچہ ارشاد الطالبین میں ہے:

''بدانکہ علت موجبِ قربِ الٰہی یعنی کششِ خدا است، گاہے بے توسط امرے باد، آں را اجتباء گویند و گاہے بتوسط، وآں توسط بحکم استقراء دو چیز است یکے عبادت، دوم محبت انسانِ کامل۔ اگر بطریق عبادت جذب حاصل شود، آں را ثمرۂ عبادت گویند و اگر بطریقِ صحبتِ شیخ باشد آں را تاثیر شیخ نامند۔'' (ارشاد الطالبین)

جبکہ بعض حضرات توجہ اور ہمت سے پہلے نسبت کی تحصیل کراتے ہیں، پھر مقامات کی تصحیح پر متوجہ ہوتے ہیں، ایسے شخص کو (یعنی حاصل کرنے والے کو) مجذوب،

سالک، مراد اور محبوب کہتے ہیں۔

پھر تحصیلِ نسبت کے بعد اگر شیخ چاہے تو خلافت دے دے اور اگر چاہے تو حقائق و معارف کا منتظر رہے، اگر قسمت میں ہوگا تو یہ علوم و آثار قلب پر نزول کریں گے جن کے غلبہ کے نام عروج، اور منتہیٰ کا نام تجلیٔ بے کیف ہے۔

پھر بعض سالک تو اس میں مستغرق رہ جاتے ہیں اور بعض کو افاقہ ہوجاتا ہے، اس افاقہ کو نزول کہتے ہیں، چنانچہ خلافتِ کاملہ اور مشیخت علیا اس مقام پر حاصل ہوتی ہے۔ (تعلیم الدین ص:۷۰)

حصولِ نسبت کے بعد مبدأ فیاض سے قلب کو تعلق ہوجاتا ہے، اور صفائی قلب کی وجہ سے اس پر کچھ علوم و اسرار اور کبھی حالات و اسرار نازل ہوتے ہیں، ان علوم کو حقائق و معارف اور ان آثار کو اَحوال کہتے ہیں۔ رسالہ قشیریہ ص:۴۰ میں ہے کہ:

"الحقيقة شهود لما قضى وقدر واخفى واظهر والحال عندهم معنى يرد على القلب من غير تعمد منهم والاجتلاب والاكتساب فهم من طرب وحزن وبسط وقبض وشوق وانزعاج وهيبة وغير ذلك فالاحوال مواهب والمقامات مكاسب."

فصل:

ریاضت ومجاہدہ

واضح ہو کہ نفس کے مطالبات دو قسم کے ہیں: ۱:...حقوق ۲:...وحظوظ۔

۱:...حقوق وہ ہیں کہ جس سے قوامِ بدن و بقائے حیات ہے۔

۲:...حظوظ وہ ہیں جو اس سے زائد ہے، حقوق کو باقی اور حظوظ کو فانی کرنے

کا نام ریاضت ومجاہدہ ہے، اور یہ دوقسم پر ہے: اجمالی وتفصیلی۔

مجاہدۂ اجمالی:

اس کے اُصول چار اَمر ہیں: ا:...قلتِ کلام، ۲:...قلتِ طعام، ۳:...قلتِ منام، ۴:...قلتِ اختلاط مع الانام۔ ان سب اُمور میں میانہ روی حسبِ تعلیم شیخِ کامل ملحوظ رکھے، نہ اس قدر زیادتی کرے کہ جس سے صحت وقوت زائل ہوجائے، اور نہ اس قدر قلّت جس سے غفلت، قساوت اور کاہلی پیدا ہو۔ (کذا فی الاحیاء للغزالیؒ)

فائدہ:... سالکانِ طریقت نے حزن وغم کو اعلیٰ درجے کا مجاہدہ قرار دیا ہے کہ اس سے نفس کو پستی وشکستگی حاصل ہوتی ہے، جو آثارِ عبودیت میں سے ہے، اور سالک کو جو قبض پیش آتا ہے وہ بُعد کی علامت نہیں بلکہ کیا عجب کہ اس کا تصفیہ مقصود ہو، لہٰذا اس کی شکایت ہرگز نہ کرے، بلکہ سرِ تسلیم خم کرکے کام میں لگا رہے۔
(تعلیم الدین)

حضرت ابوعلی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

"صَاحِبُ الْحُزْنِ يَقْطَعُ مِنْ طَرِيْقِ اللّٰهِ مَا لَا يقْطَعُهُ مَنْ فَقَدَ حُزْنَهٗ."

ترجمہ:... "غم میں مبتلا سالک جس قدر طریقِ الٰہی کو تیزی سے طے کرتا ہے، بےغم اتنا تیزی سے یہ سفر طے نہیں کرسکتا۔"

البتہ لایعنی فکر قلب کا ستیاناس کردیتی ہے۔

مجاہدۂ تفصیلی:

اس میں دو قسم ہیں:

ا:...اخلاقِ حمیدہ: اور اس کے چند مقامات ہیں، مثلاً: توبہ، صبر، شکر، خوف، رجا، زُہد، توحید، توکل، محبت، شوق، اِخلاص، صدق، مراقبہ، محاسبہ اور تفکر۔

۲:... اور اخلاقِ ذمیمہ: اور وہ بھی چند چیزیں ہیں، مثلاً: شہوت، آفاتِ لسان، غضب، حقد، حسد، حبِ دُنیا، حرصِ جاہ، رِیا، عجب اور غرور وغیرہ۔

کسی بزرگ نے ان اوصاف کو دو رُباعیوں میں اختصار و اجمال کے ساتھ جمع فرمایا ہے، وہ رُباعیاں یاد رکھنے کے قابل ہیں:

خواہی کہ شوی بمنزل قرب مقیم
نہ چیز بہ نفسِ خویش کن تعلیم
صبر و شکر و قناعت و علم ویقیں
تفویض و توکل و رضا و تسلیم
خواہی کہ شود دِل تو چوں آئینہ
دہ چیز بروں کن از درُونِ سینہ
حرص و اَمل و غضب و دروغ و غیبت
بخل و حسد و کبر و رِیا و کینہ

توبہ:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا.“ (التحریم:۸)

ترجمہ:...”اور توبہ کرو اللہ کے آگے تم سب مل کر۔“

اور توبہ دِل کے دُکھ جانے کو کہتے ہیں، جیسا کہ ارشاد ہے:

”هُوَ اَنْ تَحْرُقَ الْحَشَاءُ عَلَى الْخَطَاءِ.“

یعنی خطا کو یاد کر کے دِل دُکھ جانا، اور توبہ کرنے والے پر لازم ہے کہ اُس گناہ کو ترک کر دے، اور آئندہ پختہ ارادہ کرلے کہ اب نہ کروں گا، اور خواہش کے وقت نفس کو روکنا۔

فائدہ:... عام لوگوں کی توبہ گناہوں سے ہوا کرتی ہے، سالکین کی توبہ باطنی گناہوں اور مذموم اخلاق سے، اور متقین کی توبہ شک وشبہات سے، اور محبّین کی توبہ غفلت سے، اور عارفین کی توبہ اُس مقام سے جس سے مافوق کو پہنچ گئے۔

طریقِ تحصیل:

قرآن وحدیث میں گناہوں پر جو وعیدیں آئی ہیں، اُن کو یاد کرے، اور دِل میں سوچے، تو ندامت کی سوزش پیدا ہوجائے گی۔

اَحکام:

اگر نماز، روزہ قضا ہوا ہو، اس کی قضا کرے، اور اگر بندوں کے حقوق ضائع ہوئے ہوں، ان سے معاف کرائے یا ادا کرے۔

تنبیہ:... جہاں تک ہوسکے گزشتہ تقصیر کا تدارک کرے، مثلاً نمازِ فرض کی قضا کرے، زکوٰۃ نہ دی ہو تو اس کو ادا کرے، اور حقوق العباد بھی ادا کرے، یا معاف کرائے، تب توبہ تمام ہوگی۔

صبر:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا" (آل عمران:۲۰۰)

ترجمہ:... "اے ایمان والو! صبر کرو"

انسان میں دو قوّتیں ہوتی ہیں، ایک اُسے دِین پر اُبھارتی ہے، اور دُوسری ہوائے نفس پر، سو قوّتِ دِینی کو قوّتِ ہویٰ پر غالب کردینا، یہ صبر ہے۔

فائدہ:...صبر چند قسم پر ہے:

۱:...ایک طاعت پر کہ طاعت کرے، اور سستی نہ کرے۔

۲:...مصیبت پر کہ شکایت کا کلمہ زبان پر نہ لائے۔

۳:...صبر معصیت پر کہ گناہ ظاہری، مثلاً: غیبت، زنا وغیرہ، اور باطنی، جیسے: رِیا، سمعہ وغیرہ سے نفس کو روکے۔

علاج:...اس قوّتِ ہویٰ کو ضعیف اور کمزور کرنا چاہئے۔

شکر:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ." (البقرۃ:۱۷۲)

ترجمہ:..."اور شکر کرو اللہ کا اگر تم اسی کے بندے ہو۔"

نعمت کو منعمِ حقیقی سے سمجھنا، پھر اس سے دو باتیں ضرور پیدا ہوں گی، ایک منعم سے خوش ہونا، دُوسرے اس کی خدمت گزاری اور فرماں برداری میں سرگرمی کرنا، یہ شکر ہے۔

فائدہ:...شکر کے تین رُکن ہیں:

اوّل:...علم، یعنی نعمت اور منعم سے واقف ہونا، اور نیز سمجھنا کہ سب نعمتیں حق تعالیٰ کی جانب سے ہیں، اس سے دو باتیں پیدا ہوں گی، ایک منعم سے خوش ہونا، دوم: اُس کی فرماں برداری میں سرگرم ہونا۔ ان دونوں حالتوں کا نام عمل ہے۔

دُوسرا رُکن:...حال ہے کہ منعم کی نعمت پر خوش ہونا کہ یہ اس کا عطیہ ہے،

اس وجہ سے خوش نہ ہو کہ میرا مطلب پورا ہوگیا، مثلاً: گھوڑے کی ضرورت تھی، ہاتھ آگیا، یہ نعمت پر خوشی ہے، شکر یہ ہے کہ اس میں منعم کی حیثیت ملحوظ ہو کہ منعم نے دیا ہے اور وہ بڑا محسن ہے۔

تیسرا رُکن:... یہ کہ اللہ تعالیٰ کی نعمت اس کی رضامندی میں استعمال کرے، مثلاً: زبان کو اللہ تعالیٰ کی یاد میں استعمال کرے اور غیبت و دروغ میں استعمال نہ کرے۔

طریقِ تحصیل:... اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو سوچا کرے اور یاد کیا کرے۔

خوف:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِيْ'' (البقرۃ:۱۵۰)

ترجمہ:... ''سو ان سے یعنی ان کے اعتراضوں سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو۔''

ایسی چیز کے خیال سے دِل کا دردناک ہونا جو ناگوارِ طبع ہو، اور اس کے آئندہ واقع ہونے کا اندیشہ ہونا۔

طریقِ تحصیل:... اللہ تعالیٰ کے قہر و عتاب کو یاد کرے اور سوچا کرے۔

رَجا:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''اُولٰٓئِکَ یَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللهِ'' (البقرۃ:۲۱۸)

ترجمہ:... ''وہ اُمیدوار ہیں اللہ کی رحمت کے۔''

محبوب چیزوں یعنی فضل، مغفرت اور جنت وغیرہ کے انتظار میں قلب میں

راحت پیدا ہونا اور اس کے حاصل کرنے میں تدبیر و کوشش کرنا رَجا و اُمید ہے، اور اس کے حاصل کرنے کے اسباب یعنی عملِ صالح اور توبہ وغیرہ کو اختیار کرنا، اور پھر اُمیدوار ہونا۔

"تَـمَنّی" خالی اُمید کا نام ہے، جو کہ مفید نہیں بلکہ مذموم ہے۔ قال علیه الصلوٰة والسلام:

"العاجز من اتبع نفسه هواها وتمنى على الله."

(مشکوٰۃ ص:۴۵۱)

پھر وہ اعتقاد اگر خواہشِ نفسانی کے موافق ہو اور شیطان کے دھوکے سے اس پر نفس کو اطمینان ہو تو وہ غرور ہے۔ (جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے: "وَلَا یَغُرَّنَّکُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ")۔

طریقِ تحصیل:... اللہ تعالیٰ کی وسعتِ رحمت کو یاد کرے اور سوچے، تو رَجا پیدا ہوجائے گی، اور اُمید کے اسباب میں لگ جانا تمنّی کا علاج ہے، اور اپنے اعمال و اَحوال کو قرآن و حدیث، بزرگانِ دین کے اقوال و افعال سے ملاتے رہنا غرور کا علاج ہے۔

زُہد:

اس سلسلے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"اوّل صلاح هٰذه الأُمة اليقين والزهد."

(رواه البيهقی)

ترجمہ:... "اس اُمت کی پہلی صلاحیت زُہد و یقین ہے۔"

کسی چیز (مثلاً: دُنیا) کی رغبت چھوڑ کر بہتر چیز (مثلاً: آخرت) کی طرف

مائل ہو جانے کا نام زُہد ہے۔

فائدہ:... زُہد کے کئی درجے ہیں:

اوّل:... یہ کہ نفس اگرچہ دُنیا کی طرف مائل ہو، مگر اس کو جبراً روکے، اس کو ''تزہد'' کہتے ہیں۔

دوم:... یہ کہ اتنا متنفر ہو کہ اس کی طرف مائل نہ ہو اور سمجھے کہ دُنیا و آخرت کی نعمتوں کا یکجا جمع ہونا ممکن نہیں۔

سوم:... یہ کہ دُنیا کے مال و متاع کا ہونا نہ ہونا برابر ہو جائے، نہ ملنے پر مسرّت ہو، اور نہ ہاتھ سے چلے جانے پر کچھ حسرت ہو۔

طریقِ تحصیل:... دُنیا کے عیوب اور مضرتوں اور فنا ہونے اور آخرت کے منافع کو یاد کرے اور سوچا کرے تو زُہد حاصل ہو جائے گا۔

توحید:

اس سلسلے میں قرآن مجید میں ہے:

''وَاللّٰہُ خَلَقَکُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ.'' (الصافات:۹۶)

ترجمہ:... ''اور اللہ نے بنایا تم کو اور جو تم بناتے ہو۔''

یہاں توحید سے توحیدِ افعالی مراد ہے، یعنی سب کچھ کرنے والا وہی ہے، نفع ہو یا نقصان، عطا ہو یا منع، جو کچھ ہو ارادۂ خداوندی کے بغیر کوئی کچھ نہیں کرسکتا، یہ توحیدِ افعالی ہے۔

طریقِ تحصیل:... مخلوق کے عجز اور خالق کی قدرت کو یاد کیا کرے اور سوچا کرے۔

توکل:

ارشادِ الٰہی ہے:

''وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ.'' (الطّلاق:۳)

ترجمہ:...''اور جو اللہ پر توکل کرتا ہے پس وہ اس کو کافی ہے۔''

فائدہ:...متوکل میں اوّلاً:...معرفتِ توحید ہو کہ سوائے خدائے تعالیٰ کے اور کوئی معبود نہیں، سب چیزیں اُسی کی مِلک ہیں، وہی قادر اور دینے والا ہے۔

ثانیاً:...اس یقین پر اپنے تمام کام خدا تعالیٰ کے سپرد کر کے قلب کو مطمئن رکھے اور غیر سے نظر اُٹھالے۔

ثالثاً:...جن اسباب پر منفعت کا حاصل ہونا یا دفعِ مضرّت کا یقین ہو، جیسے: اولاد کے لئے بیوی کرنا، یا بھوک کے لئے طعام یا پیاس کے لئے پانی، اور درندہ دیکھ کر بھاگنا وغیرہ کو ضرور اختیار کرے، مگر اس سبب پر دِل سے بھروسہ نہ ہو، بلکہ دِل میں خالق پر بھروسہ ہو۔

اسی طرح جن اسباب پر اکثر و بیشتر مسبّب مرتب ہوجاتا ہو، مثلاً سفر کے لئے توشہ لے جانا، کہ اگر توشہ نہ لے جائے تو مرجانا یقینی تو نہ ہو، تاہم مرجانے کا غالب گمان ہو، ایسے اسباب کا اختیار کرنا سلف صالحین کا معمول ہے۔

اور جن اسباب پر مسبّب کا مرتب ہونا، نہ ظنی ہو اور نہ یقینی، بلکہ موہومی ہو، اُن کا اختیار کرنا خلافِ توکل ہے، جیسے: مرض کے لئے منتر پڑھانا یا داغنا وغیرہ، لہٰذا ایسے اسباب کا ترک کرنا توکل ہے، اور اوّل و دوم میں اسباب اختیار نہ کرنا تعطّل اور سبب اختیار کر کے اس پر نظر نہ کرنا توکل ہے، فافہم!

صرف وکیل یعنی کارساز پر قلب کا اعتماد کرنا توکل ہے۔

طریقِ تحصیل:... اس کی عنایتوں اور وعدوں اور گزشتہ کامیابیوں کو یاد کرنا اور سوچنا۔

محبت:

محبت کے سلسلے میں ارشادِ الٰہی ہے:

"یُحِبُّھُمْ وَیُحِبُّوْنَہٗ" (المائدۃ:۵۴)

ترجمہ:... "اللہ ان کو چاہتا ہے اور وہ اس کو چاہتے ہیں۔"

خدا تعالیٰ کی محبت کی علامات یہ ہیں:

۱:... نفس کی خواہش پر اپنے محبوبِ حقیقی یعنی حق تعالیٰ کے حکم کو ترجیح دے۔

۲:... یہ کہ اللہ تعالیٰ کی ملاقات کا شائق ہو، اور موت سے نہ گھبرائے۔

۳:... یہ کہ حکمِ الٰہی اور قضا و قدر پر زبان و دِل سے شکوہ نہ کرے، اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا حُبَّکَ وَحُبَّ حَبِیْبِکَ وَحُبَّ مَنْ یُّحِبُّکَ، اٰمِیْنَ!

طبیعت کا کسی ایسی چیز کی طرف مائل ہونا کہ جس سے لذّت حاصل ہو، محبت ہے، اور یہی میلان اگر قوی ہوجائے تو اس کو عشق کہتے ہیں۔

طریقِ تحصیل:... دُنیا کے علائق کو قطع (ختم) کرے، یعنی غیراللہ کی محبت کو دِل سے نکالے، کیونکہ دو محبتیں ایک دِل میں جمع نہیں ہوتیں، وہ اس طرح سے کہ شریعت کے اَحکام کو سب پر ترجیح دے، اور اللہ تعالیٰ کے کمالات، اوصاف اور انعام کو یاد کرے اور سوچے۔

شوق:

شوق کے سلسلے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''اَسْئَلُکَ النَّظَرَ اِلٰی وَجْهِکَ وَالشَّوْقَ اِلٰی لِقَآئِکَ.'' (رواہ النسائی)

ترجمہ:...''اے اللہ! میں آپ سے آپ کے دیدار اور آپ کی ملاقات کے شوق کا سوال کرتا ہوں۔''

جس چیز کا من وجہٍ (کچھ) علم ہو اور من وجہٍ (کچھ) علم نہ ہو، اُس کو مکمل طور پر جاننے اور دیکھنے کی طبعی خواہش کا ہونا شوق کہلاتا ہے۔

طریقِ تحصیل:...محبت کا پیدا کر لینا، کیونکہ محبت کے لئے شوق لازم ہے۔

اُنس:

اُنس کے بارے میں ارشادِ الٰہی ہے:

''هُوَ الَّذِیْ اَنْزَلَ السَّكِیْنَةَ فِیْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِیْنَ.'' (الفتح:۴)

ترجمہ:...''سو وہی ہے جس نے اُتارا اطمینان دِل میں ایمان والوں کے۔''

جو چیزیں من وجہٍ (کچھ) مخفی اور من وجہٍ (کچھ) معلوم ہوں، اگر اس نامعلوم چیز کے مخفی گوشوں کے ادراک کی خواہش کرے، تو اس کو شوق کہتے ہیں۔

اور معلوم گوشوں پر نگاہ پڑنے پر فرحت و سرور کا ہونا، اس کو اُنس کہتے ہیں۔

اگر اس فرحت کا اس قدر غلبہ ہو جائے کہ مطلوب کی صفاتِ جلال پیشِ نظر نہ رہیں اور اسی وجہ سے اس کے اقوال و افعال میں کسی قدر بے تکلفی ہو جائے تو اس کو انبساط و ادلال کہتے ہیں، اس کی تحصیل کا طریقہ وہی ہے جو تحصیلِ محبت کا ہے۔

رضا:

جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے:

''رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ'' (المجادلۃ:۲۲)

ترجمہ:... ''اللہ ان سے راضی اور وہ اس سے راضی۔''

تقدیر کے حکم پر زبان و دِل سے اعتراض نہ کرنا، رضا ہے، بعض اوقات رضا بالقضا کا یہاں تک غلبہ ہوتا ہے کہ تکلیف بھی محسوس نہیں ہوتی، یہ بھی آثارِ محبت سے ہے، اس کی تحصیل کا طریقہ بھی وہی ہے جو تحصیلِ محبت کا ہے۔

فائدہ:... رضا کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ اس کے حکم کی تعمیل کرے، اور اس جہان کے لئے جو انتظام تجویز فرمایا گیا ہے، اس سے باہر نہ نکلے، مثلاً: پیاس کے لئے پانی اور اولاد کے لئے نکاح کرنا وغیرہ، بلکہ اَحکامِ شرعی کا پابند رہے۔

یاد رکھو! کہ معصیت و کفر میں دو حیثیتیں ہیں، ایک یہ کہ حق تعالیٰ کے ارادہ و مشیت سے ہے، کیونکہ خدا تعالیٰ کے حکم کے سوا ذرّہ بھی نہیں ہل سکتا، اس اعتبار سے اس کو قضا و قدر کہتے ہیں، اور اس حیثیت سے اس پر ناگواری نہیں ہونی چاہئے، بلکہ اس پر رضا ہونی چاہئے کیونکہ حق تعالیٰ کا کوئی کام بغیر مصلحت کے نہیں ہوتا۔ اس کی دُوسری حیثیت یہ ہے کہ یہ عامی آدمی کا عمل اور کسب ہے، جو حق تعالیٰ کے دُشمن اور نافرمان ہونے کی علامت ہے، پس اس اعتبار سے یہ ناگوار ہے، اور اس پر اَمر بالمعروف ہے اور یہی تعمیلِ فرمان ہے، خوب سمجھ لو!

نیت و ارادہ:

نیت و ارادہ کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ.'' (مشکوٰۃ ص:۱۱)

ترجمہ:...''بے شک اعمال کا مدار نیتوں پر ہے۔''

تو نیت و ارادہ یہ ہے کہ دِل کا ایسی چیز کی طرف اُبھرنا، جس کو اپنی غرض اور نفع کے موافق سمجھتا ہے۔

طریقِ تحصیل:...اُس چیز کے منافع و مصالح کی معرفت حاصل کرے اور ان میں غور و فکر کرے، مثلاً: عملِ صالح اور طریقِ آخرت کے منافع و مصالح کی معرفت حاصل کرکے ان میں غور کرے، تو دِل کو حرکت پیدا ہوگی۔

اِخلاص:

اِخلاص کے بارے میں ارشادِ الٰہی ہے:

''اَلَا لِلّٰہِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ....'' (الزمر:۳)

ترجمہ:...''سنتا ہے اللہ ہی کے لئے ہے بندگی خالص۔''

اور:

''فَادْعُوا اللّٰہَ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ....'' (المؤمن:۱۴)

ترجمہ:...''سو پکارو اللہ کو خالص کرکر اس کے واسطے بندگی۔''

اِخلاص کا معنی یہ ہے کہ اپنی طاعت و بندگی میں صرف اللہ تعالیٰ کے تقرّب اور رضا کا قصد کرنا، مخلوق کی خوشنودی، رضامندی یا اپنی کسی نفسانی خواہش کے قصد کو اس میں شامل نہ ہونے دینا۔

طریقِ تحصیل:... رِیا کا دفع کرنا عین اِخلاص کا حاصل کرنا ہے، اور وہ رِیا کے علاج کے بیان میں معلوم ہوگا۔

صدق:

جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے:

”اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا وَجَاھَدُوْا بِاَمْوَالِھِمْ وَاَنْفُسِھِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ، اُولٰٓئِکَ ھُمُ الصّٰدِقُوْنَ“ (الحجرات:۱۵)

ترجمہ:... ”ایمان والے وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اللہ پر اور اس کے رسول پر پھر شبہ نہ لائے اور لڑے اللہ کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جان سے وہ لوگ جو ہیں وہی ہیں سچے۔“

صدق یہ ہے کہ جس مقام کو حاصل کرے، اس کو کمال تک پہنچائے، اور اس میں کسر نہ رہے۔

فائدہ:... صدق کے کئی درجے ہیں:

اوّل:... صدقِ قولی: وہ یہ کہ ہر حالت میں سچ بولے، حتی الوسع تعریض سے بھی پرہیز کرے، صدقِ قولی کا اعلیٰ اور اکمل درجہ یہ ہے کہ جو اقوال اللہ تعالیٰ کے سامنے عرض کرتا ہے، ان میں صدق پیدا کرے، مثلاً: ”اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ“ پر ہمہ تن شکر ہو جائے، اور ”اِیَّاکَ نَعْبُدُ“ پر اِخلاص، اور ”اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ“ پر غیر سے ٹوٹ جائے۔

دوم:... نیت میں سچا ہو، چنانچہ عبادت کے قصد میں کسی دُوسرے قصد کی آمیزش نہ ہو۔

سوم:... یہ کہ عزم میں سچا ہو، کیونکہ اکثر اوقات انسان قصد کرتا ہے کہ اگر اُسے کچھ مال مل گیا تو خیرات کروں گا، لیکن پھر مال ملنے پر اپنے اس عزم پر پختہ نہیں رہتا، لہٰذا سچا وہ ہے کہ اپنے عزم میں متردّد نہ ہو۔

چہارم:... یہ کہ عزم میں پختہ ہو، مگر پورا کرتے وقت کاہل ہوجاتا ہے۔
پنجم:... یہ کہ ظاہر و باطن یکساں ہوں۔
ششم:... یہ کہ مقاماتِ زُہد وتوکل میں سچا ہو، اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا بِفَضْلِکَ اٰمِیْنَ!
طریقِ تحصیل:... اس کی تحصیل کا طریقہ یہ ہے کہ ہمیشہ اپنے صدق کا نگران رہے، اگر کبھی کچھ کمی ہوجائے تو اس کا تدارک کرے، اسی طرح چند روز میں کمال حاصل ہوجائے گا۔

مراقبہ:

جیسا کہ ارشادِ نبوی ہے:

"حَاسِبُوْا قَبْلَ اَنْ تُحَاسَبُوْا" الحدیث.

ترجمہ:... "اپنا محاسبہ کرو، اس سے پہلے کہ تمہارا محاسبہ کیا جائے۔"

محاسبہ کا معنی یہ ہے کہ دِل سے اس شخص کا دھیان رکھے جو اس کو دیکھ بھال رہا ہے۔

طریقِ تحصیل:... مراقبہ کی تحصیل کا طریقہ یہ ہے کہ یہ جانے کہ اللہ تعالیٰ میرے ظاہر و باطن پر مطلع ہے، اور کوئی بات کسی وقت اس سے پوشیدہ نہیں، اس کے ساتھ، ساتھ اس کی عظمت، قدرت، جلال اور اس کے عذاب وعقوبت کو بھی یاد کرے، اس کی مواظبت سے وہ دھیان بندھنے لگے گا، پھر اس سے اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف کوئی کام سرزد نہ ہوگا۔

ایک مراقبہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فیض، رحمتِ عامہ یا ایک خاص قسم کی معیت، اقربیت یا تجلیاتِ افعالیہ کے انتظار میں بیٹھ جائے اور ہمہ تن اس میں لگ

جائے، اس میں ایک خاص کیفیت نازل ہونے لگ جاتی ہے۔

جاننا چاہئے کہ اوّل مراقبہ کے لئے دو چیزیں اور بھی ہیں، ایک مشارطہ: جو کہ مراقبہ سے پہلے ہوتا ہے، اور دُوسرے محاسبہ: جو مراقبہ کے بعد ہوتا ہے۔ مشارطہ یہ ہے کہ روزانہ صبح کو اُٹھ کر تھوڑی دیر تنہائی میں بیٹھ کر اپنے نفس کو خوب سمجھائے کہ: ''دیکھو! فلاں فلاں کام کیجیو، اور فلاں فلاں مت کیجیو''، اس کے بعد مراقبہ یعنی اس معاہدے کی نگہداشت رکھنا چاہئے، جب دن ختم ہوجائے تو سوتے وقت پھر محاسبہ کرے، یعنی اس نے صبح سے شام تک جو اعمال کئے ہوں اُن کو تفصیلاً یاد کرے، چنانچہ جو نیک کام ہوں اُن پر شکرِ الٰہی بجا لائے، اور جو بُرائیاں کی ہوں یا نیک کاموں میں کوئی آمیزش ہوگئی ہو، اس پر اپنے نفس کو ملامت کرے، اگر خالی زجر و توبیخ کافی نہ ہو تو اس پر کوئی مناسب سزا تجویز کرکے اس پر عمل درآمد کرے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ'' (الحشر:۱۸) (اور چاہئے کہ دیکھ لے ہر ایک جی کیا بھیجتا ہے کل کے واسطے؟) (احیاء العلوم، تعلیم الدین)

اخلاقِ ذمیمہ

شہوت:

خلافِ شرع یا مباح میں زیادہ شغل کی خواہش کا نام شہوت ہے، چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے:

''یُرِیْدُ الَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الشَّھَوٰتِ اَنْ تَمِیْلُوْا مَیْلًا عَظِیْمًا۔'' (النساء:۲۷)

ترجمہ:... ''اور چاہتے ہیں وہ لوگ جو لگے ہوئے ہیں اپنے مزوں کے پیچھے کہ تم پھر جاؤ راہ سے بہت دُور۔''

علاج:... اس کا علاج مجاہدہ کے بیان میں گزر چکا ہے کہ نفس کو حقوق دلائے اور حظوظ سے روکے۔

آفاتِ لسانی:

چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے:

"مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْہِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ" (قٓ:۱۸)

ترجمہ:... "نہیں بولتا کچھ بات جو نہیں ہوتا اس کے پاس ایک راہ دیکھنے والا تیار۔"

آفاتِ لسانی یہ ہیں: فضول باتیں، بحث مباحثہ، ناحق کا تکرار، کلام میں بناوٹ وتکلف، گالی گلوچ، دو رویہ باتیں کرنا، علماء سے فضول باتیں پوچھنا، وغیر **ذالک مما لا تعد ولا تحصیٰ!**

پھر ناحق کا تکرار اکثر دو وجہ سے ہوتا ہے، یا تو تکبر کی بنا پر یا اپنی بڑائی اور زبان و بیان کی تیزی کا اظہار مقصود ہوتا ہے، یا دُوسرے شخص کو چپ کرانے اور عاجز بنادینے کا شوق ہوتا ہے۔

علاج:... آفاتِ لسانیہ کا علاج یہ ہے کہ جو بات کہنا ہو اس سے تھوڑی دیر پہلے غور کرے کہ اس بات سے اللہ تعالیٰ، جو کہ سمیع و بصیر ہیں، ناخوش تو نہیں ہوں گے؟ اس طرح عمل کرنے سے اِن شاء اللہ گناہ کی کوئی بات منہ سے نہ نکلے گی۔

غضب:

قال علیہ الصلوٰۃ والسلام: "لَا تَغْضَبْ!" الحدیث. (مشکوٰۃ ص:۴۳۳ بحوالہ بخاری)

ترجمہ:... "غصہ نہ کر!"

غضب کا معنی ومفہوم یہ ہے کہ خونِ قلب کا بدلہ لینے کے لئے جوش مارنا۔

علاج:... اس کا علاج یہ ہے کہ اس کا استحضار کرے کہ اللہ تعالیٰ کی مجھ پر زیادہ قوت وقدرت ہے، اور میں اُس کی نافرمانی کیا کرتا ہوں، اگر وہ بھی مجھ سے یہ معاملہ کرے تو کیا ہوگا؟ اور یہ سوچے کہ میں کیا چیز ہوں؟ جو کچھ واقع ہونا ہے وہ ارادۂ خداوندی کے بغیر واقع نہیں ہوسکتا، اس کے ساتھ، ساتھ زبان سے ''اَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ'' پڑھ کر تین بار بائیں طرف تھوک مارے، اگر کھڑا ہے تو بیٹھ جائے، بیٹھا ہے تو لیٹ جائے، اور ٹھنڈے پانی سے وضو کرے، اگر اس سے بھی غصہ نہ جائے تو جس شخص پر غصہ ہے اس سے علیحدہ ہوجائے، یا اس کو علیحدہ کردے۔

غضب کے علاج کا یہ مقصد نہیں کہ غصّے کا مادّہ ہی نہ رہے، کیونکہ اگر غصّے کا مادّہ ہی ختم ہوگیا تو کفار سے جہاد کیونکر کرے گا؟ اور مبتدعین اور فساق کی خلافِ شرع باتوں پر ناگواری کیسے ہوگی؟ اس ریاضت کا مقصد یہ ہے کہ اس کو مہذّب اور عقل و شرع کا تابعدار بنائے، اگر شریعت حکم دے تو غصہ بھڑک اُٹھے اور اپنا کام کرے، ورنہ چپ رہے۔

حقد:

قال علیه الصلوٰة السلام: ''لَا تَبَاغَضُوْا!''

(متفق علیہ، مشکوٰۃ ص:۴۲۷)

ترجمہ:... ''آپس میں ایک دُوسرے سے بغض نہ رکھو!''

یعنی جب غصّے سے بدلہ لینے کی قدرت نہیں ہوتی تو غصّے کے ضبط کرنے سے اُس شخص کی طرف سے دِل پر ایک قسم کی گرانی ہوجاتی ہے، اس کو حقد یعنی کینہ کہتے ہیں۔

علاج:...حقد کا علاج یہ ہے کہ اس شخص کا قصور معاف کرکے اس شخص سے میل جول شروع کردے، گو بہ تکلف ہی سہی، چند روز میں دِل سے کینہ نکل جائے گا۔

حسد:

حسد یہ ہے کہ کسی شخص کی اچھی حالت کا ناگوار گزرنا اور یہ آرزو کرنا کہ اس کی یہ اچھی حالت زائل ہوجائے۔

جیسا کہ ارشادِ الٰہی: "وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ." میں اس کو بیان کیا گیا ہے۔ حسد عموماً یا تو نخوت اور غرور سے ہوتا ہے یا عداوت و خباثتِ نفس کی وجہ سے بلاوجہ خدا تعالیٰ کی نعمت میں بخل کرتا ہے، اور چاہتا ہے کہ جس طرح میں کسی کو کچھ نہیں دیتا، اسی طرح حق تعالیٰ بھی دُوسرے کو کچھ نہ دے، البتہ دُوسرے کو نعمت میں دیکھ کر حرص کرنا اور چاہنا کہ اس کے پاس بھی نعمت رہے اور مجھے بھی ایسی نعمت حاصل ہوجائے، یہ غبطہ اور رشک کہلاتا ہے، اور یہ شرعاً جائز ہے۔

علاج:... گو بہ تکلف ہی سہی، مگر اس شخص کی خوب تعریف کرے، اور اس کے ساتھ احسان، سلوک اور تواضع سے پیش آئے، ان معاملات سے اس شخص کے قلب میں تمہاری محبت پیدا ہوجائے گی، پھر وہ بھی تم سے اسی طور سے پیش آئے گا، تو اس سے تمہارے دِل میں بھی اس کی محبت پیدا ہوجائے گی۔

حبِ دُنیا:

ارشادِ الٰہی ہے:

"وَمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ"

(آل عمران:۱۸۵)

ترجمہ:... "اور نہیں زندگانی دُنیا کی مگر پونجی دھوکے کی۔"

جس چیز میں فی الحال حظِ نفس ہو اور آخرت میں اس کا کوئی نیک ثمرہ مرتب نہ ہو، وہ دُنیا ہے۔

جناب رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

"حب الدنیا رأس کل خطیئة." (مشکوٰۃ ص:۴۴۴)

ترجمہ:... "دُنیا کی محبت تمام گناہوں کی جڑ ہے۔"

مال کی وجہ سے معصیت پر قدرت ہوتی ہے، اور قدرت ہوتے ہوئے برداشت کرنا اور گناہ نہ کرنا بہت ہی دُشوار ہے۔

اسی طرح مال کے ہوتے ہوئے انسان لذتوں کا خوگر ہوجاتا ہے، پھر لذّت کی تحصیل میں اکثر و بیشتر عداوت، رِیا اور نفاق وغیرہ سب ہی قسم کے گناہ ہوتے ہیں، نیز مولانا رُوم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک شعر میں دُنیا کی لاجواب تعریف کی ہے:

چیست دُنیا از خدا غافل بدن
نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

علاج:... حبِ دُنیا کا علاج یہ ہے کہ موت کو کثرت سے یاد کیا کرے، اور لمبے عرصے کے لئے سامان نہ کرے، اور نہ سوچے۔

بخل:

قولہ تعالیٰ: "وَمَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ .... الخ" (محمد:۳۸)

ترجمہ:... "اور جو کوئی نہ دے گا سو نہ دے گا آپ کو۔"

یعنی جس چیز کا خرچ کرنا شرعاً یا مروّۃً ضروری ہو، اس میں تنگ دِلی کرنا بخل ہے۔

علاج:... بخل کا علاج یہ ہے کہ مال کی محبت کو دِل سے نکالے اور حبِ مال کے نکالنے کا وہی طریقہ ہے جو اُوپر ذکر ہوا ہے۔

حرص:

قولہ تعالیٰ: "وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖ .... الخ" (طٰہٰ:۱۳۱)

ترجمہ:... "اور مت پسار اپنی آنکھیں اس چیز پر جو فائدہ اُٹھانے کو دی ہم نے۔"

(حرص کا معنی) قلب کا مال وغیرہ کے ساتھ مشغول ہونا۔

علاج:... اس کا علاج یہ ہے کہ خرچ گھٹائے تاکہ زیادہ آمدنی کی فکر نہ ہو، اور آئندہ کی فکر نہ کرے کہ کیا ہوگا؟ اور یہ سوچے کہ حریص اور طمع کرنے والا ہمیشہ ذلیل وخوار رہتا ہے۔

حبِ جاہ:

قولہ تعالیٰ: "لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِى الْاَرْضِ .... الخ" (القصص:۸۳)

ترجمہ:... "نہیں چاہتے اپنی بڑائی ملک میں۔"

لوگوں کے دِلوں کے مسخر ہوجانے کا خواہش مند ہونا، جس سے لوگ اُس کی تعظیم واطاعت کریں۔

حبِ مال اور حبِ جاہ کا مقصد ایک ہی ہے، کہ میری کوئی ضرورت تشنۂ تکمیل نہ رہے، جیسے مال سے ضروریات پوری ہوتی ہیں، ایسے ہی بلاتکلیف لوگوں کے تعظیم کرنے سے بھی مقاصد سرانجام پاتے ہیں، حبِ جاہ بُری بلا ہے، ہاں! البتہ

انسان مال کی طرح بقدرِ ضرورت جاہ کا بھی محتاج ہے، تاکہ اس کی وجہ سے ظالموں کے ظلم وتعدی اور ظالم حاکموں سے بے خوف ہوکر باطمینانِ قلب عبادت میں مشغول ہوسکے، اتنی جاہ میں مضائقہ نہیں، مگر بقدرِ ضرورت جاہ حاصل کرنے کے لئے اپنی عبادتوں میں رِیا کرکے اور متقیوں اور صوفیوں کی شکل وصورت بنا کر مخلوق کو دھوکا دے کر جاہ حاصل نہ کرے۔

علاج:... یوں سوچے کہ جو لوگ میری تعظیم و اطاعت کر رہے ہیں، یا کریں گے، نہ یہ رہیں گے، اور نہ میں رہوں گا، تو پھر ایسی موہوم اور فانی چیز پر خوش ہونا نادانی ہی ہے۔

اس کا دُوسرا علاج یہ ہے کہ کوئی ایسا کام کرے جو شرع کے خلاف تو نہ ہو، مگر عرفاً اس شخص کی شان کے خلاف ہو، اس سے وہ لوگوں کی نظر میں ذلیل ہوجائے گا، تو حبِ جاہ خود بخود دَم توڑ جائے گا، مگر مقتدا کو ایسا کرنا زیب نہیں، کیونکہ اس سے دِین میں فتور پڑ جائے گا۔

رِیا:

ریا کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں یہ قصد کرنا کہ لوگوں کی نظر میں میری قدر ہوجائے۔

جیسا کہ قرآنِ کریم میں ہے: "یُرَآءُوْنَ النَّاسَ .... الخ" پھر رِیا کبھی تو جلی ہوتا ہے، یعنی تنہائی کی حالت میں اتنی عبادت نہیں ہوتی جتنی لوگوں کے سامنے کرتا ہے، اور کبھی خفی اور پوشیدہ ہوتا ہے، مثلاً تہجد تو ہمیشہ پڑھتا ہے، مگر مہمان کے سامنے زیادہ نشاط اور مسرّت ہوتی ہے، اور اس میں بھی رِیا ہے۔

اسی طرح اگر اطلاع سے خوشی نہ بھی ہو لیکن وہ اس کا آرزومند ہے کہ

کاش لوگ میری تعریف کریں، اسی طرح اگر اس کے ساتھ کوئی بُرائی کا معاملہ کرے، تو اس کو تعجب ہوتا ہے، تو یہ بھی رِیا خفی ہے، کیونکہ لوگوں پر اپنی عبادت کا احسان رکھنا چاہتا ہے۔

فائدہ:... اگر عبادت میں رِیا اوّل سے ہو اور آخر تک دِکھلاوے کے لئے پڑھی تو یہ نماز اس کے لئے موجبِ ثواب نہیں، بلکہ موجبِ عقاب ہے، اور اگر درمیان میں پیدا ہوگیا ہو پھر اگر نیت اصل عبادت کی مغلوب ہوگئی تو عبادت مقبول نہیں، اور اگر بعد عبادت پیدا ہوگیا، مثلاً: لوگوں کے آگاہ کرنے پر مسرّت ہوتی ہے، تو یہ رِیا مضر نہیں، ہاں! اس کا اظہار علیحدہ گناہ ہے، اور گناہوں کے مخفی رہنے پر خوش ہونا حرام نہیں۔

علاج:... حبِ جاہ کو دِل سے نکالے، کیونکہ رِیا اسی کا شعبہ ہے، اور جو عبادت جماعت سے نہیں ہے اس کو پوشیدہ کیا کرے، اور جس عبادت کا اظہار ضروری ہے اُس کے لئے صرف ازالۂ حبِ جاہ کافی ہے۔

دُوسرا طریق یہ ہے کہ جس عبادت میں رِیا ہو، اُس کو کثرت سے کیا کرے، پھر نہ کوئی اس کی طرف التفات کرے گا، اور نہ ہی اس کو اپنی عبادت کا خیال رہے گا، چنانچہ چند روز میں رِیا سے عادت اور عادت سے عبادت اور اِخلاص ہوجائے گا، قالہٗ حضرت حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ۔

تکبر:

تکبر یہ ہے کہ اپنے کو صفاتِ کمال میں دُوسروں سے بڑھ کر سمجھے، اور یہ اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے، جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے: "اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ"

ظاہر ہے کہ جب انسان کا اپنے متعلق یہ خیال ہو کہ وہ دُوسروں سے صفاتِ

کمالیہ میں زائد ہے، تو نفسِ امارہ پھول جاتا ہے، پھر اس کے آثار ظاہر ہونے لگتے ہیں، مثلاً: راستے میں چلتے وقت دُوسروں سے آگے قدم رکھنا، مجلس میں صدر مقام یا عزّت کی جگہ تلاش کرنا، دُوسروں کو نظرِ حقارت سے دیکھنا، اگر کوئی نصیحت کرے تو ناک بھوں چڑھانا، حق بات معلوم ہوتے ہوئے عمل کرنے سے شرمانا، اگر کوئی تعظیم نہ کرے تو غصہ ہونا، عوام کو گدھوں کی طرح دیکھنا، وغیر ذالک، نعوذ باللہ تعالیٰ منہ!

پھر تکبر کبھی تو علم سے پیدا ہوتا ہے کہ ہمارے برابر کوئی نہیں، یا اس طور کہ لوگوں پر میری تعظیم واجب ہے، اگر کوئی تعظیم نہ کرے تو اس پر تعجب ہونا، اور کبھی زُہد و تقویٰ سے، چنانچہ دیکھا جاتا ہے کہ عابد تکبر کرنے لگتا ہے کہ اگر اسے کوئی ایذا دے تو جھلا کر کہتا ہے کہ: ''عنقریب دیکھ لے گا کہ اس کے ساتھ کیا ہوتا ہے!'' اور اگر ایذا دینے والا اتفاقاً بیمار پڑ گیا یا اس کا کوئی نقصان ہوگیا تو اعلان کرتا ہے کہ: ''اللہ تعالیٰ کے بندوں کو ایذا دینے کا کیا نتیجہ نکلتا ہے!''

کبھی شرافتِ نسب سے اور کبھی مال و جمال سے متفخر ومتکبر ہوتا ہے،

اَللّٰھُمَّ احْفَظْنَا مِنْ کُلِّ سُوْٓءٍ اٰمِیْنَ یَا رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ، رَبَّ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ (احیاء العلوم)

علاج:... اللہ تعالیٰ کی عظمت کو یاد کرے، کیونکہ اس کے مقابلے میں اپنے کمالات کو ہیچ پائے گا، اور جس شخص سے اپنے آپ کو بڑا سمجھتا ہے، اُس کے ساتھ تعظیم و تواضع سے پیش آئے، یہاں تک کہ اُس کا خوگر ہوجائے۔

عجب:

جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے:

''اِذْ اَعْجَبَتْکُمْ کَثْرَتُکُمْ .... الخ'' (التوبۃ:۲۵)

ترجمہ:...''جب خوش ہوئے تم اپنی کثرت سے۔''

عجب کا معنی یہ ہے کہ اپنے کمال کی اپنی طرف نسبت کرنا اور اس کا خوف نہ ہونا کہ سلب بھی ہوسکتا ہے۔

علاج:...اس کمال کو عطائے خداوندی سمجھے اور اس کے استغناء اور قدرت کو یاد کرکے ڈرے کہ شاید سلب ہوجائے، اس کو بطورِ نمونہ اکثر ''تعلیم الدین'' لمولانا اشرف علی صاحب اور قلیل ''فروع الایمان'' وغیرہ سے نقل کرکے پیشِ خدمت کیا ہے، اگر زائد کی ضرورت ہوتو ''احیاء العلوم'' وغیرہ سے تحقیق فرمالیں۔

فصل:

آدابِ اُستاذ و پیر:

مجاہداتِ سابقہ اور باقی تمام کمالات خواہ دُنیوی ہوں یا اُخروی، سب میں بغیر اُستاذ و پیر کے کام نہیں چلتا، کیونکہ: ''بے مدد پیر نہ امکان تست'' اور جب تک اُستاذ و پیر کی مہربانی نہ ہو، اس وقت تک ان کمالات کا حاصل ہونا دُشوار ہے، بالفرض اگر کچھ حاصل بھی ہوجائیں تو تجربہ شاہد ہے کہ بے برکت ہوں گے، اور اُستاذ و پیر کی مہربانی سوائے ادب اور خدمت کے متعسّر ہے، اس لئے اس کے کچھ آداب تحریر کئے جاتے ہیں، جو سب کے سب کتاب ''فروع الایمان'' لمولانا اشرف علی صاحب سے مأخوذ ہیں۔

حقوقِ اُستاذ:

ا:...مسواک کرکے، بدن صاف کرکے اور صاف کپڑے پہن کر اس کے پاس جائے۔

۲:...ادب کے ساتھ پیش آئے۔

۳:...اس کو حرمت و تعظیم کی نگاہ سے دیکھے۔

۴:...جو بتلائے اس کو خوب توجہ سے سنے۔

۵:...اُس کو خوب یاد رکھے۔

۶:...جو بات سمجھ میں نہ آئے اپنا قصور سمجھے۔

۷:...اُس کے رُوبرو کسی کا مخالف قول ذکر نہ کرے۔

۸:...اگر کوئی اُستاذ کو بُرا کہے، حتی الوسع اُس کا دفعیہ کرے، ورنہ وہاں سے اُٹھ کھڑا ہو۔

۹:...اُستاذ کے رُوبرو بہت نہ ہنسے، نہ بہت باتیں کرے، اِدھر اُدھر نہ دیکھے، نہ کسی اور کی طرف متوجہ ہو، بلکہ بالکل اُستاذ ہی کی طرف متوجہ رہے۔

۱۰:...اُستاذ کی بدخلقی برداشت کرے۔

۱۱:...اُس کی تندخوئی سے اُس کے پاس جانا نہ چھوڑے، نہ اس کے کمال سے بداعتقاد ہو، بلکہ اُس کے اقوال و افعال کی تأویل کرے۔

۱۲:... جب کسی کام، غم یا نیند میں ملول اور مشغول ہو جس سے تعلیم شاق ہوگی یا حضورِ قلب سے نہ ہوگی، تو ایسے وقت میں نہ پڑھے۔

۱۳:... حالتِ غیبت و بُعد میں اُس کے حقوق کا خیال کرے، گاہ گاہ تحفہ تحائف سے اُس کو خوش کرتا رہے، اور بھی بہت سے حقوق ہیں، مگر ذہین کے لئے اسی قدر کافی ہیں، اور اس سے باقی حقوق بھی سمجھ سکتا ہے۔

حقوقِ پیر:

ان حقوقِ سابقہ مذکورہ کے علاوہ جو زائد ہیں، وہ لکھے جاتے ہیں:

۱:... یہ اعتقاد رکھے کہ میرا مطلب اسی مرشد سے ہی حاصل ہوگا اور اگر دُوسری طرف توجہ کروں گا تو مرشد کے فیض و برکات سے محروم رہوں گا۔

۲:... ہر طرح مرشد کا مطیع ہو اور جان و مال سے اُس کی خدمت کرے، کیونکہ بغیر محبتِ پیر کے کچھ نہیں، اور محبت کی پہچان یہی ہے۔

۳:... مرشد جو کچھ کہے اُس کو فوراً بجا لائے، اور مرشد کی اجازت کے بغیر اُس کے کسی فعل کی اقتدا نہ کرے، کیونکہ بعض اوقات پیر اپنے حال اور مقام کے مناسب ایک کام کرتا ہے جو مرید کے لئے زہرِ قاتل ہوتا ہے۔

۴:... مرشد جو وِرد، ذِکر، وظیفہ تعلیم کرے، اُسی کو پڑھے دُوسرے تمام وظیفے چھوڑ دے، خواہ اُس نے اپنی طرف سے پڑھنا شروع کئے ہوں یا کسی دُوسرے نے بتائے ہوں۔

۵:... مرشد کی موجودگی میں ہمہ تن اُس کی طرف متوجہ رہنا چاہئے، یہاں تک کہ سوائے فرض و سنت کے نمازِ نفل اور کوئی وظیفہ بھی اس کی اجازت کے بغیر نہ پڑھے۔

۶:... حتی الامکان ایسی جگہ نہ کھڑا ہو کہ اُس کا سایہ مرشد کے سایہ پر یا اس کے کپڑے پر پڑے۔

۷:... اُس کے مصلےٰ پر پیر نہ رکھے۔

۸:... اُس کی طہارت یا وضو کی جگہ طہارت یا وضو نہ کرے۔

۹:... مرشد کے برتنوں کو استعمال میں نہ لائے۔

۱۰:... اُس کے سامنے نہ کھانا کھائے، نہ پانی پیئے اور نہ کسی سے بات کرے، بلکہ کسی طرف متوجہ بھی نہ ہو۔

۱۱:... جس جگہ مرشد بیٹھا ہو، اس طرف پیر نہ پھیلائے، اگرچہ سامنے نہ ہو۔

۱۲:... نہ اس طرف تھوکے۔

۱۳:... جو کچھ مرشد کہے یا کرے، اُس پر اعتراض نہ کرے، کیونکہ وہ جو کچھ کرتا یا کہتا ہے اِلہام سے کرتا اور کہتا ہے، یعنی اکثر ایسا ہوتا ہے، اسی طرح اگر اس کی کوئی بات سمجھ میں نہ آئے تو حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کے قصہ کو یاد کرے۔

۱۴:...اپنے مرشد سے کرامت کی خواہش نہ کرے۔

۱۵:...اگر دِل میں کوئی شبہ گزرے تو فوراً عرض کرے اور اگر وہ شبہ حل نہ ہو تو اپنے فہم کا نقصان سمجھے، اور اگر مرشد اس کا جواب نہ دے تو جان لے کہ میں اُس کے جواب کے لائق نہ تھا۔

۱۶:...خواب و مراقبہ میں جو کچھ دیکھے وہ مرشد سے عرض کردے، اگر اُس کی کوئی تعبیر ذہن میں آئے تو وہ بھی عرض کردے۔

۱۷:... بلا اجازت و بلا ضرورت مرشد سے علیحدہ نہ ہو۔

۱۸:... مرشد کی آواز پر اپنی آواز بلند نہ کرے، بآوازِ بلند اس سے بات نہ کرے، بقدرِ ضرورت مختصر کلام کرے، اور نہایت توجہ سے جواب کا منتظر رہے۔

۱۹:... مرشد کے کلام کو دُوسروں سے اُس قدر بیان کرے جس قدر لوگ سمجھ سکیں، اور جس بات کے بارے میں یہ سمجھے کہ لوگ اُسے نہ سمجھیں گے تو اُسے بیان نہ کرے۔

۲۰:...اور مرشد کے کلام کو رَدّ نہ کرے، اگرچہ حق مرید ہی کی جانب ہو، بلکہ یہ اعتقاد رکھے کہ شیخ کی خطا میرے صواب سے بہتر ہے۔

۲۱:... جو کچھ اس کا حال ہو، خواہ اچھا یا بُرا، اُسے مرشد سے عرض کرے، کیونکہ مرشد طبیبِ قلبی ہے، اطلاع کے بعد اس کی اصلاح کردے گا، مرشد کے کشف پر اعتماد کرکے سکوت نہ کرے۔

۲۲:...اُس کے پاس بیٹھ کر وظیفہ میں مشغول نہ ہو، اگر کچھ ضروری پڑھنا ہو، تو اُس کی نظر سے پوشیدہ بیٹھ کر پڑھے۔

۲۳:...اُسے جو کچھ فیضِ باطنی پہنچے، اُسے مرشد کا طفیل سمجھے، اگرچہ خواب یا مراقبہ میں دیکھے کہ دُوسرے بزرگ سے پہنچا ہے، تب بھی یہ جانے کہ مرشد کا کوئی لطیفہ اُس بزرگ کی صورت میں ظاہر ہوا ہے، اس لئے اگر خواب یا مراقبہ میں دُوسرے بزرگ سے فیض پہنچے تو اُسے بھی مرشد کی جانب سے ہی سمجھے۔

(کذا فی ''ارشادِ رحمانی'' و مکتوبِ خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ ص:۳۷)

چنانچہ عارف رُومی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے:

چوں گزیدی پیرہن تسلیم شو
ہمچو موسیٰؑ زیرِ حکمِ خضرؑ رو
صبر کن در کارِ خضر اے بے نفاق
تا نگوید خضر رو ہٰذا فراق

اسی طرح شیخ عطار رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے:

دامنِ رہبر بگیر اے راہ جو
ہرچہ داری کن نثارِ راہِ او
پیرِ خود را حاکمِ مطلق شناس
تا براہِ فقر گردی حق شناس
ہرچہ فرماید مطیعِ امر باش
طوطیائے دیدہ کن از خاک باش
پیشِ رہبر ذلیل ہوجاؤ
متبع بے دلیل ہوجاؤ

پھر تو سچ مچ جمیل ہوجاؤ
یعنی حق کے خلیل ہوجاؤ

تنبیہ:... مگر یہ سب آدابِ مذکورہ شیخِ کامل کے ہیں، اور شیخِ کامل کی چند علامات ''تحصیلِ نسبت'' کے بیان میں گزرچکی ہیں، جس کے جاننے سے طالب دھوکے سے بچ سکتا ہے، اگر ان اوصافِ سابقہ کا جامع کوئی شخص مل جائے تو اس کو غنیمت سمجھے، اور دِل سے اُس کا غلام بن جائے، ورنہ اس سے علیحدگی اختیار کرلے، خصوصاً قرآن و حدیث کے خلاف کرنے والے سے ہرگز مجالست و مخالطت نہ کرے اس لئے کہ ایسی صحبت دِین و ایمان کے لئے تباہ کن ہے۔

چنانچہ عارف رُومی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اے بسا ابلیس آدم رُوئے ہست
پس بہ ہر دستے نہ باید داد دست
کارِ شیطاں می کند نامش ولی
گر ولی ایں است لعنت بر ولی

ترجمہ:... ''اے! بہت سے شیطان جو آدمی کی صورت میں ہیں، پس ہر ہاتھ میں ہاتھ نہ دینا چاہئے، کام شیطانی کرتا ہے، نام اس کا ولی ہے، اگر یہی ولی ہے تو ایسے ولی پر لعنت ہے۔''

اسی طرح عارف شیرازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

نخست موعظتِ پیر ایں طریق ایں است
کہ از مصاحبِ ناجنس احتراز کنید

ترجمہ:... ''اس طریق کے مرشد کی پہلی نصیحت یہ ہے

کہ ناجنس مصاحب سے پرہیز کرے۔''

(انتہیٰ کلامہ بتغیر یسیر وزائدۃ یسیرۃ)

اطلاع:... پیر و مرشد اگر کسی بات کا حکم فرمائیں اور وہ ظاہر میں صریح بے ادبی ہو تو اس کی تعمیل سے اِنکار نہ کرے بلکہ اُسے بجا لائے، مثلاً اگر وہ خاص کر اپنے مصلے پر بٹھائیں یا نماز میں اِمام بنائیں یا اپنے سے آگے چلنے کا حکم دیں یا وہ کفش جھاڑ کر سیدھے کریں تو بلاتکلف قبول کرے، یا اسی طرح کوئی دُوسرا حکم فرمائیں تو مان لے، اس لئے کہ کمالِ ادب یہی ہے کہ مرشد کا فرمان مان لے، اور اگر اس میں کچھ نقصان یا عذر دیکھے تو بے شک عرض کرے، تاکہ وہ اس حال سے آگاہ ہوجائیں، لیکن اگر آگاہی کے بعد پھر بھی حکم کریں تو اس حکم کا بجالانا ضروریات میں سے ہے۔ غرض ان کی رضا کو حصولِ مقصد کا بہترین ذریعہ اور سعادتِ دوجہان کا سبب جانے اور ان کی تکلیف و آزار کو بدترین بدبختی کا سبب سمجھے۔

حضرت امامِ ربانی مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مکتوب میں قاضی حمیدالدین بنگالی کو لکھا ہے، جس میں یہ فرمایا ہے:

''ہر مرضے را علاجے ہست، اِلَّا آزردگیٔ شیخ را ہیچ علاجے نیست۔''

ترجمہ:... ''ہر مرض کا علاج ہے، مگر شیخ کی ناراضی کا کوئی علاج نہیں، (پس مرید کو چاہئے کہ شیخ کو راضی رکھے)۔''

اور اُس مکتوب میں بہت سے آداب تحریر فرمائے ہیں، جس کو ''ہدایت الطّلاب'' نے نقل کیا ہے، اُن میں سے بعض نقل کئے جاتے ہیں:

اوّل: بیعت سے پہلے امتحان کرلے، یعنی اپنا اعتقاد دُرست کرلے کہ اس میں علامتِ ولایت جو تقویٰ وغیرہ کی ہیں، جیسا کہ مذکور ہوچکا ہے، موجود ہیں یا

نہیں؟ جب علامت پالیوے اور بیعت ہوجاوے تو بعد بیعت کے تمام جہان سے منہ پھیر کر دِل و جان سے اُس کی طرف رُجوع کرے، کلی اور جزوی کاموں میں پیر کی اقتدا کرے، کھانے پینے، چلنے پھرنے، بات چیت، خوخصلت، چال ڈھال، عادت، عبادت سب اُن کے سے پیدا کرے، اور خدمت میں حاضر ہو، بطریقِ سنت سلام کرے اور پابوس اور زمین بوس اور کفش بوس نہ ہووے، مگر دِل سے ہاں! اگر غلبۂ محبت میں مضطر ہوجاوے تو یہ باتیں معاف ہیں، ان کو اللہ تعالیٰ کا شریک نہ ٹھہراوے کہ کفر و شرک ہے، غائب میں یوں نہ کہے کہ: ''یا پیر! فلاں کام کردے'' بلکہ وسیلہ کے طور پر یوں کہہ سکتا ہے کہ: ''یا اللہ! میرا فلاں کام بطفیل میرے پیر کے کردے'' نذر و نیاز بھی خدا تعالیٰ کے لئے مانے، اُن کی خدمت اور کام کاج کو اپنی ریاضات سے بہتر جانے، اور خدمت سے پہلوتہی نہ کرے۔

طفیل کا مطلب یہ ہے کہ: ''اے اللہ تعالیٰ! میرے اعتقاد میں میرا پیر تیرا اور تیرے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خوب تابعدار ہے، اس لئے میری اس کے ساتھ محبت و اعتقاد و اتباع ہے، اس لئے اپنے فضل سے میرا فلاں کام کردے۔''

منّت منہ کہ خدمتِ سلطان ہمی کنی
منّت از و شمار کہ بخدمت گزاشتت

ترجمہ:...''احسان مت جتلا کہ تو بادشاہ کی خدمت کرتا ہے، بادشاہ کا احسان جان کہ وہ تجھ سے خدمت لے رہا ہے۔''

اُن کی خدمت گزاری سے بعد فرائض و واجبات و سُنن کے کوئی زیادہ عبادت و ریاضت نہیں، وغیر ذالک، فی الجملہ کوئی بے ادب اور بداعتقاد نہ خدا تک پہنچا ہے، نہ پہنچے گا۔

یہی ماں باپ کے بھی آداب ہیں۔

فصل:

شیخ کا مرید سے برتاؤ:

۱:... شیخ کو چاہئے کہ مریدوں پر مہربان اور رحیم ہو، چنانچہ فرمانِ الٰہی ہے: "بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ"۔

۲:... سوائے حقوقِ اسلامی کے زجر وتوبیخ نہ فرمائے: "وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا"۔

۳:... نرمی اور شفقت سے نصیحت فرمائے: "لِنْتَ لَهُمْ"۔

۴:... اُن کی تقصیرات جو کہ اپنے حق میں دیکھے، درگزر فرمائے۔

۵:... اور اُن کے لئے دُعائے مغفرت کیا کرے: "وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ"۔

۶:... دینی کاموں میں مشاورت بھی کیا کرے۔

۷:... اور اُن سے مالی یا بدنی منفعت کا اُمیدوار نہ رہے، کیونکہ ارشاد عبادت ہے، اور عبادت پر اُجرت لینا جائز نہیں: "قُلْ لَّا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا"۔

۸:... اور مخلوق کی رضامندی کے لئے ان کو جدا کرنا حرام ہے: "وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ .... الخ"۔

۹:... اور بعض مریدوں کو بعض پر ترجیح نہ دے، اِلّا یہ کہ کسی میں طلبِ رضائے حق زیادہ ہو۔

۱۰:... طریقت کی اشاعت پر حریص ہو: "حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ .... الخ"۔

۱۱:... اور اپنے آپ کو باوقار رکھے اور بے سود اختلاط کا دروازہ نہ کھولے۔

۱۲:... اور ایسی حرکت نہ کرے جس سے اللہ کی مخلوق بے اعتقاد ہوجائے، جیسے فرقہ ملامتیہ کیا کرتے ہیں کہ کنجریوں کے محلّہ میں رہا کرتے ہیں، وغیر ذالک۔

۱۳:...اور اپنے آپ کو خادم تصوّر کرے۔
یہ سب ''ارشاد الطالبین'' سے مأخوذ ہیں۔

فصل:

طریقِ تربیت:

واضح ہو کہ بعض کامل مکمل پہلے طالب کو تزکیۂ نفس، عناصر اور تصفیہ لطائف کے لئے، جو کہ مصاحبتِ خلق سے ظلمانی ہوگیا ہے، ذکر، شغل اور مراقبہ تعلیم فرماتے ہیں، تصفیہ اور اخلاقِ مرضیہ کے حصول کے بعد القائے نسبت کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، اس سالک کو سالکِ مجذوب اور اس سیر کو سیرِ آفاقی کہتے ہیں۔ سیر آفاقی، انفسی اور سیر الی اللہ، سیر فی اللہ، بقا باللہ اور سیر عن اللہ باللہ کے سلسلے میں جاننا چاہئے کہ جب سالک نیت کو دُرست کرکے ذکرِ الٰہی میں مشغول ہوتا ہے اور مجاہدے کرتا ہے تو اس کے اوصافِ رذیلہ اخلاقِ حسنہ سے بدل جاتے ہیں، دُنیا کی محبت کا غلبہ نہیں رہتا، صبر، توکل اور رضا حاصل ہوجاتی ہے، تو اپنے تزکیہ کو درجہ بدرجہ ترتیب وار عالمِ مثال میں مشاہدہ کرنے لگتا ہے، اس کو عالمِ مثال میں ہر لطیفہ کے مناسب انوار مثلاً: لطیفۂ قلب میں زرد نور اور لطیفۂ رُوح میں سنہری وغیرہ نظر آنے لگتے ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس لطیفہ کی صفائی ہوگئی ہے، تو سالک اپنی کدورتوں اور ظلمتوں کے دُور ہونے اور اپنی صفائی وتزکیہ کے یقین کو جو عالمِ مثال میں من جملہ آفاق کے ہے دیکھتا ہے، تو گویا یہ آفاق میں سیر کر رہا ہے، اگرچہ درحقیقت یہ سیر سالک کے اپنے نفس کی سیر ہے، اور اس کے اپنے اوصاف واخلاق میں حرکتِ کیفی ہے، مگر چونکہ آفاق کے آئینے میں دیکھ رہا ہے، اس لئے آفاق کی طرف منسوب کی گئی اور کہا گیا کہ سیر آفاقی

ہے، اس کو سیر الی اللہ بھی کہتے ہیں، اس سیر میں رذائل یعنی بُری خصلتوں سے تخلیہ حاصل ہوتا ہے، گویا فنا فی اللہ ہوگیا ہے کہ تمام ماسویٰ سے خالی و فارغ ہے۔ اس لئے کہ سالک تزکیۂ عناصر اور انوار لطائف کو اپنے نفس سے خارج عالم مثال میں ملاحظہ کرتا ہے، چونکہ یہ سیر بہت دراز اور بامشقت ہوتی ہے، اور اس میں مقصود میں ناکام رہنے کا خوف بھی رہتا ہے، اس لئے بعض مقرّبینِ کامل و اکمل جیسے حضرت خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ وعلیٰ اتباعہ جذب کو سلوک پر مقدم فرماتے ہیں، چنانچہ وہ پہلے سالک کے لطائف عالمِ اَمر میں توجہ سے القائے ذکر فرماتے ہیں، تاکہ قلب، رُوح، سرّ، خفی اور اخفیٰ اپنے اُصول میں فانی اور مستہلک ہوجاتے ہیں، اس سیر کو سیرِ انفسی کہتے ہیں، اس لئے کہ سالک انوار، لطائف و تزکیۂ عناصر کو اپنے اندر ملاحظہ کرتا ہے، اس سیر میں اکثر سیرِ آفاقی بھی حاصل ہوجاتی ہے، اس لئے کہ کدورت دفع ہونے کے باوجود قرب بھی حاصل ہوجاتا ہے، اس سالک کو مجذوب سالک اور اس سیر کو اندراج النہایۃ فی البدایۃ کہتے ہیں، اس لئے کہ جذب جو آخر میں تھی، ابتدا میں ہوگئی، ایسا شخص اگر کمال سے پہلے مرجائے تو مقصود سے مطلقاً محروم نہ رہا، کیونکہ ذکرِ قلبی سے پہلی صحبت میں ہی فیض یاب ہوگیا۔ (ارشاد الطالبین)

اس کے بعد جو سیر واقع ہوتی ہے، وہ سیرِ اَنفسی ہے، جس کو سیر فی اللہ اور بقا باللہ فرماتے ہیں، اس کو سیر اَنفسی اس لئے کہتے ہیں کہ انفس اسماء کے ظلال و عکوس کے آئینے ہیں، نہ یہ کہ سالک کا سیر نفس میں ہے، اس سیر میں درحقیقت انفس کے آئینے میں اسماء کے ظلال کا سیر ہے، اسی لئے اس کو سیر معشوق فی العاشق کہتے ہیں، اور اس سیر کو سیر فی اللہ اس لئے کہتے ہیں کہ سالک اس سیر میں اللہ تعالیٰ کے اخلاق سے موصوف و متخلق ہوجاتا ہے، گویا کہ اسمائے الٰہیہ میں سیر متحقق ہوگئی، اس سیر کو سیر فی اللہ اور بقا باللہ بھی کہتے ہیں، اس سیر میں سالک اخلاقِ حمیدہ سے آراستہ ہوجاتا

ہے، گویا تخلیہ سیرِ آفاقی میں ہوا اور تجلیہ اس سیرِ انفسی میں ہوا، پھر اس سیر کی انتہاء نہیں، اس کے حاصل ہونے کو ولایت کہتے ہیں، اس کے بعد جو سیر ہوتی ہے وہ سیر عن اللہ باللہ کہلاتی ہے، اسی طرح سیرِ چہارم سیر فی الاشیاء وباللہ ہر دو کو سیر رُجوعی و نزول کے ساتھ متعلق کہتے ہیں (یہ ہے اربابِ ولایت کے سیر سلوک کا حاصل اور ان کے کمالات کا نسخۂ جامعہ)، مگر اس پر حضرت مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ راضی نہیں، وہ فرماتے ہیں کہ:

سیر الی اللہ اور سیر فی اللہ دونوں سیر الی اللہ میں داخل ہیں، اس لئے کہ جب اَنفس بھی آفاق کی طرح دائرۂ امکان میں داخل ہے تو اس صورت میں دائرۂ امکان کا قطع کرنا ناممکن ہوگا، پس اس سے دائمی مایوسی اور خسارہ کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا، نہ کبھی فنا متحقق ہوگی، نہ بقا متصوّر ہوگا، پھر وصال و اتصال کیسے ہوگا؟ اور قربِ کمال کیا ہوگا؟ جیسے حق تعالیٰ وراء الورا ہے، اس کی صفات بھی وراء الورا ہیں، دائرۂ امکان میں نہ ذات کی گنجائش ہے، نہ صفات کی، سیرِ انفسی میں تو اسماء وصفات کے ظلال میں سے کسی ظل کا ظہور ہے، نہ کہ عین اسماء وصفات کا ظہور، بلکہ اسماء وصفات کی ظلیت اور مثالیت بھی آفاق و انفس سے باہر ہے، جب تک انفس و آفاق سے باہر نہ نکلیں، حق تعالیٰ کے اسماء وصفات کی ظلیت کے معنی سمجھ میں نہیں آتے، پھر اسماء وصفات تک وصول کیسے؟

اصل بات یہ ہے کہ سیرِ آفاقی و سیرِ انفسی میں ظلماتی پردے دُور ہوتے ہیں، جس کے امکان کے تمام مراتب طے ہوتے ہیں، اور نورانی پردوں کا طے ہونا حق تعالیٰ کے اسماء وصفات کی سیر پر موقوف ہے، حتیٰ کہ نظر میں نہ اسم رہے، نہ صفت، اور نہ شان رہے، نہ اعتبار، اُس وقت تمام نورانی پردے دُور ہوتے ہیں اور وصلِ عریانی حاصل ہوتا ہے، یہ وصل بہت کم حاصل ہوتا ہے۔

سوال:... اس صورت میں تو مشائخ باطل پر اور حق ان کے مکشوف و مشہود کے برخلاف ہوگا؟

جواب:... باطل وہ ہے جس میں صدق کی بو نہ ہو، وہ لوگ تو حق تعالیٰ کی محبت میں ایسے مغلوب ہوتے ہیں کہ اُن کی نظرِ بصیرت میں اسم و رسم محو و لاشے ہوگئے ہیں، باطل تو ان کے سایہ سے بھاگتا ہے، بات یہ ہے کہ کیا ان بزرگوں نے کمالات کے متعلق جو تحقیق فرمائی ہے، بس وہی ہے یا اس کے ماسوا بھی اَحوال و معارف ہیں؟ تو اس کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ اس کے علاوہ بھی بہت سے کمالات ہیں:

آسماں نسبت بہ عرش آمد فرود
ورنہ بس عالی ست پیشِ خاک تود

(خلاصہ مکتوب چہل و دوم دفتر ثانی اِمامِ ربانیؒ)

فائدہ:... ذکرِ قلبی کس چیز کو کہتے ہیں؟ جاننا چاہئے کہ مقصود اَز ذکرِ قلبی توجہ و حضورِ قلب است بہ مذکور، حرکت وجنبشِ قلب ہو یا نہ ہو، بلکہ بعض قسم فنا میں حرکت بجائے خود زوالِ ذکر ضروری ہوتا ہے، بعض ناواقف ذکر تحرکِ قلب کو کہتے ہیں، اور یہ سخت غلطی ہے، ذکر بمعنی یاد ہے، نہ بمعنی تحرک، فافہم!

(کذا فی مکتوب خواجہ محمد معصومؒ ص:۸۳)

فائدہ:... ہر ایک لطیفہ کا نور ہے، بعض سالک کو یہ انوار بالتفصیل نظر آتے ہیں، اور بعض کو ایک ہی کا، اور بعض لطائف کا تصفیہ ہوجاتا ہے اور انوار نظر نہیں آتے، قلب کا نور زرد، اور رُوح کا نور سرخ اور سرّ کا نور سیاہ اور خفی کا نور سفید اور اخفیٰ کا نور سبز ہے، اور بعضے رُوح کا نور سفید اور اخفیٰ کا نور سیاہ اور خفی کا نور سبز بتلاتے ہیں، وغیر ذالک من الاختلافات!

فائدہ:... ہر چند لطائفِ ستہ، نفس، قلب، رُوح، سر، خفی، اخفیٰ کے جوہر

عرض، مجرّد، مادّی، واحد، متعدّد اور تعینِ مقامات میں اگرچہ اختلاف ہے، مگر بہرحال اس پر قدر اتفاق ہے کہ نفس کی اصل غذا غفلت ہے، اس مرتبہ میں اس کو امارہ کہتے ہیں، اور جب شہوات کی مدافعت کرنے لگے گو ہنوز پورا سکون نہ ہو، اس کو لوّامہ کہتے ہیں، اور جب بالکل قرار ہوجائے، اس کو مطمئنہ کہتے ہیں۔ (تعلیم الدین)

ذکر لطائف اور تکرارِ کلمۂ طیبہ کے بعد ذکر تعلیم فرماتے ہیں، بعضے بجہر، بعضے آہستہ، اور حضراتِ نقشبندیہ رحمہم اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً جہر سے خفی کو ترجیح دیتے ہیں، پھر اس کو گاہے لسان سے بلحاظِ معنی کہ ہیچ مقصود نیست بجز ذاتِ پاک، تلقین فرماتے ہیں، اور گاہے بہ حبسِ نفس زیرِ ناف کردہ کہ اس سے کلمہ ''لا'' کو اپنے خیال میں دماغ تک پہنچائے اور کلمہ ''اِلٰہ'' کو دماغ سے داہنے مونڈھے تا لطیفۂ رُوح تک پہنچائے، جو کہ پستانِ راست کے نیچے بفاصلہ دو اُنگشت ہے، اور وہاں سے لطیفۂ قلب پر جو کہ زیرِ پستانِ چپ بفاصلہ دو انگشت ہے، خیال میں کلمہ ''اِلَّا اللہ'' کی ضرب لگائے، اور خیال ہی سے لفظ ''محمد رسول اللہ'' سانس لینے کے وقت کہے اور کہتے وقت اس معنی کا لحاظ کرے کہ: ہیچ نیست مقصود بجز ذاتِ پاک، اور نفی کے وقت اپنی ہستی کی نفی کرے، اور اثبات کے وقت حضرتِ حق سبحانہ کے اثبات کا تصوّر کرے، اور چند بار ذکر کرنے کے بعد کمالِ خاکساری سے التجا کرے کہ خداوندا مقصودِ من توئی و رضائے تو، محبت و معرفتِ خود بدہ، اور یہ ذکر کمال توجہ قلب سے کرے، یعنی ہمت سے دِل کی توجہ ذاتِ الٰہی کی طرف کرے۔ اور اس میں طاق عدد کی رعایت کرے، اس کو وقوفِ عددی کہتے ہیں۔ یہ عمل فنائے نفس کے لئے مفید ہے، اس کے بعد مشائخ مراقباتِ مشاربیہ کی تعلیم فرماتے ہیں، پھر جب جمعیت حاصل ہوجاتی ہے تو مراقبۂ معیت اور فنائے قلب کے بعد مراقبۂ اقربیت اور فنائے نفس کے بعد مراقبۂ محبت کی تعلیم فرماتے ہیں، پھر فنائے اتم کے بعد مراقبات کمالاتِ نبوّت وفوق آں مثلاً: مراقبۂ ذاتِ بحت کی تعلیم

فرماتے ہیں، رضی اللہ عنہم۔ (ارشاد الطالبین وملتقطاً)

فائدہ:... یہ صفائی و بیداریٔ قلب کے لئے ہے، لطیفۂ رُوح کی بیداری کا طریقہ یہ ہے کہ ''لا'' کو ناف سے پیشانی تک لے جاکر ''اِلٰہ'' کو قلب پر لاکر ''اِلَّا اللہ'' کی رُوح پر ضرب لگائے، تو لطیفۂ رُوح بیدار ہوجائے گا۔

اسی طرح لطیفۂ سِرّ یا خفی یا اخفیٰ کو بیدار کرنا ہو تو ''لا'' کو قلب سے رُوح تک لے جاکر ''اِلٰہ'' کو نفس پر لاکر جس لطیفہ کو بیدار کرنا مطلوب ہو تو ''اِلَّا اللہ'' کی ضرب اس پر لگائے، اور اگر پانچوں لطائف کو یکبارگی بیدار کرنا ہو تو ''اِلَّا اللہ'' کی ضرب پانچوں پر لگائے (یہ عمل ہر لطیفہ کے لئے جاروب (جھاڑو) ہے)۔

اور اگر لطیفۂ نفس کو بیدار کرنا ہو تو ''لا'' کو رُوح سے نکال کر خفی اور سِرّ پر پھیرتا ہوا قلب پر لے جائے، اور واپس اخفی پر ''اِلٰہ'' کا خیال کرکے نفس پر ''اِلَّا اللہ'' کی ضرب لگائے۔

اور اگر لطیفۂ قالبیہ کو بیدار کرنا ہو کہ تمام بدن سے ذکر ظاہر ہو، تو ''اِلَّا اللہ'' کی ضرب تمام بدن پر لگائے، اس طرح تمام بدن سے ذکر ظاہر ہونے لگے گا، انشاء اللہ تعالیٰ! پھر اگر طالب کو تمام بدن میں چیونٹی کے چلنے کی طرح حرکت معلوم ہو، یا سب بال کھڑے ہوجائیں یا بدن میں کپاس کی طرح دُھن دُھن معلوم ہو تو اس حرکت کو خوب بڑھائے اور اگر کسی پر بزور یہ حرکت ڈالنا منظور ہو تو بزورِ توجہ اس کی ہر رگ و ریشہ پر القا کرے اور ہر روز بڑھاتا جائے، سلطان الاذکار کے جاری کرنے کی دُوسری ترکیبیں بھی ہیں، جو ''ارشاد الطالبین'' میں مذکور ہیں، وہاں دیکھ لیں۔

حضرت شاہ نقشبند رحمہ اللہ تعالیٰ وقوفِ عددی کو چنداں لوازمات سے شمار نہیں کرتے، جیسا کہ وقوفِ قلبی کو واجبات سے گنتے ہیں، وقوفِ قلبی اس کو کہتے ہیں کہ دِل کی توجہ ذاتِ الٰہی کی طرف ہو جس کا نامِ گرامی ''اللہ'' جل جلالہٗ ہے، اس طور

کہ ذکر کی طرف بھی متوجہ نہ ہوتا کہ اس میں تفرقہ نہ آئے، اور ماسوا کے نقوش اس میں منقش نہ ہوں، پھر اگر درمیان میں کوئی خطرہ وارد ہوتو اس کو دفع کرتا رہے، جب دِل دُوسری طرف متوجہ نہ ہوگا تو ضرور اس طرف ہی متوجہ ہوگا۔

حضرت مجدّد الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: جس کا ذکرِ قلبی جاری نہ ہو، اس کو محض وقوفِ قلبی کا حکم کیا جائے، اور توجہ دی جائے، ذکرِ قلبی جاری ہوجائے گا۔ (کذا فی مکتوب خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ ص:۲۴۱)

فائدہ:... جسِ دَم میں اکثر دِل میں گرمی، ذوق، شوق، رقتِ قلبی، نفیٔ خواطر اور نفیٔ ما سوی اللہ تعالیٰ ہونے لگتی ہے، اور کبھی کشف عیانی، وجدانی ہوجاتا ہے، اور کبھی کچھ بھی نہیں ہوتا، اور یہی طالب کے لئے مفید ہوتا ہے:

اگر بخشے زہے رحمت! نہ بخشے تو شکایت کیا؟

ہر وقت رضا کا طالب رہے، ملنے پر بھی خوش رہے اور نہ ملنے پر بھی خوش رہے، اصل یہی ہے، فافہم!

فصل:

ترتیبِ مراقبات:

مراقبہ کی تعریف:

مراقبہ یعنی رقابت بمعنی محافظت ہے، یا پھر رقوب و ترقب سے مأخوذ بمعنی انتظار کے ہے، اور اصطلاحِ تصوّف میں حواسِ ظاہرہ و باطنہ کو انتظارِ مطلوب میں جمع کرنے کا نام مراقبہ ہے:

ہمہ چشمیم تا بروں آئی
ہمہ گوشیم تا چہ فرمائی

اس میں ذکر ورابطۂ شیخ کا واسطہ بھی نہیں۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ:

میں نے مراقبہ گربہ بِلّی سے سیکھا ہے کہ وہ کیسے مطلوب کے انتظار میں ہمہ تن مصروف ہے، اور مراقبہ کا دُوسرا معنی بھی ہے کہ بندہ آگاہ وخبردار رہے کہ ہر دَم حق سبحانہ میرے ساتھ حاضر اور میری ہر حالت پر مطلع ہیں، مراقبہ کا یہ طریق نفی و اثبات کے طریق سے اعلیٰ، جذب کے حصول میں اقرب اور باطن کی تنویر میں تمام مؤثر ہے۔

فائدہ:... خطراتِ قلبی کے بالکل زائل ہوجانے یا کم ہوجانے کا نام جمعیت ہے، اور طالب کے قلب میں توجہ الی اللہ پیدا ہوجانے کا نام حضور ہے۔

فائدہ:... سالک جس لطیفہ پر فیض و رحمت کا منتظر ہوگا، اس کو موردِ فیض کہتے ہیں، اور مراقبہ پر جو اثر و فائدہ مرتب ہو، اس کو فیضِ مراقبہ کہتے ہیں، اور یہ اثر اسباب وآلات کے بغیر مبدأ فیض یعنی فیاض سے آتا ہے۔

فائدہ:... سالکین فرماتے ہیں کہ انسان دس لطائف سے مرکب ہے، ان میں سے پانچ عالمِ اَمر سے ہیں، جیسے: ۱:...قلب، ۲:...رُوح، ۳:...سر، ۴:...خفی، ۵:...اخفی، ان کو عالمِ اَمر سے اس لئے کہتے ہیں کہ یہ محض حکمِ الٰہی ''کن'' سے ظاہر ہوئے ہیں۔ اور پانچ عالمِ خلق سے ہیں، جیسے: عناصرِ اربعہ، نفس۔ ان کو عالمِ خلق سے اس لئے کہتے ہیں کہ یہ بتدریج پیدا کئے گئے ہیں، ''اَلَا لَہُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ'' چنانچہ ولایتِ صغریٰ میں موردِ فیض لطائفِ عالمِ امر ہیں، اور ولایتِ کبریٰ وعلیا میں موردِ فیض لطیفۂ نفس وعناصرِ اربعہ ہیں۔

فائدہ:... حضور و جمعیت میں پختگی کرنا ضروری ہے، اس میں اتنا کمال ہو کہ تکلف سے بھی غیر کا خیال دُشوار ہو اور دُنیوی تعلقات سے دِل کا رشتہ ٹوٹ جائے، اور اولاد و مال سے جو کچھ تعلق اس کو رہے، وہ بحکمِ شرعی ہو، دِل سب سے فارغ ہو، جس کی علامت یہ ہے کہ حکمِ شرعی کو ظاہراً و باطناً دُوسری چیز پر غلبہ ہو، حکمِ شرعی کے نفاذ میں کوئی چیز رُکاوٹ نہ بن سکے، بلکہ اس کی مؤید ہو، تب اس کو فنائے قلب حاصل ہوگی:

ہیچ کس را تانگردد ایں فنا
نیست راہ در بارگاہِ کبریا

ترجمہ:... ''کسی کے لئے جب تک یہ فنا نہ ہوگا، نہیں
ہے اس کے لئے راستہ بارگاہِ کبریا میں۔''

اگر اس میں پختگی نہ ہوگی تو اس کو آئندہ کا کوئی کمال نصیب نہ ہوگا۔

فائدہ:... خلاصۂ سلوک: مقاماتِ عشرہ مشہورہ کا طے کرنا ہے، اور وہ یہ ہیں: توبہ، انابت، زُہد، شکر، وَرَع، قناعت، توکل، تسلیم، صبر اور رضا۔ ان مقامات کو مستقل مجاہدہ سے طے کرنا دُشوار ہے، اور اس کے لئے مدّت درکار ہے، اس کو مختصر اور سہل کرنے کے لئے حضراتِ کاملین قدس سرہم نے اُن کے طے کرنے کا مدار تتبعِ شریعت مرشد کی توجہ کو قرار دیا ہے، جس سے جمعیت، حضور، جذبہ اور لطائف ما فوق کی طرف کشش ہوجاتی ہے، جس سے فنائے قلب اور ان مقامات کا طے ہونا آسانی سے ہوجاتا ہے، اور سیرِ آفاقی و انفسی ہر دو اس کے ضمن میں آجاتی ہیں۔ (کذا قال المجدد الف ثانی رحمة الله علیه)

چونکہ مشائخ ان مراقبات کی تعلیم اکثر فارسی زبان میں فرماتے ہیں، اسی لئے ان الفاظ کو بعینہٖ نقل کیا جاتا ہے۔

مراقبۂ احدیت:

''فیض می آید از ذاتیکہ مستجمع جمیع صفاتِ کمال است و منزّہ اَز ہر نقصان و زوال مورد فیض لطیفۂ قلب من است۔''

ترجمہ:... ''اُس ذات سے فیض آرہا ہے جو کل صفاتِ کمال کی جامع، ہر نقصان اور زوال سے پاک اور میرے لطیفۂ قلب کے فیض کا مورد ہے۔''

اس مراقبہ میں احد کے مفہوم کو، جو جامع ہے جمیع صفاتِ کمال کو اور ہر نقصان سے منزّہ ہے، ذہن میں رکھ کر متوجہ الی اللہ تعالیٰ رہے، اسی لئے اس مراقبے کا نام ''احدیت'' ہے۔

مراقباتِ مشارب:

مراقبہ لطیفہ قلب، مشربِ آدم:

''لطیفۂ قلب خود را مقابل لطیفۂ قلبِ مبارک سروَرِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم داشتہ بزبانِ خیال التجا کند کہ: الٰہی! فیض تجلیاتِ افعالیہ کہ از لطیفۂ قلب سروَرِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم برلطیفۂ قلبِ آدم علیہ السلام افاضہ فرمودۂ بحرمتِ پیرانِ کبار رحمہم اللہ تعالیٰ در قلبِ من القا فرما۔''

ترجمہ:... ''اپنے لطیفۂ قلب کو جنابِ سروَرِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لطیفۂ قلب کے مقابل رکھ کر زبانِ حال سے التجا کرے کہ: الٰہی! فیضِ تجلیاتِ افعالیہ لطیفۂ قلبِ سروَرِ عالم صلی اللہ

علیہ وسلم کو جو کہ تو نے لطیفۂ قلبِ آدم علیہ السلام پر القا فرمایا ہے،

بحرمتِ پیرانِ عظام رحمہم اللہ تعالیٰ میرے قلب میں القا فرما۔''

جاننا چاہئے کہ شے و چیز کے مراتب چند ہیں:

اوّل:... ایک مرتبہ ہے ''ذات من حیث ہی'' کہ اس میں کسی نسبت و اعتبار کا وجود و عدم ملحوظ نہیں، اس مرتبے کو موسوم بہ ذات بحت و غیب ہویت و وجودِ مطلق کہتے ہیں، اس میں غور و خوض، وقت کی اضاعت ہے:

تواں در بلاغت بہ سبحان رسید

نہ در کنہ بے چونِ سبحان رسید

دوم:... دُوسرا مرتبہ یہ ہے کہ ذات کے ساتھ اُن کے اسماء، صفات، شیون اور اعتبارات اجمالاً ملحوظ ہوں، اس میں تمیز بعضاً من بعضٍ اصلاً نہیں، اس کو تعینِ اوّل اور وحدت کہتے ہیں، اسی کو حقیقتِ محمدیؐ جانتے ہیں۔

سوم:... تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ اس میں تفصیلی طور پر تبائن و تمیز ہے، اس تعینِ ثانی کو اعیانِ ثابتہ جانتے ہیں، پھر یہ تباین و تمیز یا محض اعتبار میں ہے کہ اعتبار سے بڑھ کر ذات پر کچھ زیادتی ظاہر نہ ہوگی، یا ایک صفت دُوسری صفات سے ظاہر میں بھی متمیّز ہو، مگر وہ تمیز صرف صفاتِ ثمانیہ میں ہوگی اور وجود و وجوب کی نسبت اس میں ملحوظ نہ ہو۔

مرتبۂ اوّل: جس میں کہ اعتبارات سے کچھ ملحوظ نہیں، نصیب ہے لطیفۂ اخفیٰ کا۔

اور وہ مرتبہ کہ جس میں اجمالاً اسماءِ صفات ملحوظ ہیں نصیب ہے لطیفۂ خفی کا۔

اور وہ مرتبہ کہ جس میں صفات تمیز اعتباراً ہیں اور ذاتِ تعالیٰ و تقدس پر کچھ زیادتی نہیں رکھتے، نصیب ہیں لطیفۂ سرّ کا۔

اور وہ مرتبہ کہ جس میں حقیقتاً صفات متمیّز ہیں، نصیب ہے لطیفۂ رُوح کا اور

نصیب قلب کا ان سب مراتب سے کم درجے کا ہے، وہ افعالِ الٰہیہ ہیں جو کہ اثر ہے صفات کا، جس میں سالک کی نظر میں اپنے اور مخلوقات کے افعال چھپ جاتے ہیں اور بجز فعل حق سبحانہ کے اس کی نظر میں نہیں رہتا:

اگر دیدہ بخشد خداوند ترا
نہ بینی دگر صورتِ زید را

اس ولایت کو ولایتِ ابوالبشر آدم علیہ السلام کہتے ہیں، اور سالک کو آدمی المشرب کہتے ہیں۔

مراقبۂ لطیفۂ رُوح مشربِ ابراہیمؑ ونوحؑ:

''لطیفۂ رُوح خود را مقابلِ لطیفۂ رُوحِ مبارک سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم داشتہ بزبانِ خیال عرض کند: الٰہی! فیضِ صفاتِ ثبوتیہ کہ از لطیفۂ رُوحِ مبارک آں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم در لطیفۂ رُوحِ حضرت نوح و ابراہیم علیہما السلام افاضہ فرمودۂ بحرمتِ پیرانِ کبار رحمہم اللہ تعالیٰ در لطیفۂ رُوحِ من القا فرما۔''

ترجمہ:... ''اپنے لطیفۂ رُوح کو مقابل لطیفۂ رُوحِ مبارک آں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم رکھ کر زبانِ حال سے عرض کرے کہ: الٰہی! وہ فیضِ تجلیاتِ صفاتِ ثبوتیہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لطیفۂ رُوحِ مبارک سے لطیفۂ رُوح حضرت نوح و ابراہیم علیہما السلام میں تو نے بخشے ہیں، بحرمتِ پیرانِ عظام رحمہم اللہ تعالیٰ، میرے لطیفۂ رُوح میں القا فرما۔''

مشربِ ابراہیمی لطیفۂ رُوح میں خدا تعالیٰ کی صفاتِ ثبوتیہ میں جذب ہوتا

ہے، اس میں سالک کی نظر میں مخلوق کی صفات مظہرِ صفاتِ حق سبحانہ ہو جائیں گی، اس کی صفات نظر آئیں گی، اس ولایت کا نام ولایتِ نوح و ابراہیم علیہما السلام ہے، اور سالک کو ابراہیمی المشرب کہتے ہیں۔

فائدہ:...لطیفۂ قلب میں جو توحید ظاہر و واضح ہوئی تھی، وہ یہ تھی کہ مخلوقات کے وجود کو غلبۂ محبتِ حق سبحانہ سے وجودِ حق سبحانہ وتعالیٰ دیکھتا ہے، اور لطیفۂ رُوح میں بجز حق سبحانہ کے وجود ثابت نہیں کرتا، اور ممکنات کو عدم پاتا ہے، اور یہ حالت بسبب غلبۂ سُکر کے ہے، ورنہ:

نہ آں ایں گردد نہ ایں شود آں
ہمہ اشکال بر تو گردد آساں

مراقبۂ لطیفۂ سرّ مشرب موسوی:

''لطیفۂ سرّ خود را مقابل لطیفۂ سرّ مبارک سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم داشتہ بزبانِ خیال عرض کند: الٰہی! فیضِ تجلیات شیون ذاتیہ کہ از لطیفۂ سرّ مبارک آں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم در سر مبارک حضرتِ موسیٰ علیہ السلام افاضہ فرمودہ بحرمتِ پیرانِ کبار رحمہم اللہ تعالیٰ در لطیفۂ سرّ من القا فرما۔''

ترجمہ:...''اپنے لطیفۂ سرّ کو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لطیفۂ سرّ کے بالمقابل رکھ کر زبانِ خیال سے التجا کرے کہ: الٰہی! شیونِ ذاتیہ کی تجلیات کا وہ فیض جو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لطیفۂ سرّ سے حضرتِ موسیٰ علیہ السلام کے لطیفۂ سرّ میں ڈالا ہے، پیرانِ عظام کے وسیلے سے میرے لطیفۂ سرّ میں ڈال دے۔''

مشربِ موسوی میں سالک اپنے آپ کو حق سبحانہ میں ہالک اور مضمحل پاتا ہے، سوائے ذات کے اُس کی نظر میں اور کچھ نہیں ہوتا (کذا فی ہدایۃ الطالبین)، اس ولایت کو ولایتِ حضرت موسیٰ علیہ السلام کہتے ہیں اور سالک کو موسوی المشرب کہتے ہیں۔

شیون جمع ہے شان کی، اس سے اللہ تعالیٰ کی وہ شان مراد ہے کہ جس سے وہ صفاتِ ثبوتیہ کے ساتھ موصوف ہے، جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے: ''کُلَّ یَوْمٍ ھُوَ فِیْ شَأْنٍ'' (الرحمٰن:۲۹) (ہر روز ایک شان میں ہے)، سالک اس مقام میں اپنی ذات کو حق سبحانہ و تعالیٰ کی ذات میں مٹا ہوا پاتا ہے، اور سوائے ذاتِ حق کے اُسے کوئی ذات نظر نہیں آتی، جب سالک ذات وصفات میں فانی ہوجاتا ہے تو طعن و ملامت کی پروانہیں کرتا اور نہ کسی تعریف و توصیف کا خواہش مند رہتا ہے، اور ذاتِ حق تعالیٰ میں ڈُوبا رہتا ہے۔

مراقبۂ لطیفۂ خفی مشربِ عیسوی:

''لطیفۂ خفی خود را مقابلِ لطیفۂ خفی سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم داشتہ بزبانِ خیال عرض کند: الٰہی! فیضِ تجلیات صفات سلبیہ کہ از لطیفۂ خفی مبارک سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم در لطیفۂ خفی عیسیٰ علیہ السلام افاضہ فرمودۂ بحرمتِ پیران کبار رحمہم اللہ تعالیٰ در لطیفۂ خفیٔ من القا فرما۔''

ترجمہ:... ''اپنے لطیفۂ خفی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لطیفۂ خفی کے مقابل رکھ کر خیال کی زبان سے التجا کرے کہ: الٰہی! صفاتِ سلبیہ کی تجلیات کا وہ فیض جو تو نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لطیفۂ خفی سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لطیفۂ خفی

میں القا فرمایا ہے، پیرانِ کبار کے طفیل سے میرے لطیفۂ خفی میں
القا فرمادیجئے۔"

مشربِ عیسوی میں سالک حق سبحانہ کو جمیع مظاہر سے منفرد پاتا ہے، اس ولایت کو ولایتِ عیسیٰ علیہ السلام اور سالک کو عیسوی المشرب کہتے ہیں۔

فائدہ:... لطیفۂ سرّ وخفی میں سالک ملامت کی پروا نہیں کرتا، اور نہ کسی کی توصیف وتعریف کا خواہش مند ہوتا ہے، صفاتِ سلبیہ کا مطلب یہ ہے کہ سالک اپنے خیال میں لائے کہ حق تعالیٰ جسم وجسمانی نہیں، عرض وجوہر نہیں، مکانی وزمانی، حال ومحل، محدود ومتناہی نہیں ہے، بے جہت، بے کیف، بے نسبت اور بے مثل ہے۔

مراقبۂ لطیفۂ اخفیٰ مشربِ محمدی:

"لطیفۂ اخفیٰ خود را مقابلِ لطیفۂ اخفیٰ مبارک سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم داشتہ بزبانِ خیال عرض کند کہ: الٰہی! فیضِ تجلیات شان جامع کہ در لطیفۂ اخفیٰ حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم افاضہ فرمودۂ بحرمتِ پیرانِ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ در لطیفۂ اخفیٰ من القا فرما۔"

ترجمہ:... "اپنے لطیفۂ اخفیٰ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لطیفۂ اخفیٰ کے مقابل رکھ کر خیال کی زبان سے التجا کرے کہ: الٰہی! تجلیات شان جامع کا وہ فیض جو آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لطیفۂ اخفیٰ میں القا فرمایا ہے پیرانِ کبار کی برکت سے میرے لطیفۂ اخفیٰ میں القا فرما۔"

باید دانست کہ ہر مراقبہ لطیفہ را کہ مورد تجلیات ملحوظ داشتہ ہمیں لطیفہ را از

لطائف ہر یک از حضراتِ مشائخ کرام سلسلہ علیہم الرحمۃ تا حضرت سروَرِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم مثل آئینہ ہائے متقابلہ فرض کردہ بطریق تعاکس فیضِ مخصوص را در لطیفۂ مخصوصۂ خود منعکس انگارد بمقتضائے: "اَنَـا عِنْـدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ" ماموِل بحصول انجامد، وَمَا ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ بِعَزِیْزٍ!"

مشربِ محمدی تمام مراتب کا جامع ہے، اس میں سالک متخلق باخلاقِ الٰہی ہوجاتا ہے، اس ولایت کو ولایتِ حضرت سروَرِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم، اور سالک کو محمدی المشرب کہتے ہیں۔

فائدہ:... اس کے بعد مرشد سالک کو مراقبۂ معیت تلقین فرماتے ہیں۔

نیت مراقبۂ معیت:

"مضمون آیتِ کریمہ: "وَھُوَ مَعَکُمْ اَیْنَمَا کُنْتُمْ" را ملحوظ داشتہ از صمیمِ قلب داند کہ فیض می آید از ذاتیکہ بامن است و باہر ذرّہ از ذرّاتِ کائنات بہماں شان کہ مرادِ اوست تعالیٰ منشاء فیض دائرہ ولایتِ صغریٰ است کہ ولایت اولیائے عظام وظل و اسماءِ صفاتِ مقدسہ است مورد لطیفۂ قلبِ من۔"

جاننا چاہئے کہ نصِ قرآنی: "وَھُوَ مَعَکُمْ اَیْنَ مَا کُنْتُمْ" (الحدید:۴) جس معیت پر ناطق ہے، اس کی ناقص مثال رُوح ہے کہ ہر موئے جسم میں قائم ہے اور ساتھ ہے، مگر ظاہری آنکھ اس کے دیکھنے سے قاصر ہے، جب رُوح نظر نہیں آتی، تو معیتِ حق جل شانہ کا، جو کہ بے چون و بے چگون ہے، کیونکر ادراک ہوسکتا ہے؟ پس اس ایمان پر کہ اللہ تعالیٰ ذرّاتِ ممکنات میں سے ہر ذرّہ کے ساتھ ہے، ہر شش جہت موجود ہے اور اپنے تئیں اس تصوّر کو دائم کرے تاکہ توجہ وحضور سالک اس میں گم ہوجائے۔

فائدہ:... قلب کے دائرۂ ولایتِ صغریٰ پر پہنچنے کی علامت یہ ہے کہ مافوق سے جدا شدہ توجہ شش جہت کا احاطہ کرے گی، اور وہ بلا کیف معیت کو اپنا اور تمام جہان کا احاطہ کرنے والا پائے گا، اس وقت بعض حضرات کو اسرارِ توحید وجودی ظاہر ہوتے ہیں۔

توحیدِ وجودی اس کو کہتے ہیں کہ تمام ممکنات کے وجود کو حق سبحانہ وتعالیٰ کے وجود کی لہریں اور موجیں سمجھے اور ممکنات کا علیحدہ کوئی وجود نہ دیکھے، کما قیل:

ہم ہیں دریا سے، یہ دریا ہم سے
یہ سخن وہ جانے جو ہے آشنا
زساز و مطرب پُرسوز ایں رسید بگوش
کہ چوب و تار صدا آ تن تن ہمہ اوست

ترجمہ:... "پُرسوز مطرب کے ساز سے یہ بات کان میں پڑی کہ چوب اور تارِ صدا تمام اس کی سواریاں ہیں۔"

توحیدِ وجودی کی تشریح:

اس کی مختصر تشریح یہ ہے کہ حضرت شیخ محی الدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

حق تعالیٰ کے اسماء وصفات حق تعالیٰ کی عین ذات ہیں، نیز یہ کہ یہ ایک دُوسرے کے بھی عین ہیں، مثلاً: علم وقدرت جس طرح حق تعالیٰ کی ذات کے عین ہیں، اسی طرح ایک دُوسرے کے بھی عین ہیں، اس مقام میں تعدّد و تکثّر کا کوئی نام ونشان نہیں، نہ ہی کسی قسم کا تمایز وتباین ہے، حاصلِ کلام یہ ہوا کہ ان اسماء وصفات اور شیون واعتبارات نے علمِ الٰہی کی نسبت سے علم اجمالی اور تفصیلی کے طور پر تمایز وتباین پیدا کیا ہے، اگر تمیز اجمالی ہے، اس کو تعینِ اوّل کہتے ہیں، اگر تمیز تفصیلی ہے تو اس کو

تعینِ ثانی کہتے ہیں، تعینِ اوّل کو وحدت اور حقیقتِ محمدی کہتے ہیں، اور تعینِ ثانی کو واحدیت کہتے ہیں، اور اس کو تمام ممکنات کے حقائق سمجھتے ہیں اور ان حقائق ممکنات کو اعیانِ ثابتہ جانتے ہیں، یہ دونوں تعین و حدت و وحدانیت مرتبہ وجوب میں ثابت کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ ان اعیان نے وجودِ خارجی کی بو نہیں پائی اور خارج میں احدیتِ مجرّدہ کے سوا کچھ موجود نہیں، یہ کثرت جو دکھائی دیتی ہے، ان اعیانِ ثابتہ کا عکس ہے جو ظاہر وجود کے آئینے میں منعکس ہوا، جس کے سوا خارج میں کچھ موجود نہیں، اور اس انعکاس نے وجودِ تخیّلی پیدا کیا ہے، جس طرح کہ آئینے میں کسی شخص کی صورت منعکس ہوکر آئینے میں وجودِ تخیّلی پیدا کرلے، تو اس عکس کا وجود سوائے خیال کے کچھ نہیں ہوتا اور نہ ہی آئینے میں کسی شے نے حلول کیا ہے، اور نہ ہی اس آئینے پر کوئی چیز منقش ہوتی ہے، اگر کچھ منقش ہے تو وہ تخیل میں ہے، جو صرف آئینے میں وہمی طور پر ظاہر ہے، یہ متخیّل اور متوہم چونکہ صنعتِ خداوندی ہے، اس لئے اتنا استحکام و ثبات رکھتا ہے کہ وہم و تخیل کے اُٹھنے سے اُٹھ نہیں سکتا، اور ثواب و عذابِ ابدی اس پر مرتب ہے، چونکہ حق تعالیٰ کی ذات اور اس کے اسماء و صفات جو عینِ ذات ہیں ان کے نزدیک خارج کا علم ثابت نہیں ہوا، اور انہوں نے صورتِ عملیہ کو اس صورت کا عین سمجھا ہے، نہ کہ اس کی شبیہ و مثال، اور ایسے ہی اعیان کو (یعنی وجود) ثابتہ کی صورتِ منعکسہ جو ظاہر وجود کے آئینے میں نمودار ہوتی ہے، ان اعیانِ ثابتہ کا عین تصوّر کیا ہے، نہ کہ اس کی شبہ و مانند، اس لئے اتحاد کا حکم کیا ہے، اور ہمہ اوست فرمادیا ہے، پس حضرت شیخ محی الدین رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سب کے سب عالم سے مراد یہ اسماء و صفات ہیں جنہوں نے خانۂ علم میں تمیز پیدا کر کے ظاہر وجود کے آئینے میں نمود و نمائش حاصل کی ہے، اور اسماء و صفات عینِ ذات ہیں، پس خارج میں احدیتِ مجرّدہ کے سوا کچھ موجود نہیں، فافہم! جب یہ فنا تمام و کمال کو پہنچتی ہے اور

اپنے آپ کو تمام میں اور تمام کو اپنے میں مشاہدہ کرتا ہے اور عالم کو اپنے جمال کا آئینہ دیکھے گا:

چوں بنگرم در آئینہ عکسِ جمالِ خویش
گردد ہمہ جہاں بحقیقت مصوّرم!
خورشید آسماں ظہورم عجب مدار
ذرّات جہاں اگرچہ گشت مظہرم

ترجمہ:... ''جب دیکھتا ہوں میں آئینہ وعکس میں اپنا جمال، تو درحقیقت تمام جہان میرا مصوّر ہوجاتا ہے، میرے آسمانِ ظہور کے سورج، تعجب مت کر، ذرّاتِ جہاں اگرچہ ہوگئے میرے مظہر۔''

اس ولایتِ صغریٰ میں جو کہ توحیدِ وجودی کا دائرۂ امکان ہے کما مرّ، اور ذوق وشوق وغیرہ بھی ظاہر ہوتے ہیں، تو اسی میں حضور، جمعیت، واردات کشفِ کونی، کشفِ ارواح و عالمِ مال اور سیر عالمِ ملک وملکوت وغیرہ ظاہر ہوتے ہیں، اس کو سیرِ آفاقی کہتے ہیں، جس کی وجہ تسمیہ وتعریف گزرچکی ہے، اسی ولایتِ صغریٰ میں تجلیاتِ افعالیہ و ظلال اسماء وصفات کی سیر حاصل ہوتی ہیں۔

فائدہ:... جب سالک کمالات اپنے وجود میں دیکھتا ہے، تو اس کو ہی سیرِ انفسی کہتے ہیں اور اسی معنی میں کہا گیا ہے:

ہم چوں نابینا مبر ہر سوئے دست
با تو زیرِ گلیم است ہرچہ ہست

ترجمہ:... ''مثل نابینا کے ہر طرف ہاتھ مت مار، تیرے پاس کمبل کے نیچے ہے جو کچھ بھی ہے۔''

فائدہ:...جس کو سیرِ انفسی نصیب ہو، اُس کو اس سیر کے ضمن میں سیرِ آفاقی بھی حاصل ہوجاتی ہے، سیرِ انفسی میں اخلاقِ حمیدہ سے آراستہ ہوتا ہے، اور اس کو تحلیہ کہتے ہیں، اسی طرح سیرِ آفاقی میں اخلاقِ رذیلہ دفع ہوتے ہیں اور اس کو تخلیہ کہتے ہیں۔

مراقباتِ ولایتِ کبریٰ:

وآں مشتمل است بر سہ دائرہ و یک قوس (اور وہ تین دائروں اور ایک قوس پر مشتمل ہے)۔

فائدہ:... ہر شخص پر جنابِ الٰہی تعالیٰ سے تواتر اور تسلسل سے تازہ فیوضات وارد ہوتے رہتے ہیں، ان نعمتوں کے انواع کی تعداد احاطۂ بشری سے خارج ہے، وہ فیوض اور نعمتیں بواسطہ صفات وظلال مخلوق پر وارد ہوتی ہیں، اگر خالق ومخلوق کے درمیان یہ واسطے نہ ہوتے تو جہان جو معدومِ محض تھا، بقا اور وجود سے خالی ہوتا، کیونکہ اللہ تعالیٰ "غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ" ہے، ان واسطوں کو جوکہ سایہ و پرتو کی مانند ہیں حق تعالیٰ کے ظلال کہا کرتے ہیں، یہ ظلال شخص اور صفاتِ حق کے درمیان کثیر در کثیر ہیں، ہر ظل و سایہ ظل مافوق کا پرتاوَ ہے، تاکہ وہ صفات تک پہنچے ہیں، سالک پہلے اپنے ظل مافوق سے ترقی کرکے اس سے اُوپر والے ظل پر پہنچتا ہے، اسی طرح تمام ظلال کو طے کرکے اپنے مبدأ تعین صفت تک پہنچتا ہے، پھر کسی کو ایک صفت سے فیض پہنچتا ہے، کسی کو دو صفات سے، اور کسی کو چند صفات سے اور کسی کامل اکمل کو بواسطۂ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم تمام صفات سے۔

(کذا فی مکتوب خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ ص:۱۲۱)

اپنے مبدأ تعین صفت تک پہنچنے کو شیخ شرف الدین یحییٰ منیری قدس سرہٗ

نے نقل کیا ہے کہ: ''تا بہ مادرِ خود جفت نہ شوی مسلمان نشوی، یعنی تا باسمی کہ مبدأ تعین سالک است وصول نشود یعنی صحیح اسلام و انقیاد میسر نشود۔'' سالکِ اکمل کو تمام صفات میں بواسطہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سیر حاصل ہوجاتی ہے، مگر متبعِ سنت اس عالی شخص کو سیرِ نظری ہوتی ہے، اور حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے مراتب طے کرنے میں سیر قدمی کی ہے، پس یہ سالک حضرت رُوحی وجسمی فداہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مساوی نہیں ہوسکتا، فافہم!

حاصل یہ ہے کہ ولایتِ صغریٰ میں ظلال اسماء وصفات کا دائرہ طے ہوتا ہے اور ولایتِ کبریٰ میں ظلال سے بڑھ کر دائرۂ اسماء، صفات اور شیونات حق تعالیٰ میں سیر ہوتی ہے، اس میں تین دائرے اور ایک قوس ہوتا ہے۔ ولایتِ کبریٰ میں دائرۂ اُولیٰ کو اقربیت وتوحیدِ شہودی کہتے ہیں، اس میں اشیاء کے وجود کو وجودِ الٰہی تعالیٰ کا پرتو اور صفاتِ اشیاء کو صفاتِ حق سبحانہ کا پرتو دیکھے، نہ اس کا عین جس کی مختصر تفصیل یہ ہے:

حضرت مجدّد الفِ ثانی قدس سرہٗ ورحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ واجب الوجود جل شانہ کی صفاتِ ثمانیہ جو اہلِ حق شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کے نزدیک خارج میں موجود ہیں، حق تعالیٰ کی ذات سے خارج میں متمیّز ہیں، اور وہ تمیز بھی ذات وصفات کی طرح بے چون و بے چگون ہے، اسی طرح صفات بھی بلاکیف ایک دُوسرے سے متمیّز ہیں، جس کی کیفیت ذات کی طرح ہمارے احاطہ وادراک سے بالاتر ہے: ''لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ فی الذات ولا فی الصفات ولا فی الافعال''، باوجود بلاکیف تمیز کے اسماء و صفات نے خانۂ علم میں بھی تفصیل وتمیز پیدا کی ہے اور منعکس ہوئے ہیں، اور ہر صفت و اسم متمیّزہ کے لئے مرتبۂ علم میں ایک مقابل ونقیض ہے، مثلاً مرتبۂ علم میں صفتِ علم کا مقابل ونقیض عدمِ علم ہے جس کو جہل سے تعبیر کرتے ہیں، اور صفتِ قدرت کے مقابل عجز ہے، جس کو عدمِ قدرت کہتے ہیں، علیٰ ہذا القیاس ان عدماتِ

متقابلہ نے بھی حق تعالیٰ کے علم میں تفصیل و تمیز پیدا کی ہے اور اپنے متقابلہ اسماء و صفات کے آئینے اور اُن کے عکس کے مظاہر میں، پس وہ عدمات مع اسماء و صفات کے عکسوں کے حقائق ممکنات ہیں۔

خلاصہ یہ کہ وہ عدمات ان ماہیات کے اُصول و مواد کی طرح ہیں اور وہ عکوس ان مواد میں حلول کی ہوئی صورتوں کی طرح۔ پس شیخ محی الدین رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ممکنات کے حقائق وہ اسماء و صفات ہیں جو مرتبۂ علم میں ایک دُوسرے سے متمیّز ہیں اور مجدّد الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ممکنات کے حقائق وہ عدمات ہیں جو اسماء و صفات کی نقیضیں ہیں بمعہ اسماء و صفات کے عکسوں کے جو خانۂ علم میں ان عدمات کے آئینوں میں ظاہر ہوئی اور ایک دُوسرے سے باہم مل گئی ہے، مثلاً: ممکن کا علم واجب الوجود کے علم کا پرتو اور ظل ہے، جو اپنے مقابل یعنی جہل میں منعکس ہوا ہے، اور ممکن کی قدرت بھی ایک ظل ہے، جو اس عجز میں جو کہ اس کے مقابل ہے منعکس ہوئی ہے، اسی طرح ممکن کا وجود حضرتِ وجود کا ظل ہے، جو اس عدم کے آئینے میں جو کہ اس کے مقابل ہے منعکس ہوا ہے:

نیا وردم از خانہ چیزے نخست
تو داری ہمہ چیز و من چیزِ تست

ترجمہ:... ''میں گھر سے کوئی چیز پہلے نہیں لایا، تو تمام چیزیں رکھتا ہے، اور میں بھی تیری چیز ہوں۔''

اور مجدّد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک شے کا ظل شے کا عین نہیں، بلکہ اس کا شبہ و مثال ہے، اور ان دونوں کا ایک دُوسرے پر حمل کرنا محال ہے، پس ممکن عین واجب نہ ہوگا، نہ واجب پر حمل ہوسکے گا، کیونکہ ممکن کی حقیقت عدم ہے اور وہ عدم ان اسماء و صفات کا عکس ہے جو اس عدم میں منعکس ہوا ہے، وہ نہ ان اسماء و صفات

کی شبیہ و مثال ہے، نہ اُن کا عین، پس ہمہ اوست کہنا جائز نہیں، بلکہ ہمہ از وست کہنا دُرست ہوگا۔

ممکن باعتبار ذات کے عدم ہی ہے جو شرارت، خبث اور نقص کا مبدأ ہے، اور جو کمالات ازقسمِ وجود یا اس کے توابع میں سے ہیں، مثلاً: قدرت وغیرہ جو ممکن میں پائی جاتی ہیں، سب اس کو بارگاہِ جل شانہ سے حاصل ہیں، اور حق تعالیٰ کے کمالاتِ ذاتیہ کا پرتو ہیں، پس حق تعالیٰ ہی زمین و آسمان کا نور ہے، اور اس کے ماسوا ظلمت ہی ظلمت ہے۔ پس حضرت شیخ محی الدین قدس سرہٗ اور مجدّد الفِ ثانی قدس سرہٗ ہر دو عالم کو حق تعالیٰ کا ظل جانتے ہیں، اور ظل سے وجودِ اصلی کی نفی کرنے میں بھی ہر دو شریک ہیں، لیکن شیخ محی الدین رحمۃ اللہ علیہ وجودِ ظلّی کو وہم و تخیل ہی سمجھتے ہیں، اور خارج میں احدیتِ مجرّدہ کے سوا کچھ موجود نہیں جانتے، اور صفاتِ ثمانیہ جن کا وجود اہلِ سنت و جماعت کی آراء کے موافق خارج میں ثابت ہوا ہے، ان کو بھی علم کے سوا ثابت نہیں کرتے، اور مجدّد الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وجودِ ظلّی خارج میں ثابت ہے، اگر وحدتِ وجودی والے اس خارج کو اس خارج کا ظل سمجھتے تو عالم کے وجودِ خارجی کا انکار نہ کرتے، اور وہم و تخیل پر کفایت نہ فرماتے، اور واجب الوجود کی صفات کے وجودِ خارجی کا انکار نہ کرتے، اور اگر علمائے ظاہر بھی اس سرّ سے واقف ہوتے تو ہرگز ممکن کے لئے وجودِ اصلی ثابت نہ کرتے بلکہ وجودِ ظلّی پر کفایت کرتے۔

حاصل یہ کہ عالم وجودِ ظلّی کے ساتھ خارج میں موجود ہے، جس طرح کہ حق تعالیٰ وجودِ اصلی کے ساتھ بذاتِ خود خارج میں موجود ہے، اور عالم کی صفات میں بھی حق تعالیٰ کی صفات کے پرتو ہیں، پس ایک دُوسرے پر حمل نہیں کرسکتے، نہ ہی ایک دُوسرے کے عین ہیں، اگر کوئی آدمی، کسی شخص کے ظل کو اس شخص کا عین کہے تو یہ اس کا تسامح ہے، جو اس بحث سے خارج ہے، واللہ اعلم!

انبیاء علیہم السلام کی دعوت اس توحیدِ شہودی کی طرف ہے، نہ کہ توحیدِ وجودی کی جانب، ولایتِ کبریٰ کا نصفِ سافل دائرۂ اُولیٰ اسماء وصفات زائدہ کو متضمن ہے، اور اس دائرہ کا نصفِ عالی شیونات ِ ذاتیہ پر مشتمل ہے، اس دائرہ تک لطائفِ خمسہ عالم امر کا عروج ہوتا ہے، اس میں موردِ تمام لطائف کے اشتراک کے ساتھ لطیفۂ نفس ہے۔ جب اس دائرۂ اقربیت سے عروج ہوتا ہے تو دائرۂ اسماء وصفات میں سیر ہوتی ہے، پھر اصل اصل میں کہ دائرۂ ثالث ہے، پھر اصل اصل باصل ثالث میں کہ قوس ہے سیر عروجی ہوتی ہے، اس میں کمال اضمحلال و استہلاک حاصل ہوتا ہے، اس میں ذوق وشوق سے معاملہ برتر ہوجاتا ہے، صاحبِ علم حصولی قطع منازل میں کمالِ ذوق و شوق سے تھا، اور صاحبِ کشف و استغراق تھا، اور اس کی صحبت جذب بخش اور عشق انگیز تھی، جب اس کا معاملہ ورائے آفاق و انفس ہوجاتا ہے، اور ظلال سے باصل پیوست ہوگیا تو شوق و ذوق وغیرہ کی قید سے چھوٹ کر اس کا معاملہ ظہورات سے برتر ہوجاتا ہے، اس لئے ظہور بلا شائبہ ظلّیت نہیں ہوتا، اور ظل کی انتہا نفس کی انتہا پر ہے، جب نفس فانی ہے تو ظل وظہور کب باقی ہوگا؟ پس اس وقت عارف اپنے حضورِ ذاتی سے جدا ہوکر، اس لئے کہ اس کا حضور واجب جل سلطانہ کے حضور کا پرتو ہے، حضورِ او تعالیٰ میں لاحق ہوگیا، اور عارف وحضورِ عارف سے کوئی اثر نہ رہا اور عدم یافتِ نسبت علمِ حضوری سے متصف ہوگیا، پس زوال علم حصولی اشیاء فنا قلبی ہے اور زوالِ علمِ حضوری فنائے نفس ہے۔ (کذا فی مکتوبات خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ ص:۱۵۸)

فائدہ:... جہاں تک سالک کا معاملہ انفس میں ہے، اس وقت تک شوق، ذوق، استغراق وغیرہ ہوں گے، اور ایسے سالک کی صحبت جذب بخش، عشق آمیز، گریہ آور اور وجد انگیز ہوگی، جب سالک کا معاملہ آفاقِ انفس سے بالاتر ہوکر اصل سے پیوست ہوجائے، تو قید شہود و استغراق در مشہود وغیرہ چیزوں سے برتر ہوجائے گا، اس

کی صحبت بعینہٖ صحبتِ اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کی سی ہوگی، کبھی آپ نے سنا کہ ان بزرگواروں کی صحبت میں کسی کو وجد ہوا؟ یا کسی نے نعرۂ شوق بلند کیا ہو؟ یا کبھی تجلی و شہود میں سخن کیا؟ ایسے کمال والوں کا آرام طاعت ذوالانعام جل علا میں ہے، اور ان کی فرحت بندگی میں، ان کا دوام نیاز اور راحت ان کی نماز میں ہے: ''اَرِحْنِیْ یَا بِلَالُ وَقُرَّۃُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوۃِ'' کی حدیث ان کے معاملے کی شاہد ہے اور دریافتِ نسبت کے باوجود حیرت و نادانستی میں ہیں۔

فائدہ:... ہر چند کہ عارف کا معاملہ دراصل اصل الاصل میں بڑھے گا اور اپنے مربی کے اسم کے انداز سے ہوگا، یعنی تمام اسماء و صفات کے اعتبار سے تفصیلاً حصہ دار نہ ہوگا، اِلَّا اَنْ یَّشَآءَ اللّٰہُ تَعَالٰی! کہ کسی کو اللہ تعالیٰ، سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی برکت سے سب سے ہی فیض یاب فرمائے، وَذٰلِکَ قَلِیْلٌ!

فائدہ:... اس ولایتِ کبریٰ میں شرحِ صدر ہوتا ہے، اور نفسِ مطمئنہ اور مقامِ رضا پر ارتقا ہوتا ہے، اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا بِفَضْلِکَ اٰمِیْنَ! اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر یقین بڑھتا ہے، جملہ تکلیفاتِ شرعیہ میں نظر بدیہی بن جاتی ہے، سالک کی ہستی کا نام و نشان نہیں رہتا، لفظ ''اَنَا'' کا اطلاق اپنے اُوپر متعذر سمجھتا ہے، اس مقام پر تہلیلِ لسانی یعنی ''لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ'' بایں معنی ہوتا ہے کہ تیری ذات کے سوا میرا کوئی محبوب اور محبّ نہیں۔

فائدہ:... ولایتِ صغریٰ کے تمام ہونے کی علامت یہ ہے کہ فیضِ باطنی کا جو معاملہ اصل سے متعلق تھا، وہ سینے سے متعلق ہوجائے، اس وقت شرحِ صدر ہوتا ہے۔

فائدہ:... دائروں کے مراقبات اس طرح کرے کہ اپنے آپ کو دائرہ میں داخل خیال کرکے یہ تصوّر کرے کہ فیضِ محبت دائرۂ اصل اسماء و صفات سے میرے لطیفۂ اَنَا یعنی نفس پر وارد ہو رہا ہے، اسی طرح دائرۂ اصل، اصل جو دائرۂ ثالثہ ہے،

کے بارے میں خیال کرے کہ فیضِ محبت میرے اَنَا پر وارد ہو رہا ہے، اسی طرح قوس سے متعلق جو کہ اصل ثالث ہے، یہی خیال کرے، واللہ اعلم وعلمہ اتمّ!

فائدہ:... معلوم ہونا چاہئے کہ اسماء و صفات کے ظلال انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور ملائکہ عظام علیہم السلام کے سوا تمام مخلوق کی تعینات کے مبادی ہیں، اور اسماء و صفاتِ کے ظلال کی سیر کو ولایتِ صغریٰ کہتے ہیں اور مبادی تعینات انبیاء علیہم السلام اسماء و صفات وشیونات اللہ تعالیٰ ہیں، اس مرتبہ کی سیر کا نام ولایتِ کبریٰ ہے، ان ہر دو ولایت میں سیر اسم اَلظَّاھِرُ میں تھی، ان میں تجلیاتِ صفاتی بلامشاہدہ ذات وارد ہوتے ہیں، اور سیر اسم اَلْبَاطِنُ میں اگرچہ تجلیات اسماء وصفات وارد ہوتے ہیں، مگر ذات بھی مشہودِ سالک ہوجاتی ہے، فافہم یا فہیم!

نیتِ دائرۂ اُولیٰ:

''مضمونِ آیتِ کریمہ: ''وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ'' (ق:۱۶) راملحوظ داشتہ از رُوئے باطن داند کہ فیض می آید از ذاتیکہ نزدیک تر است بمن از رگِ جانِ من بہماں شان کہ مراد حق است سبحانہ، موردِ فیض لطیفۂ نفس ولطائف خمسہ عالم امر من است منشاء فیض دائرہ اُولیٰ ولایتِ کبریٰ است کہ ولایت انبیاء علیہم السلام واصل دائرۂ ولایتِ صغریٰ است۔''

ترجمہ:... ''سالک اس مراقبہ میں آیت: ''اور ہم بندہ کی رگِ جان (شہ رگ) سے بھی زیادہ قریب ہیں'' کے مضمون کو دِل میں ملحوظ رکھ کر خیال کرے کہ اس ذات سے جو میری رگِ جان سے بھی زیادہ میرے قریب ہے، اور اس قرب کی حقیقت

حق تعالیٰ ہی جانتا ہے، میرے لطیفہ نفس اور عالم امر کے پانچوں لطائف پر فیض آرہا ہے، فیض کا منشا و مبدا ولایتِ کبریٰ کا دائرہ ہے جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ولایت اور ولایتِ صغریٰ کے دائرہ کی اصل ہے۔''

دائرۂ ثانیہ:

''مضمون آیت: ''یُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ'' (المائدہ:۵۴) را ملحوظ داشتہ در خاطر بگذارند کہ فیض می آید از ذاتیکہ مرا دوست می دارد و من اورا دوست می دارم، منشاء فیض دائرۂ ثانیہ ولایتِ کبریٰ است کہ ولایتِ انبیاء علیہم السلام واصل دائرۂ اُولیٰ است موردِ فیض لطیفۂ من است۔''

ترجمہ:...''سالک اس مراقبہ میں آیت کریمہ: ''اللہ تعالیٰ ان کو دوست رکھتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کو دوست رکھتے ہیں'' کے مضمون کو دِل میں ملحوظ رکھ کر خیال کرے کہ اس ذات سے جو مجھے دوست رکھتی ہے اور میں اسے دوست رکھتا ہوں، میرے لطیفہ نفس پر فیض آرہا ہے، فیض کا منشا و مبدا ولایتِ کبریٰ کا دائرہ ثانیہ ہے جو انبیائے عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور دائرۂ اُولیٰ کی اصل ہے۔''

دائرۂ ثالثہ:

''مضمون آیتِ کریمہ: ''يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ'' (المائدہ:۵۴) را ملحوظ داشتہ در دل گزارد کہ فیض می آید از ذاتیکہ

مرا دوست می دارد ومن اورا دوست می دارم منشاءِ فیض دائرۂ ثالثہ ولایتِ کبریٰ است کہ اصل دائرۂ ثالثہ است موردِ فیض لطیفۂ نفسِ من۔''

مراقبۂ اسم ''اَلظَّاھِرُ'':

''فیض می آید از ذاتیکہ مسمّٰی است باسم اَلظَّاھِرُ موردِ فیض لطیفۂ نفس و لطائفِ خمسہ عالم امرمن۔''

ترجمہ:...''اس ذات سے جو اسم الظاہر کا مسمّٰی ہے، میرے لطیفہ نفس اور عالم امر کے پانچوں لطیفوں پر فیض آرہا ہے، (یہ نیت کر کے بدستور فیض اخذ کرے)۔''

مراقبۂ اسمِ ظاہر میں فیض لطائفِ ستہ پر ہوتا ہے، اور لطیفۂ نفس پر زائد ہوتا ہے، اوراس مقام پر سفید مائل بہ سبزی انوار معلوم ہوتے ہیں، اور ایک قسم کی خنکی، آرام، شراب جیسا خمار، استغراقِ کامل اور اسرار مظاہر ظاہر ہوتے ہیں۔

مراقبۂ اسم ''اَلْبَاطِنُ'':

''فیض می آید از ذاتیکہ مسمّٰی است باسم اَلْبَاطِنُ منبعِ فیض دائرۂ ولایتِ علیا است کہ ولایتِ ملائکہ اعلیٰ است موردِ فیض عناصرِ ثلاثہ من سوائے عنصرِ خاک۔''

ترجمہ:...''اس ذات سے جو اسم الباطن کا مسمّٰی ہے، میرے عناصرِ ثلاثہ (علاوہ عنصرِ خاک) یعنی آگ، پانی اور ہوا پر فیض آرہا ہے، فیض کا منشا دائرۂ ولایتِ اولیاء ہے، جو ملائکہ عظام

کی ولایت ہے، (یہ نیت کر کے عناصرِ ثلاثہ پر فیض حاصل کرنے
کا خیال کرے)۔"

اسمِ باطن میں سوائے عنصرِ خاک کے عناصرِ ثلاثہ پر فیض وارد ہوتا ہے، اس میں فیض بے کیف وارد ہوتا ہے، کمال بے رنگی میں ہوتے ہیں، لیکن گاہے کسی پر اس دائرہ کے خطوط ظاہر ہوکر پھر روپوش ہوجاتے ہیں، یہ ولایتِ علیا مانند مغز اور کبریٰ مانند پوست کے معلوم ہوتی ہے، اس میں اضمحلال و فنا میں کمال ترقی ہوتی ہے، اس ولایت کے اسرار قابلِ اظہار نہیں ہوتے:

مصلحت نیست کہ از پردہ بروں اُفتد راز
ورنہ در محفلِ رنداں خبرے نیست کہ نیست

اس لئے کہ الفاظ ان اسرار کے متحمل نہیں ہوسکتے، اس ولایت میں تمام بدن میں وسعت پیدا ہوتی ہے، احوالِ لطیف تمام قالب پر وارد ہوتے ہیں، اس جگہ تکرارِ کلمہ طیبہ، کثرتِ دُرود شریف اور نمازِ نفل بطولِ قراءت فائدہ بخش ہے۔

وجہ تسمیہ: اس ولایت کو ولایتِ علیا اس لئے کہا جاتا ہے کہ مبادی تعینات ملائکہ عظام، اسم "اَلْبَاطِنُ" ہے، اور ملائکہ بھی باطن و مستتر ہیں۔ اور چونکہ اس ولایت کے اسرار بھی لائقِ استتار اور عالی ہیں، اسی لئے اس اسم کو علیا اور ولایتِ ملائکہ کہتے ہیں، اس جگہ تک ہر سہ ولایتِ صغریٰ و کبریٰ ختم ہوئیں۔

مراقبۂ کمالاتِ نبوّت:

"فیض می آید از ذاتِ بحت کہ منشاء کمالاتِ نبوّت
است موردِ فیض لطیفۂ عنصرِ خاک من است۔"

ترجمہ:... "اس ذاتِ محض سے جو منشا کمالاتِ نبوّت

ہے، میرے لطیفہ عنصرِ خاک پر فیض آ رہا ہے، (یہ نیت کر کے تجلیٔ
ذاتی دائمی کا فیض بے پردہ اسماء وصفات حاصل کرے)۔''

مراقبۂ کمالاتِ نبوّت: کمالاتِ نبوّت میں تجلیٔ ذاتی دائمی ہوتی ہے، اس تجلی کا معاملہ بیان سے باہر ہے، کیونکہ یہ ذوقی و وجدانی ہے، نہ کہ بیانی، بس اس قدر ہے کہ جب فضل سے تجلیٔ ذاتی ہوگی، اس کو استتار (پوشیدگی) نہیں ہوتا، اور اس کو تجلیٔ برقی کہتے ہیں، نہ کہ تجلیٔ ذاتی، بلکہ تجلیٔ شانی، اس لئے کہ شیوناتِ الٰہیہ سے ہے، اس مقام کے معارف تمام عرفان سے جدا ہیں، اس میں بے رنگی و بے کیفی نقدِ وقت ہوتی ہے، ایمانیات و اعتقادیات میں قوّت ہوجاتی ہے، استدلالات بدیہی ہوجاتے ہیں، تمام ولایات: صغریٰ، کبریٰ اور علیا اس کی نسبت لاشے محض ہوتے ہیں، لطائفِ امر، طائفِ عالمِ خلق، نفس اور عناصرِ ثلاثہ یعنی: آتش، باد اور آب کو اس جگہ دخل نہیں، اس میں معاملہ عنصرِ خاک سے متعلق ہوتا ہے، دیگر عناصر عنصرِ خاک کے تابع ہوکر فیض یاب ہوتے ہیں، اس میں اَحکامِ شرعیہ اور معاملاتِ قبر وحشر وغیرہ، جن کی مخبرِ صادق صلی اللہ علیہ وسلم خبر دے گئے ہیں، بدیہی و عین الیقین ہوجاتے ہیں، اس میں تلاوتِ قرآن مجید، ادائے صلوٰۃ بآداب اور وہ اذکار جو احادیث میں ہیں، ترقی بخش ہوجاتے ہیں۔

مراقبۂ کمالاتِ رسالت:

''فیض می آید از ذاتِ بحت کہ منشاءِ کمالاتِ رسالت
است مورِدِ فیض ہیئت وحدانی من است۔''

ترجمہ:... ''اس ذاتِ بحت سے جو کمالات خاص
رسالت کا منشا ہے، میری ہیئت وحدانی (مجموعہ لطائف عالم امر و
خلق) پر فیض آ رہا ہے، (یہ نیت کر کے تجلیٔ ذاتی دائمی کا فیض

حاصل کریں)۔''

مراقباتِ کمالاتِ رسالتِ اولوالعزم: جاننا چاہئے کہ تجلیٔ ذاتی دائمی کے تین مرتبے ہیں: مرتبۂ اُولیٰ کمالاتِ نبوّت کو، مرتبۂ ثانیہ کمالاتِ رسالت کو اور مرتبۂ ثالثہ کمالاتِ اولوالعزم کو قرار دیتے ہیں۔ اس مقام میں فیض ہیئتِ وحدانی پر آتا ہے، ہیئتِ وحدانی عالمِ خلق و عالمِ امر کے اس مجموعہ کو کہتے ہیں، جو تصفیہ و تزکیہ کے بعد اس میں پیدا ہوگئی ہے۔ مثلاً: ہر دو کی شکل و حالت علیحدہ ہوگئی ہے، اسی طرح لطائفِ عشرہ میں مقاماتِ سابقہ کے طے کرنے سے ایک ہیئت پیدا ہوگئی ہے، وہی موردِ فیض ہے، اس مقام میں اور فوقانی مقامات میں اس کو عروجاتِ کثیرہ ہوں گے، اس مقام کو سابقہ مقامات سے وہی نسبت حاصل ہے جو مغز کو پوست سے ہے۔

اسی طرح پر فوقانی مقام کو تحتانی مقام سے نسبت ہوتی جائے گی، اس مقام میں بعض کو کشفِ اسرار، مقطعاتِ قرآنی اور متشابہاتِ فرقانی حسبِ استعداد منکشف ہوں گے، مگر وہ بیانِ تحریر و تقریر سے بالاتر ہوتے ہیں، اس میں تہلیل لسانی لفظ ''محمد رسول اللہ'' کے ساتھ اور اس کے بعد دُرود شریف کا پڑھنا ترقی بخش ہے۔

فائدہ:... کمالاتِ اولوالعزم کے بعد مرشدینِ سلوک دو طرف کمال کراتے ہیں، یا تو حقائقِ الٰہیہ کی طرف جو کہ حقیقت قرآن، کعبہ اور صلوٰۃ ہیں، یا حقائقِ انبیاء علیہم السلام کی طرف، یعنی حقیقتِ ابراہیمی، موسوی، محمدی اور حقیقتِ احمدی، علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام دائماً ابداً، کی طرف دستگیری کرتے ہیں، اس جگہ حقائقِ الٰہیہ کا بیان اوّلاً معروضِ خدمت ہوتا ہے۔

مراقبۂ کمالاتِ اولوالعزم:

''فیض می آید از ذاتِ بحت کہ منشاءِ کمالات اولوالعزم

است موردِ فیض ہیئتِ وحدانی من است۔''

ترجمہ:...''اس ذاتِ بحت سے جو کمالاتِ اُولوالعزم کا منشا ہے، میری ہیئتِ وحدانی پر فیض آرہا ہے، (اس نیت سے بطریقِ مذکور تجلیٔ ذاتی دائمی کا فیض اخذ کرے)۔''

مراقبۂ حقیقتِ کعبہ ربانی:

''فیض می آید از ذاتِ بحت کہ مسجود الیہ جملہ ممکنات است و منشاء فیض حقیقت کعبۂ ربانی است موردِ فیض ہیئتِ وحدانی من است۔''

ترجمہ:...''اس ذات واجب الوجود سے جس کو تمام ممکنات سجدہ کرتی ہیں، اور حقیقت کعبۂ ربانی کا منشا ہے، میری ہیئتِ وحدانی پر فیض آرہا ہے، (یہ نیت کر کے اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی اور تمام ممکنات کا مسجود نہ ہونے کا مراقبہ کرے)۔''

حقیقتِ کعبہ میں حق تعالیٰ سبحانہ کی عظمت و کبریائی کے ظہور کا مشاہدہ ہوتا ہے، اور سالک کی ہستی اور اس کی وسعتِ باطن بیش از بیش ہوجاتی ہے، اس مقام میں عظمت و کبریائی اس حد سے ظاہر ہوتی ہے کہ اپنے آپ کو اور جمیع کائنات کو اس کے مقابلے میں گم پاتا ہے، اور اس مرتبے میں بے رنگ کمالات ظاہر ہوتے ہیں۔

مراقبۂ حقیقتِ قرآن مجید:

''فیض می آید از مبدأ وسعتِ بیچون حضرتِ ذات است کہ منشاءِ فیضِ حقیقت قرآنِ مجید است مورد فیضِ ہیئتِ

وحدانی من است۔''

ترجمہ:...''اس کمال وسعت والی بے مثل و بے چوں ذات سے جو منشا حقیقتِ قرآن مجید ہے میری ہیئتِ وحدانی پر فیض آرہا ہے۔''

مراقبۂ حقیقتِ قرآن مجید، میں حقیقتِ کعبہ سے وسعت زائد ہوجاتی ہے، اس میں حضرت ذات کی وسعت شروع ہوجاتی ہے، یعنی وہ اَحوال شروع ہوجاتے ہیں جو وسعت کے مشابہ ہیں، ورنہ اس پر لفظ وسعت کا اطلاق بھی میدانِ عبارت کی تنگی سے ہے، یعنی اس مفہوم کی ادائیگی سے قاصر ہے، اس میں حسبِ استعداد سالک کلام اللہ کے باطن کا انکشاف اور ظہور ہوتا ہے، اور حروفِ الٰہی میں سے ہر حرف کو دریا کی مانند پاتا ہے، اور ہر حرف میں وہ شان پاتا ہے جو دِلہائے عشاق کو شکار کرتا ہے، اور بے انتہا اسرارِ آیات ظاہر ہوتے ہیں:

نہ حسنش غایتے دارد نہ سعدیؔ راسخن پایاں
بماند تشنہ مستسقی و دریا ہم چناں باقی

ترجمہ:...''نہ اس کا حسن انتہا رکھتا ہے، اور نہ سعدی کی بات کو انتہا، مرض جلندر والا پیاسا رہتا ہے، اور دریا اسی طرح باقی ہے۔''

اس حقیقت میں حقیقتِ کعبہ نظر آتی ہے۔

مراقبۂ حقیقتِ صلوٰۃ:

''فیض می آید از کمال وسعتِ بے پایاں چون حضرت ذات کہ منشاء فیض حقیقت قرآن مجید است مورد فیض ہیئت

وحدانی من است۔"

ترجمہ:..."اس کمال وسعت والی بے مثل و بے چوں ذات سے جو حقیقتِ صلوٰۃ کا منشا ہے، میری ہیئتِ وحدانی پر فیض آرہا ہے۔"

حقیقتِ صلوٰۃ کے مقام کی بلندی اور اس میں کیفیات و ارادہ کو کس طرح عرض کیا جائے؟ کہ زبان وقلم ہر دو عاجز ہیں، اس میں حق تعالیٰ کی رُوَیتِ اُخروی کی شبیہ، "اَلصَّلٰوۃُ مِعرَاجُ الْمُؤْمِنِیْنَ"، "اَلسَّاجِدُ یَسْجُدُ عَلٰی قَدَمِی اللّٰہِ" اور ارشادِ الٰہی: "وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ" کے معاملات منکشف ہوتے ہیں:

سر در قدمش بردن ہر بار چہ خوش باشد
رازِ دلِ خود گفتن با یار چہ خوش باشد

ترجمہ:..."سر اس کے قدموں میں لے جانا، ہر بار کتنا اچھا لگتا ہے، اپنے دِل کا راز یار کو دینا، کتنا اچھا لگتا ہے۔"

اس میں دُرودِ ابراہیمی، ادائے نماز بہ سنن و آداب برائے تحصیل حضور و جمعیت صلوٰۃ وظہور نسبتِ فوقانی اور ادائے حروف بہ ترتیل اثرِ عظیم رکھتا ہے۔

(اس جگہ تک سیر قدمی ختم ہوئی)

مراقبۂ معبودیت صرفہ:

"فیض می آید از ذاتیکہ منشاءِ معبودیت صرف است موردِ فیض ہیئت وحدانی من۔"

ترجمہ:..."اس ذاتِ محض سے جو معبودیت صرفہ کا منشا ہے، میری ہیئتِ وحدانی پر فیض آرہا ہے، (اس کو لاتعین بھی کہتے ہیں)۔"

مراقبۂ معبودیتِ صرف میں عنایتِ الٰہی تعالیٰ سے سیر نظری سے مرحمت ہوتی ہے:

''بلا بودے اگر ایں ہم نبودے''

اس مقام میں نظری سیر ترقی بخش ہوتی ہے:

تماشا کناں کوتہ دست

تو درختِ بلند و بالائی

ترجمہ:...''پست ہاتھ والے تماشا کرنے والے ہیں، تو بلند و بالا درخت ہے۔''

اس مراقبہ میں کلمۂ طیبہ ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' یعنی ''لَا مَعْبُوْدَ اِلَّا اللّٰهُ'' جلوہ گر ہوتا ہے، اس میں سالک شرکتِ غیر کی حقیقت سے بالکل مبرا ہوجاتا ہے، اور ''اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ'' جلوہ گر ہوتا ہے۔

مراقبۂ حقیقتِ ابراہیمی:

''فیض می آید از ذاتیکہ منشاء حقیقتِ ابراہیمی است مورد فیض ہیئت وحدانی من۔''

ترجمہ:...''اس ذات سے جو حقیقت ابراہیمی کا منشا ہے، میری ہیئتِ وحدانی پر فیض آرہا ہے۔''

اب حقائق انبیاء علیہم السلام سے متعلق عرضِ خدمت ہے، جاننا چاہئے کہ جیسے حقائقِ الٰہیہ میں ترقی فضلِ الٰہی پر موقوف ہے، اسی طرح حقائقِ انبیاء علیہم السلام میں ترقی محبت پر موقوف ہے۔ اس مقام یعنی حقیقتِ ابراہیمی میں اُنسِ خاص وخلوتِ خاص حضرت ذات تعالیٰ و تقدس سے ظاہر ہوتی ہے، اس مقامِ عالی میں وہ عظمت و

کیفیت ظاہر ہوتی ہے جو دُوسرے مقاماتِ عالیہ میں ظاہر نہیں ہوئی، اس مقام میں محبوبیتِ صفاتی جلوہ گر ہوتی ہے، جبکہ حقیقتِ محمدیؐ و احمدی میں محبوبیتِ ذاتی جلوہ گر ہوتی ہے، مطلب یہ ہے کہ جیسے ذاتِ عالی متعال اپنے آپ کو دوست رکھتی ہے، ایسے ہی اپنی صفات کو بھی دوست رکھتی ہے۔ قسمِ ثانی کو خُلّت سے تعبیر کرتے ہیں، اور محبتِ صفاتی محبوبیت کے اسباب و اعراض، خط و خال، قد اور قامت کی مانند ہے، اس مقام میں اتنی بے رنگی نہیں ہوتی جیسے محبوبیتِ ذاتی میں ہوتی، اس مقام میں حضرت ذات تعالیٰ سے اتنا اُنس پیدا ہوتا ہے کہ کسی طرف متوجہ نہیں ہوسکتا، اگر چہ وہ اسماء و صفات، ملائکہ اور ارواحِ مشائخ وغیرہ ہی کیوں نہ ہوں، اس مقام میں دُرودِ ابراہیمی ترقی بخش ہوتا ہے۔

مراقبۂ حقیقتِ موسوی:

""فیض می آید از ذاتیکہ منشاءِ حقیقتِ موسوی است
مورد فیض ہیئتِ وحدانی من۔""

ترجمہ:... ""اس ذات سے جو خود اپنا محبّ اور حقیقتِ
موسوی کا منشا ہے، میری ہیئتِ وحدانی پر فیض آرہا ہے۔""

مراقبۂ حقیقتِ موسوی سے مراد محبوبیتِ ذاتی ہے، مگر وہ محبت نہیں جو حقیقتِ احمدی میں قرار دی گئی ہے، وہ چیزے دیگر ہے، جیسا کہ مجدّد الفِ ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تحقیق فرمائی ہے۔ اس مقام میں دُرودِشریف: ""اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَعَلٰی جَمِیْعِ الْاَنْبِیَآءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ خُصُوْصًا عَلٰی کَلِیْمِکَ مُوْسٰی"" ترقی بخش ہوتا ہے۔

فائدہ:... بعض مرشد اس سے آگے حقیقتِ عیسوی بھی تلقین کرتے ہیں، اور

اس میں بہ نسبت حقیقتِ موسوی کے تنزیہ کا پرتو زیادہ پڑتا ہے۔

مراقبہ حقیقتِ محمدیﷺ:

''فیض می آید از ذاتیکہ منشاءِ حقیقتِ محمدی است موردِ فیض ہیئتِ وحدانی من۔''

ترجمہ:...''اس ذات سے جو خود اپنا ہی محبّ اور اپنا ہی محبوب ہے، اور حقیقتِ محمدی کا منشاء ہے، میری ہیئتِ وحدانی پر فیض آرہا ہے۔''

حقیقتِ محمدیؐ میں ''مراقبہ ذاتیکہ محبّ خود محبوبِ خود است'' کیا جاتا ہے، اس جگہ محبتِ ممتزجہ یا محبوبیت ظاہر ہوجاتی ہے، اور سرورِ دین صلی اللہ علیہ وسلم سے اتحادِ خاص ظاہر ہوتا ہے، اور تمام کلی و جزئی اُمور میں حبیبِ خدا تعالیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہت و مناسبت اچھی اور محبوب لگتی ہے۔ اس مقام میں دُرود شریف: "اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ اَفْضَلَ صَلٰوتِکَ عَدَدَ مَعْلُوْمَاتِکَ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ عَلَیْہِ" ترقی بخش ہوتا ہے۔

مراقبہ حقیقتِ احمدیﷺ:

''فیض می آید از ذاتیکہ منشاء حقیقتِ احمدی است موردِ فیض ہیئتِ وحدانی من۔''

ترجمہ:...''اس ذات سے جو اپنا ہی محبوب ہے اور حقیقتِ احمدی کا منشاء ہے، میری ہیئتِ وحدانی پر فیض آرہا ہے۔''

حقیقتِ احمدیؐ میں محبوبیت ذاتی بکمال ہوتی ہے کہ محبوب کی صفاتِ جمیلہ سے قطع نظر کرتے ہوئے محض اس کی ذات کو دوست رکھتا ہے، اس میں محض تعشقِ (عشقِ) ذات ہوتا ہے:

شاہد آں نیست کہ موئ و میانے دارد
بندۂ طلعت آں باش کہ آنے دارد

اس مقام میں دُرود شریف سابق ترقی بخش ہوتا ہے۔

مراقبۂ حب صَرف:

''فیض می آید از ذاتیکہ منشاءِ حب صرف است موردِ فیضِ وحدانی من۔''

ترجمہ:...''اس ذات سے جو حبِ صرف کا منشاء ہے میری ہیئتِ وحدانی پر فیض آرہا ہے (اس جگہ حبِ صرف ذاتی کے لحاظ سے مراقبہ کریں)۔''

مراقبۂ حُب صَرف میں کمالِ علو اور باطن میں بے رنگی نسبت ظاہر ہوتی ہے، یہ مرتبہ بحضرت اطلاق لاتعیّن قریب تر ہے، یہ مقام مخصوصہ پیغمبر ما است صلی اللہ علیہ وسلم، تعیّنِ اوّل کہ حضرت لاتعیّن کو حاصل ہوا ہے تعیّن حب ہے، اس تعیّنِ اوّل کو حقیقتِ محمدی قرار دیتے ہیں، اس کے بعد لاتعیّن وحضرت اطلاق ہے۔

مراقبۂ دائرۂ لاتعیّن:

''فیض می آید از ذات بحت کہ منشاء دائرہ لاتعیّن است موردِ فیض ہیئت وحدانی من۔''

ترجمہ:... ''اس ذاتِ بحت سے جو دائرۂ لاتعین کے
فیض کا منشاء ہے، میری ہیئتِ وحدانی پر فیض آرہا ہے۔''

کہتے ہیں کہ اس مقامِ لاتعیّن کا فیض حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے، اس کے حالات تقریر وتحریر سے باہر ہیں۔

فائدہ:... بعض مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ ولایتِ کبریٰ کے محاذ میں دائرۂ سیف قاطع کراتے ہیں، اس میں ایسا ہوتا ہے کہ گویا شمشیر قاطع ہستیٔ سالک کو نیست و نابود کر رہی ہے۔

اسی طرح بعض بزرگانِ عالیؒ دائرۂ قیومیت، جو کہ دائرۂ کمالات اولوالعزم سے پیدا ہوتا ہے، کراتے ہیں، اس مقام میں حقیقتِ اشیاء کا جمالِ قیومیت مشہود بحق سبحانہ ہوتا ہے، اور کائنات کے تمام ذرّات میں بجز حقِ حقیقی کے کوئی چیز نہیں رہتی۔ اور بعض مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ حقیقتِ قرآن کے محاذی حقیقتِ صوم کراتے ہیں، اس میں شان: ''اَلصَّوْمُ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِہٖ'' ظاہر ہوتا ہے۔

تمام شد سلوکِ نقشبندیہ رحمہم اللہ تعالیٰ
(تمت تمام از مقاماتِ احمدیہ منقول است)

الحمد للہ تعالٰی حمدًا کثیرًا مبارکًا فیه ومبارکًا علیه
کما یحب ویرضٰی
وصلی اللہ تعالٰی علٰی خیر خلقه محمد واٰلهٖ وازواجهٖ
واتباعه اجمعین وبارک وسلم کما ھو اھله دائمًا ابدًا
لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم
سبحانک اللّٰھم وبحمدک اشھد ان لا اله الا انت
استغفرک واتوب الیک

فصل:

توجہ معمولہ حضراتِ نقشبندیہؒ:

توجہ کے سوا بھی اگرچہ فائدہ ممکن ہے، مگر بلاتوجہ فائدے کا واقع ہونا انتہائی نادرات سے ہے۔

تعریفِ توجہ:

قلب کو کسی طرف اس طرح مجتمع اور یکسو کرنا کہ دُوسری چیز کا خطرہ بھی نہ آئے، اس کا نام ہمت ہے، اور اس ہمت سے بڑے بڑے کام بنتے ہیں، آج کل اس کا نام توجہ ہے۔

طریقِ توجہ:

کمالِ رغبت، محبت، نیاز اور دُعا سے اپنے نفسِ ناطقہ کو طالب کے نفسِ ناطقہ سے ملا کر جس حالت کا القا کرنا چاہتا ہے، اس حالت میں یک سو و یک خیال ہوکر کچھ دیر تک متوجہ رہے، اُمید ہے کہ وہ حالت بفضل اللہ تعالیٰ طالب کو اپنی استعداد پر نصیب ہوجائے گی۔

شرائطِ توجہ:

صاحبِ توجہ پیشوائے طریقت سے مجاز[۱] ہو، متقی[۲] اور صاحب استقامت[۳] اور نفی[۴] خطرات پر قادر ہو، مخلصاً للہ[۵] دِینی فائدہ پہنچانے کا قصد رکھتا ہو، بے طمع[۶] توجہ فرمائے، اور اگر اپنی مشہوری، طمع یا خدمت گزاری کے لئے توجہ کرے گا تو ہرگز فائدۂ طریقت نہ

پہنچے گا، اگر کچھ فائدہ ہو بھی جائے تو نتیجہ خراب ہوگا، ایسا شخص خائن اور خاسرِ طریقت کہلائے گا، اور یہ اثر استدراج سمجھا جائے گا۔

اور صاحبِ توجہ، شیخِ فانی، کمزور اور بے طاقت نہ ہو، اور ایسی بیماری کا مریض نہ ہو جو اس کے ہر رگ و ریشہ میں اثر کرگئی ہو، کیونکہ بسااوقات طالب کو یہ بیماری چمٹ جاتی ہے۔ اسی طرح[8] طالب بھی ایسا بیمار نہ ہو، شیخ طالب[9] سے متنفر نہ ہو، بلکہ اس سے محبت رکھتا ہو، ایسے ہی حالتِ تشویش اور غصّے میں بھی توجہ نہ فرمائے، اسی طرح سیر[11] شکمی یا سخت بھوک کی حالت میں متوجہ نہ ہو، وگرنہ فائدہ کم ہوگا، اور ایسے[12] طالب کو بھی توجہ نہ فرمائے جو ایک دو نشست کے لئے حاضر ہوا ہے اور طریقۂ علیّہ میں داخل نہیں، کیونکہ اگر فائدہ نہ ہوا تو اس سے وہ بے اعتقاد ہوگا اور طریقے کی بدنامی ہوگی، اور وہ اس سے بے خبر کہ یہ بھی اس کے مرشد ہوگئے، اور اگر فائدہ ہوگیا تو پہلے پیشوا سے بداعتقاد ہوجائے گا، اور سب باتوں سے سلوک میں اعتقادِ راسخ رُکنِ اعظم ہے۔

اور طالب[13] کو چاہئے کہ ہمیشہ توجہ لینے کا قصد کرے، فائدہ فوری نظر آئے یا نہ آئے، کم از کم پندرہ نشست بلاناغہ کا قصد کرے، اور حلقے[14] میں دُوسرے کی طرف نہ دیکھے اور فقط فیض کا منتظر رہے، ذکر[15] نہ کرے اور امتحان کے لئے نہ آئے، کیونکہ بے ادبی والے سے بعض اوقات ایمان رُخصت ہوجاتا ہے۔

اور مشائخ اور خدام پر لازم ہے کہ توجہ کی ترکیب اور لوازمات خصوصاً غیروں اور حلقہ نشینوں کے سامنے بھی بغیر خاص مصلحت کے بیان نہ فرمائیں، اس سے یا تو فائدہ میں کمی ہوگی یا پھر نقصان ہوگا، اس راز کو پروردگار کی امانت تصوّر کریں۔

آدابِ توجہ:

بہتر یہ ہے کہ توجہ لیتے وقت طالب کا منہ جنوب کی طرف ہو، جیسے مردہ قبر میں سے اُٹھا کر بٹھایا جاتا ہے، اور شیخ کا شمال کی طرف، اور تمام اعضاء باہم دگر مقابل ہوں، یا شیخ کا منہ قبلہ کی طرف اور طالب کا مشرق کی طرف ہو، اور شیخ ذرا بلند جگہ پر بیٹھے اور طالب کو جس طرح آرام ہو بیٹھے، اور خیال کو پراگندہ کرنے والی تمام مزاحمتوں سے فارغ ہوں، جیسے شور، مکھی، مچھر، سخت گرمی، سردی وغیرہ، اور بے ادب طالب سے بھی توجہ بند کرے۔ (رسالہ توجہ: منشی احمد جان صاحب مرحوم لودیانوی)

فصل:

تعدّدِ پیر:

اگر سالک کسی شیخ کی خدمت میں خوش اعتمادی یعنی عقیدت کے ساتھ ایک معتد بہ مدّت تک رہا، مگر اس کی صحبت میں اس نے کچھ تأثیر نہ پائی تو وہ دُوسری جگہ اپنا مقصود تلاش کرے، کیونکہ مقصود خدا تعالیٰ ہے:

با ہرکہ نشستی و نشد جمع دِلت

و زتو نرمید صحبتِ آب و گلِت

زنہار زصُحبتش گریزاں می باش

ورنکند رُوحِ عزیزاں بحلت

ترجمہ:... ”جس شخص کے ساتھ تو بیٹھے اور تیرا جمع نہ ہو،

اور تجھ سے پانی اور مٹی کی صحبت زائل نہ ہوئی، اس کی صحبت سے

ضرور بھاگنے والا ہو، ورنہ رُوحِ عزیزاں معاف نہ کرے گی۔"

لیکن اس کے باوجود بھی شیخِ اوّل سے بداعتقاد نہ ہو، ممکن ہے کہ وہ کامل مکمل ہو، اور اس کا وہاں حصہ نہ تھا، اسی طرح اگر حصولِ مقصود سے پہلے شیخ کا انتقال ہوجائے یا ملاقات کی اُمید نہ ہو، جب بھی دُوسری جگہ تلاش کرے، اور یہ خیال نہ کرے کہ قبر سے فیض لینا کافی ہے اور دُوسرے شیخ کی ضرورت نہیں، اس لئے کہ قبر سے فیض تعلیم نہیں ہوسکتا، ہاں! البتہ صاحبِ نسبت کو اس کے احوال میں ترقی ہوتی ہے، جبکہ یہ شخص تو ابھی محتاجِ تعلیم ہے، پھر اگر محتاجِ تعلیم کو قبر سے فیض تعلیم ہوسکتا تو کسی کو بھی بیعت کی ضرورت نہ ہوتی، کیونکہ کاملین بلکہ انبیاء علیہم السلام کی لاکھوں قبریں موجود ہیں۔ اور اگر اس شیخ کی صحبت سے قلب میں کچھ تأثیر معلوم ہوتی ہو تو اس کی صحبت کو غنیمت سمجھے اور اس کے عشق کو دِل میں مستحکم و محکم کرے، اور اس کے خلاف کوئی حرکت نہ کرے، اور پوری پوری اس کی اطاعت کرے، ایسی کوئی حرکت نہ کرے جو اس کے تکدّر کا باعث ہو اس لئے کہ اس سے فیوض بند ہوجاتے ہیں، اور محض ہوس ناکی کی وجہ سے کئی کئی جگہ بیعت کرنا بہت بُرا ہے، اس سے بیعت کی برکت جاتی رہتی ہے، اور نسبت کے ٹوٹ جانے کا اندیشہ ہے، اور اگر کسی کا پیر و مرشد کسی وجہ سے ناراض ہوگیا ہے، مگر اس مرید کی حالت میں پھر بھی کوئی فرق نہیں آیا، تو اس میں سخت ترین اندیشہ ہے، کیونکہ یہ استدراج ہے، اور آخرکار اس کا نتیجہ خراب نکلے گا۔

(تمام اس کا "تعلیم الدین" و "ارشاد الطالبین" اور کچھ مکاتیبِ مجدّد الفِ ثانی رحمہ اللہ سے مأخوذ ہے)

فصل:

نقشبندیہ کے بعض اصطلاحی کلمات

یہ گیارہ کلمات ہیں:

ا:... ہوش در دم:

عبارت ازاں است کہ ہمیشہ ہوشیار و آگاہ بر نفس خود باشد تا دم بغفلت نہ برآید، ایں شغل دفع تفرقہ نفسے است۔

یعنی دونوں سانسوں کی حفاظت کرے، نہ کوئی سانس غفلت سے اندر داخل ہو اور نہ غفلت سے نکلے۔

۲:... نظر بر قدم:

آن ست کہ در آمد و رفت راہ نظر بر پشتِ پا دارد تا نظر پراگندہ نشود تا بجمعیت اقرب باشد چہ در ابتدا دل تابع نظر است و پریشانی نظر در دل تاثیر می کند:

بچہ مشغول کنم دیدہ و دل را کہ مدام
دل ترا می طلبد، دیدہ ترا مے جوید

ترجمہ:... ''میں آنکھ اور دِل کو کس چیز میں مشغول کروں، کہ ہمیشہ دِل تجھ کو طلب کرتا ہے، آنکھ تجھے ڈھونڈتی ہے۔''

وشاید نظر بر قدم اشارت بسرعت سیر سالک بود در قطعِ مسافت ہستی یعنی نظرِ او ہر جا کہ منتہی شود فی الحال قدم براں نہد۔

یعنی چلنے پھرنے میں سالک کی نظر اپنے قدم پر رہے، تاکہ نامناسب پر نظر نہ پڑے، اور متشتت ومختلف خیال نہ آئیں، جبکہ بعض حضرات نے فرمایا کہ: راہِ سلوک کے مسافر کا ادب یہ ہے کہ اس کی ہمت کا قدم پیچھے نہ پڑے۔

۳:... سفر در وطن:

آن است کہ در طبیعتِ بشری سفر کند یعنی از صفاتِ ذمیمہ بصفاتِ حمیدہ برآید این معنی: "تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ" است۔

یعنی سالک کا سفر وطن میں رہے، یعنی صفاتِ ذمیمہ سے منتقل ہوکر صفات حمیدہ میں آئے، اور بعض نے فرمایا: اپنے ہنر میں عیب دیکھنا سفر در وطن ہے۔

۴:... خلوت در انجمن:

آنست کہ بظاہر باخلق و بباطن بحق بود:

یعنی سالک کو چاہئے کہ بظاہر خلقت کے ساتھ ہو، مگر باطن میں خالق سے وابستہ ہو۔

از برون میانِ بازارم
از درون خلوتیست بایارم
از دروں شو آشنا وزبروں بیگانہ وش
ایں چنیں زیبا صفت کم می بود اندر جہاں

۵:... یاد کرد:

عبارت از ذکر لسانی وقلبی است یعنی دُور کردن غفلت بذکرِ حق تعالیٰ:

یعنی ہمیشہ دِل یا زبان سے ذکر کیا کرے، اس لئے کہ ذکر غفلت کے دُور کرنے کا نام ہے، اور ذکر سے مقصد یہ ہے کہ محبت اور تعظیم کے ساتھ قلب حاضر مع الحق ہو۔

دائم ہرجا بہمہ حال در ہمہ کار
دار نہفتہ دل جانبِ یار

ترجمہ:...''ہمیشہ، ہرجگہ، ہرحال میں تمام کاموں میں
دِل کو جانبِ یار پوشیدہ رکھ۔''

چوں حضورد وام پذیرد از تکلف یا دکرد باز زہد و ملکہ گردد کہ بنفی منتفی نگردد ۔
یادداشت بود:

دارم ہمہ جا بہ ہمہ کس در ہمہ حال
در دل زتو آرزو و در دیدہ خیال

ترجمہ:...''میں رکھتا ہوں ہرجگہ، ہرشخص کے ساتھ تمام
حال میں دِل میں تجھ سے آرزو، اور آنکھ میں خیال۔''

۶:... بازگشت:

آن ست کہ ہر بارے کہ ذکر بزبانِ دل کلمہ طیبہ را گوید درعقبِ آں بدل مناجات کند کہ الٰہی مقصود من توئی و رضائے تو۔

یعنی جب قلب ذاکر ہوجائے تو کلمہ طیبہ کا ذکر کرے، اور تھوڑی دیر کے بعد زبان سے کہے: الٰہی مقصود من توئی و رضائے تو.... الخ، تاکہ ذکر خالص ہوجائے اور دِل ماسوا اللہ سے فارغ ہوجائے۔

۷:...نگاہ داشت:

مراد ازاں مراقبۂ خاطر است از خطرہ ماسوی اللہ، چنانچہ اگر در یک دم صد بارکلمہ طیب را گوید خاطر بغیر نہ رود۔

یعنی دِل کو خطرات سے بچائے، یعنی جب دِل میں کلمہ طیبہ کی تکرار کرے تو

اس کی رعایت کرے کہ دِل میں کوئی خطرہ نہ آئے، اور کوشش کرے کہ گھڑی، دو گھڑی کوئی خطرہ نہ آئے۔

۸:... یادداشت:

عبارت از متوجہ بودن بحق تعالیٰ است بہردم و بہرحال بر سبیلِ ذوق۔
یعنی حق تعالیٰ کی دائمی حضوری بطور ذوق کے حاصل ہوجائے۔

۹:... وقوفِ زمانی:

آنست کہ بندہ بہرحال واقفِ احوال خود باشد، اگر بطاعت است شاکر است و اگر بمعصیت است عذرخواہد۔

یعنی اپنے اوقات کا حساب کرے، اگر اچھے کاموں میں وقت گزرے، تو شکر کرے، اگر بُرے کام میں گزرے، تو توبہ کرے۔

۱۰:... وقوفِ عددی:

آں است کہ رعایت عدد طاق درنفی و اثبات کند چناں کہ گزشت۔
ذکرِ قلبی میں عدد کی رعایت کرے، یعنی متفرق خطرات نہ آئیں اور جمعیت و سکونِ خاطر حاصل ہو۔

۱۱:... وقوفِ قلبی:

آن است کہ ذاکر آگاہ و واقف باشد باحق تعالیٰ بوجہے کہ دل را پیہم علاقہ بغیرحق نباشد۔

یعنی ہوشیاری اور حضورِ قلب کے ساتھ ذکر ہونا چاہیے، یعنی قلب کو غیرحق سے کوئی غرض نہ ہو، اور یوں بھی کہ قلب اپنے ذکر سے واقف ہو، یعنی ذکر کے ساتھ

قلب صنوبری کی طرف متوجہ ہو، جس کو مجازاً قلب کہتے ہیں۔
بعض نے کسی کسی لفظ کی اور تفسیر بھی کی ہے، مگر حاصل سب کا قریب قریب ہے۔ (تعلیم الدین)

فصل:

در معارف:

اس میں ہر شخص کا مذاق جداگانہ ہے، مگر اس پر سب کا اتفاق ہے کہ حقائق و معارف وہ معتبر ہیں جس کو شریعت رَدّ نہ کرے، اس لئے کہ: ''كُلُّ حَقِيقَةٍ رَدَّتْهَا الشَّرِيعَةُ فَهِيَ زَنْدَقَةٌ'' مکتوب بست ونہم خواجہ محمد معصوم عروۃ الوثقی قدسنا اللہ تعالیٰ باسرارہٖ میں اس کی بسط وتفصیل سے تقریر موجود ہے، اور ان علوم کی دلیل کشف ہے، اور بس۔

اور قرآن وحدیث میں ان مسائل کا داخل کرنا تکلف سے خالی نہیں، حسبِ اختلافِ مذاق معارف بے شمار ہیں، مگر اس مقام پر اختصار کے ساتھ بطورِ نمونہ چند معارف ذکر کئے جاتے ہیں:

وحدۃ الوجود:

ظاہر ہے کہ تمام کمالات حقیقتاً اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت ہیں، اور مخلوقات کے تمام کمالات عارضی طور پر ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی عطا وحفاظت کے سبب ان میں موجود ہیں، ایسے وجود کو اصطلاح میں ظلّی وجود کہتے ہیں، خلاصہ یہ کہ تمام ممکنات کا وجود حقیقی اور اصلی نہیں، بلکہ عارضی اور ظلّی ہے۔

اب اگر وجودِ ظلّی کا اعتبار نہ کیا جائے تو صرف وجودِ حقیقی کا ثبوت ہوگا، اور

وجود کو واحد کہا جائے گا، یہ وحدۃ الوجود ہے۔

اور اگر اس کا بھی اعتبار کیجئے کہ آخر کچھ تو ہے، بالکل معدوم ہی تو نہیں، گو غلبۂ نورِ حقیقی سے کسی مقام پر سالک کو وہ نظر نہ آئے، تو یہ وحدۃ الشہود ہے۔

اس کی مثال ایسی ہے کہ ماہتاب کا نور آفتاب کے نور کا عکس اور اس سے حاصل شدہ ہے، اگر مہتاب کے ظلّی نور کا اعتبار نہ کیجئے تو صرف آفتاب کو منوّر اور مہتاب کو تاریک کہا جائے گا، یہ وحدۃ الوجود کی مثال ہے، اگر کچھ نہ کچھ اس نور کے وجود کا اعتبار کیا جائے تو نورِ آفتاب کے ظہور کے وقت وہ بالکل مسلوب النور ہو جائے گا، اور یہ وحدۃ الشہود کی مثال ہے۔

فائدہ:... وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کی مختصر تشریح ولایتِ کبریٰ و صغریٰ کے ذیل میں گزر چکی ہے۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ حقیقت میں اختلاف لفظی ہے، مآل و انجام دونوں کا ایک ہی ہے (کذا قال الشیخ مجدّد الفِ ثانی قدس سرہٗ، در مکتوب چہل و چہارم جلد دوم)۔

اور چونکہ اصل وظل میں نہایت قوی تعلق ہے، اس کو اصطلاحِ صوفیہ میں عینیت سے تعبیر کرتے ہیں، (اسی مقام سے "لَا مَوْجُوْدَ اِلَّا اللہُ" و ہمہ اوست کے معنی معلوم ہوگئے، جیسا کہ مجدّد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے)، اور عینیت کے یہ معنی نہیں کہ دونوں ایک ہوگئے، یہ تو صریح کفر ہے، (مجدّد الفِ ثانی رحمہ اللہ و مکاتیب عروۃ الوثقی میں اس کی بکثرت تصریح ہے)، چنانچہ وہی محققین صوفیہ اس عینیت کے ساتھ غیریت کے بھی قائل ہیں، پس عینیت اصطلاحی ہے، نہ کہ لغوی، مسئلہ کی تحقیق تو اسی قدر ہے، لیکن اگر اس سے زیادہ کسی کے منثور یا منظوم کلام میں کچھ پایا جائے، تو وہ حالت سکر کا کلام ہے، جو نہ قابلِ ملامت ہے اور نہ لائقِ تقلید و نقل، جیسا کہ فرمایا گیا ہے:

رفت زمسعود یک جملہ صفاتِ بشر

او کہ ہمہ ذات بود باز جہاں ذات شد

ترجمہ:... ''چلی گئی مسعود سے یکبارگی تمام صفاتِ بشر،

وہ جو تمام ذات تھی پھر وہی ذات ہوگئی۔''

خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ اپنے مکتوب صفحہ:۹۵ میں یہ شعر لکھ کر فرماتے ہیں:

ممکن راعین واجب دیدن در شہود سالک است و بس قلب حقیقت محال است:

تو اونشوی ولے اگر جہد کنی

جائے برسی کہ کز تو توئی برخیزد

ترجمہ:... ''تو وہ نہیں ہوگا لیکن اگر کوشش کرے تو ایسی

جگہ پہنچ جائے گا کہ تجھ سے توئی اُٹھ جائے گی۔''

فصل:

تنزلاتِ ستہ:

تنزّل ان کی اصطلاح میں ظہور کو کہتے ہیں، نہ کہ آسمان سے زمین پر آنے کو، بلکہ یہ مراتب انسان کے اندر آجانے کو کہتے ہیں، اس وجہ سے اس کو جامع کہا کرتے ہیں۔

یہ ظاہر ہے کہ مصنوعات سے صانع کا ظہور ہوتا ہے، ورنہ صانع کا کیونکر پتہ چلے؟ پھر خود صانع میں ایک ذات کا مرتبہ ہوتا ہے اور ایک صفات کا، پھر صفات میں بھی ایک مرتبہ جامعیت اور اجمال کا ہوتا ہے اور ایک مرتبہ تفصیل کا، اور ہمیشہ ذات کا نشان و پتا صفات سے چلتا ہے، اور اجمال کا پتا تفصیل سے، جب یہ سب باتیں سمجھ میں آگئیں تو اب سمجھئے کہ مخلوقات سے ہم کو اللہ تعالیٰ کے وجود کا علم ہوا، تو ظہورِ علمی

کے اعتبار سے یوں کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ظہور مخلوقات سے ہوا، پھر اسی قاعدۂ مذکورہ کے موافق اللہ تعالیٰ کی صفاتِ تفصیلیہ سے صفاتِ اجمالیہ کا اور اُن سے ذات کا پتا لگے گا، اس لئے یوں کہہ سکتے ہیں کہ پہلے اللہ تعالیٰ کا ظہور صفتِ جامعیتِ اجمالیہ سے، پھر صفاتِ تفصیلیہ سے ہوا، پھر مخلوقات سے ہوا، اب مخلوقات میں ایک عالمِ ارواح ہے، ایک عالمِ اجسام اور چونکہ ان میں بوجہ غایت لطافت و کثافت کے مناسبت ہی نہیں، ان کے تعلق کے لئے ایک ایسی چیز پیدا کی جس کو دونوں سے مناسبت ہے، اُس کو عالمِ مثال کہتے ہیں، تو مخلوقات کی ترتیب میں رُوح پہلے ہوئی، لہٰذا پہلے عالمِ ارواح، پھر عالمِ مثال، پھر عالمِ اجسام، اور عالمِ اجسام میں سب سے آخر انسان پیدا ہوا، اور اس میں اللہ تعالیٰ نے ہر طرح کی صفتیں پیدا کردیں، اس وجہ سے اس کو جامع کہتے ہیں، جس ترتیب سے مخلوقات پیدا ہوتی گئی صانع کا ظہور بڑھتا گیا، تو اب یوں کہہ سکتے ہیں کہ مرتبہ صفاتِ تفصیلیہ کے ظہور کے بعد صانع کا عالمِ ارواح سے ظہور ہوا، پھر عالمِ مثال سے، پھر عالمِ اجسام سے، پھر انسان سے، پھر ظہور کے دو مرتبے تو صفات میں تھے، اور چار مخلوقات میں، تو یہ چھ ظہور علی الترتیب اعتبار کئے گئے، ان ہی چھ ظہور کو تنزّلاتِ ستہ کہتے ہیں، سو یہ تنزّلاتِ ستہ، چھ مرتبے ہوئے، اور وجود کے سات مرتبے ہوئے، کیونکہ وجود کا ایک مرتبہ خود ذاتِ حق کو حاصل ہے، سو مرتبۂ ذاتِ حق کو ''ہاہوت'' کہتے ہیں، اور مرتبۂ صفاتِ اجمالیہ کو ''لاہوت'' اور ''حقیقتِ محمدیہؐ''، اور مرتبۂ صفاتِ تفصیلیہ کو ''جبروت'' اور ''اعیانِ ثابتہ'' اور ''حقیقتِ آدمؑ'' کہتے ہیں، اور عالمِ ارواح و عالمِ مثال کو ''ملکوت'' اور عالمِ اجسام کو ''ناسوت'' اور عالمِ انسان کو ''مرتبۂ جامعہ'' کہتے ہیں۔ یہ سب اصطلاحی الفاظ ہیں، ورنہ یقینی بات یہ ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آدم علیہ السلام مخلوقاتِ الٰہی سے ہیں، نہ کہ صفاتِ الٰہیہ میں سے، تحقیق مسئلہ کی اسی قدر ہے، اس سے آگے اہلِ سُکر کا غلبہ ہے، جس

میں اُن کی زبان وقلم سے کچھ موہم الفاظ نکلے اور ناواقف لوگ ان اصطلاحات کو لغت سمجھنے لگے۔ (تعلیم الدین)

بداں کہ اجمال وتفصیل کہ دراں مرتبہ علیا اثبات می نمایئم نہ آں اجمال و تفصیل است کہ درفہم ما آید و ادراک ما گردد کہ آں موجب تبعیض وتجزی است، تَعَالَی اللّٰہُ عَنْ ذٰلِکَ عُلُوًّا کَبِیْرًا، بلکہ درذات وصفات بے چگوں است "عَرَفْتُ رَبِّیْ بِجَمْعِ الْاَضْدَادِ" ایں معرفت وراءِطورِعقل است اما مؤید بکشفِ صحیح والہام است۔ (مکتوب خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ ص:۱۱۹)

فائدہ:... چوں لفظ اجمال و وحدت را دراں حضرت مناسبت زیادہ است از لفظِ تفصیل وکثرت چہ لفظ تفصیل وکثرت موہم تبعیض وتجزی است بنابراں اجمال و وحدت را برائے اطلاق براں حریم متعالی اختصار نمودہ اند والاّ اُو تعالیٰ ازیں اجمال و تفصیل کہ مدرک است منزّہ ومبرّا است۔ (مکتوب)

فصل:

در بابِ احوال:

حالاتِ رفیعہ بے شمار ہیں، مگر ہم ان میں سے چند مشہور احوال کو بیان کرتے ہیں:

قبض وبسط:

جب سالک کوخوف ورجا بڑھ جاتا ہے، تو قبض وبسط ہوتا ہے، مگر اتنا فرق ہے کہ خوف ورجا آئندہ کی حالت یاد کرکے ہوتا ہے، اور محبوب کی تجلیٔ جلال یعنی آثارِ عظمت واستغنا کے فی الحال وارد ہونے سے قلب کا گرفتہ ہونا قبض کہلاتا ہے، اور

محبوب کی تجلئ جمالی یعنی آثار لطف وفضل کے فی الحال وارد ہونے سے قلب کوفرحت و سرور ہونا بسط کہلاتا ہے۔

اُنس و ہیبت:

قبض و بسط میں جب مزید ترقی ہوتی ہے، اُس کو اُنس و ہیبت کہتے ہیں۔

وجد اور اُس کے مراتب:

اللہ تعالیٰ کی طرف سے قلب پر جو کیفیت وارد ہو اور اس کو اُس کی حالت سے بدل ڈالے، جیسا کہ حزن و سرور، یہ وجد کہلاتا ہے، اگر یہ چیز صاحبِ وجد کو بے خود کردے تو اس کو وجود کہتے ہیں، اور اگر خود تغیر نہ ہو، مگر تغیر پیدا کرنے کا قصد کرے، تو اُس کو تواجد کہتے ہیں۔

اس کے مراتب کی ترتیب یہ ہے کہ پہلے تصوّر، پھر ورود، پھر شہود، پھر وجود، پھر خمود ہوتا ہے۔ جیسے کوئی کسی دریا پر آنے کا ارادہ رکھتا ہو، یہ تصوّر ہے، پھر اس پر آپہنچا، یہ ورود ہے، پھر اس کو دیکھا، یہ شہود ہے، پھر سوار ہوا، یہ وجود ہے، پھر اس میں ڈوب گیا اور مرگیا یہ خمود ہے، البتہ اگر تواجد بقصدِ ریا ہو تو گناہ ہے، پھر وجد میں جب زیادہ غلبہ ہوتا ہے تو اس کو استغراق کہتے ہیں۔ (حقیقۃ الطریقۃ ص:۸۵)

فرق، جمع اور جمع الجمع:

مخلوق کو یہ سمجھنا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو فاعل اور صفات کے ساتھ موصوف فرمایا ہے، فرق کہلاتا ہے۔

یہ سمجھنا کہ ان میں کوئی صفت نہیں ہے، بلکہ حقیقتاً فاعل اور موصوف ذاتِ حق ہے، اور سب اس کا پرتو ہے، تو یہ جمع ہے۔

بالکل مخلوق پر نظر ہی نہ رہے، یہ جمع الجمع ہے۔

اس میں ایک اصطلاح اور بھی ہے، وہ یہ کہ: ممکنات کو فاعل و موصوف سمجھنا فرق ہے، اور صرف ذاتِ حق پر نظر ہونا جمع ہے، اور مخلوق کو صفاتِ حق کا آئینہ سمجھنا جمع الجمع ہے۔

تمکین وتلوین:

سالک کے قلب کے حالات کا مختلف ہونا، مثلاً: کبھی قبض، کبھی بسط، کبھی سُکر اور کبھی صحو ہو، تو یہ تلوین ہے، اور اطمینان و وصولِ تام کی وجہ سے قلب کی حالت کا یکساں ہونا تمکین ہے، تلوین والا پہچانا جاتا ہے، جبکہ صاحبِ تمکین کی حالت عوام جیسی ہوجاتی ہے، اور وہ مشکل سے ہی پہچانا جاتا ہے، کیونکہ عوام کی طرح دُنیاوی اور دِینی معاملات میں مشغول ہوتا ہے، مگر وہ واصل اور حقیقت شناس ہوتا ہے، اور صاحبِ تلوین ابھی راہ میں ہوتا ہے۔ (رسالہ قشیریہ)

فنا و بقا:

اگر سالک کی صفاتِ ذمیمہ (جس قدر بھی ہیں) سب مبدل بہ صفاتِ حمیدہ ہوجائیں تو اس کو اصطلاح میں فنائے حسی اور واقعی کہتے ہیں، اور صفاتِ حمیدہ پیدا ہوجانے کو بقا کہتے ہیں۔

فنا کی دُوسری قسم یہ ہے کہ سالک غلبۂ شہود ذات وصفات کی وجہ سے اپنی ہستی سے بے التفات ہوجائے، یا اپنی ہستی کو لاشے خیال کرے تو ایسی فنا کو فنائے علمی کہتے ہیں، نہ کہ فنائے واقعی وحسی، جیسے کوئی غریب سا آدمی کسی شاہی دربار میں دفعۃً پہنچ جائے، تو بعض اوقات ہیبت کے مارے اُسے اپنی پرائی کسی کی کچھ بھی خبر نہیں رہتی، جبکہ واقع میں وہاں سب موجود ہوتے ہیں۔

پھر بعض اوقات اس فنا کا بھی علم نہیں ہوتا، جیسے سوتے میں اکثر اوقات

سونے والے کو یہ بھی خبر نہیں ہوتی کہ میں سو رہا ہوں، اس کو فناء الفنا کہتے ہیں۔

اور بعض کی اصطلاح میں فناء الفنا کو بقا کہتے ہیں، یعنی وہ بے خودی جو کہ فنا کہلاتی تھی وہ بھی جاتی رہی اور یہ شخص افاقے میں آ گیا، اس لئے اس کو فناء الفنا کہا جاتا ہے، اور اس کے بعد جو کیفیت حاصل ہو، اُس کو بقاء البقا کہتے ہیں، اور سیر الی اللہ، جس سے مراد انقطاعِ ماسوی اللہ ہے، یہاں ختم ہوجاتی ہے اور فنائے صفاتِ بشریہ کو قربِ نوافل اور فنائے ذات کو قربِ فرائض بھی کہتے ہیں۔

(آئینۂ تربیت، تعلیم الدین)

مگر فنا اور عدم میں فرق یہ ہے کہ فنا میں عارف پر ہستیٔ مطلوب کا اتنا غلبہ ہوتا ہے کہ وہ واضح طور پر اپنے اوصاف و اخلاق کو مطلوب کے اوصاف و اخلاق کا پرتو دیکھتا اور محسوس کرتا ہے، یہاں تک کہ تمام چیزوں سے خالی ہوجاتا ہے، جبکہ عدم میں اپنے اوصاف و اخلاق کو گم پاتا ہے، پس عدم میں اوصاف کا استتار ہے، مگر فنائے اوصاف نہیں ہوتا، اور فنائے حقیقی میں جو کہ عنایتِ ازلی کے سوا دُشوار ہے، اوصاف مستتر اور پردہ میں نہیں، بلکہ زائد شدہ اور منتفی ہوتی ہیں۔

(کذا فی مکتوبات خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ)

غَیبت و حضور:

اگر قلب پر کوئی وارد قوی آیا، مثلاً: صفاتِ خداوندی کا غلبہ ہوا یا کچھ ثواب و عذاب یاد آیا، اور اُس کے غلبہ سے حواس اس قدر معطل ہوگئے کہ اِدھر اُدھر کی خبر نہ رہی، تو یہ غَیبت ہے، یعنی خلق سے، اور جب ہوش آ گیا، تو یہ حضور ہوگیا، اور کبھی اس غَیبت کو حضور کہتے ہیں، یعنی حضور بحق، کبھی حضور کی جگہ شہود بولتے ہیں، اس کے معنی بھی حضور کے ہیں، سو جو چیز قلب میں حاضر ہوگی وہ شاہد اور مشہود ہے، لیکن

اکثر صوفیہ لفظِ مشہود سے مشہودِ حق مراد لیتے ہیں، اور لفظِ شواہد سے مخلوق مراد لیتے ہیں، پس غَیبت کی دو قسمیں نکلیں، ایک: غَیبتِ محمود، اگر خلق کی طرف سے ہو اور ایک: مذموم، اگر حق کی طرف سے ہو، اسی طرح حضور کو بھی سمجھ لو۔

سُکر وصحو:

انوارِ غیب کے غلبہ سے ظاہری و باطنی اَحکام میں امتیاز کا اُٹھ جانا سُکر ہے، اور اس امتیاز کا عود کر آنا صحو ہے، غرض سُکر غَیبت سے بڑھا ہوا ہے۔

محو واثبات:

اس کے معنی بھی قریب قریب فنا و بقا کے ہیں، اور اس کی بھی وہی قسمیں ہیں، مگر محو کے معنی میں دُوسرے چند الفاظ بھی مستعمل ہیں: محق، سَحق، طَمس، اور اگر ان الفاظ میں فرق کیا جائے تو بھی مضائقہ نہیں، مثلاً: محو صفات کو محق، فنائے ذات کو سَحق اور صفاتِ ذات کے آثار محو ہوجانے کو طَمس کہیں۔

تجلی واستتار:

تجلی: ظہور کو کہتے ہیں، اور استتار: پوشیدہ ہونے کو، پھر تجلی کی کئی قسمیں ہیں، ہر ایک کے جدا آثار ہیں۔

۱:... ایک تجلی ذاتی ہوتی ہے، اس کا یہ اثر ہوتا ہے کہ اگر سالک کے وجودِ عنصری کی صفات وآثار کچھ باقی ہوں تب تو وہ بے ہوش ہوجاتا ہے، جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام تجلی کے وقت بے ہوش ہوگئے تھے، اگر آثار باقی نہ ہوں تو وہ مشاہدہ کرسکتا ہے، چنانچہ موت سے پہلے یہ خلعتِ خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عنایت ہوئی اور موت کے بعد تو سب مؤمنین کو جنت میں یہ حاصل ہوگی، چنانچہ سب کو دیدار ہوگا۔

۲:... دُوسری تجلی صفاتی ہوتی ہے، اس کی علامت یہ ہے کہ اگر صفاتِ جلالی

تجلی کریں تو سالک پر خشوع وخضوع کا غلبہ ہوتا ہے، اور اگر صفاتِ جمالی تجلی کریں تو سالک کو سرور واُنس ہوتا ہے۔

۳:... تیسری تجلی افعالی ہوتی ہے، اس کی علامت یہ ہے کہ سالک کی نظر کسی کی مدح، ذِم، نفع وضرر اور رَدّ وقبول پر نہیں رہتی۔

چنانچہ مصباح الہدایۃ ترجمہ عوارف میں ہے کہ:

''اوّل تجلی کہ بر سالک آید در مقاماتِ سلوک تجلی افعالی است وآں گاہ تجلیٔ صفات و بعد ازاں تجلیٔ ذات زیرا کہ افعال آثار صفات است و صفات مندرج در تحتِ ذات، پس افعال بخلق نزدیک تر از صفات بود و صفات نزدیک تر از ذات۔'' (ص:۱۰۰)

فائدہ:... بداں کہ ہرگاہ حق سبحانہ بافعالِ خود متجلی شود افعالِ خلق درآں مستتر گردد، و ہرگاہ کہ بذات متجلی شود، ذات وصفات وافعالِ خلق دراں مستتر گردد۔ (مصباح)

محاضرہ: تجلیٔ افعال کو کہتے ہیں۔

مکاشفہ: تجلیٔ صفات کو۔

مشاہدہ: تجلیٔ ذات کو کہتے ہیں۔

پھر محاضرہ: قلب سے ہوتا ہے، مکاشفہ: سِرّ سے اور مشاہدہ: رُوح سے۔

من جملہ احوالِ رفیعہ کے سچا خواب بھی ہے، یعنی ایسا خواب کہ جس میں انبیاء علیہم السلام یا فرشتوں کی زیارت ہو، یا جنت اور دُوسرے مقاماتِ متبرکہ کی زیارت ہو۔

کشف کا ہونا، دُعا کا قبول ہونا یا قصد کے موافق کام کا بن جانا کرامت کہلاتا ہے، اور کرامت کی تعریف یہ ہے کہ متبعِ شریعت سے کوئی چیز خلافِ عادت

ظاہر ہو، اگر بلا اِتباعِ شریعت کوئی خلافِ عادت اَمر ظاہر ہوجائے تو وہ یا تو سحر ہوگا یا شعبدہ یا پھر ثمرۂ ریاضت۔ جو کہ اکثر جوگیوں کو بھی حاصل ہوتا ہے یا پھر اِستدراج ہوگا جیسا کہ دجال کے لئے ہوگا۔ (کلہٗ من تعلیم الدین ناقلاً عن رسالہ قشیریہ وجواہرِ غیبی وغیرہ)

فصل:

در اِصطلاحات:

ذیل میں صوفیہ کی چند مشہور اصطلاحات کا بطورِ نمونہ بیان کیا جاتا ہے:

ملامتی وقلندر:

قلندر: وہ ہے جو ضروری عبادت تو کرے، مگر باقی اوقات ذکر وفکر میں گزار دے، اور ملامتی وہ ہے جو تمام فرائض اور نوافل کا پابند ہوتا ہے، مگر لوگوں کی نظر سے اپنی اس اچھی حالت کو مخفی رکھتا ہے، چنانچہ بعض لوگ ان کے ساتھ جھوٹی مشابہت کرنا چاہتے ہیں تو تمام تر فسق و فجور میں مبالغہ و اصرار کر کے کہتے ہیں کہ: ہمارا مقصود یہ ہے کہ لوگوں میں قدر نہ رہے اور دُوسری طرف طاعت و بندگی کی کوتاہی پر یہ جواز پیش کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو ہماری اطاعت کی کیا پروا ہے؟ نعوذ باللہ! مکتوباتِ خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ صفحہ:۶۶ میں عوارف سے نقل کیا ہے کہ: ایسے لوگ زندیق اور ملحد ہیں۔

مجذوب سالک:

مجذوب سالک کا معنی گزر چکا ہے، اسی طرح حال اور مقام کا بھی ذکر آچکا۔

اِتصال:

ماسوی اللہ سے منقطع ہونے کو حق کے ساتھ اِتصال کہتے ہیں، کیونکہ ذات کا

ذات سے اِتصال نہیں ہوتا، اس لئے حق تعالیٰ کی شان میں اس اِتصال کا اعتقاد رکھنا کفر ہے، جیسا کہ بعض جہلا سمجھتے ہیں کہ قطرہ سمندر میں مل گیا، اس اِتصال کی حقیقت کو مولانا رُوم فرماتے ہیں:

اِتصالے بے تکیف بے قیاس
ہست رَبّ الناس را باجانِ ناس

جبکہ قطرے کا سمندر میں اِتصال تو بے تکیف نہیں ہوتا، لہٰذا اس شعر سے اس جہل کی تردید ہوتی ہے، مکاتیب عروۃ الوثقیٰ خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ صفحہ:۳۹، ۴۳، ۴۷ وغیرہ میں بھی بہت سی جگہ اس جہل کی تردید موجود ہے۔

وقت و نفس:

بندے پر جو حال غالب ہو، جیسے: حزن و ملال اور فرح و سرور وغیرہ، اس کو وقت کہتے ہیں، اور یہ سالک و غیر سالک دونوں کو پیش آتا ہے، وقت کا دُوسرا معنی یہ ہے کہ غیب سے کوئی ایسا حال غالب ہو کہ سالک کو اپنی حالت سے باہر کردے، یہ سالک کے ساتھ مخصوص ہے، "الصُّوفی ابن الوقت" کے یہی معنی ہیں، اگر یہ حالت دائم ہے تو نفس کہتے ہیں۔

تجرید و تفرید:

دُنیوی و اُخروی اغراض کو ترک کردینا تجرید ہے، اور کسی چیز کی اپنی طرف نسبت نہ کرنا تفرید ہے۔

حرّیت:

یعنی آزادی میں، اپنے نفس کی بندگی اور اطاعت سے نکل جانا، حریت اور آزادی کا یہ مطلب نہیں کہ خدا کی بندگی اور اَحکامِ شرع سے باہر ہوجائے، کیونکہ یہ تو

عین گرفتاری ہے، بہرحال اَحکامِ شرع ہوش میں کبھی بھی معاف نہیں ہوتے، البتہ پہلے اطاعت میں جو دُشواری ہوتی تھی، حریت کے بعد اب آسانی سے ہونے لگتی ہے، لہٰذا تکلیف تو ساقط نہیں ہوتی، البتہ کلفتِ تکلیف ساقط ہوجاتی ہے:

ازاں روز کہ در بندِ تو ام آزادم
بادشاہم کہ بدستِ تو اسیر افتادم

ترجمہ:...''اس دن سے کہ تیرے خیال میں ہوں،
آزاد ہوں، بادشاہ ہوں میں کہ تیرے ہاتھ میں قیدی ہوا ہوں۔''

قرب و بُعد:

قربِ الٰہی کی تین قسمیں ہیں:

ایک قرب عام وضروری ہوتا ہے: یہ وہ قرب ہے جو علم و قدرت کے ساتھ ہوتا ہے، یعنی یہ سمجھنا کہ اللہ تعالیٰ سب کو جانتے ہیں اور سب پر قادر ہیں۔

دُوسرا قرب ممکن و خاص: یہ وہ قرب ہے جو فضل ولطف کے ساتھ ہوتا ہے، جس کو چاہیں اپنے لطف وفضل کا مورد بنادیں۔

تیسرا قرب محال: یہ وہ ہے کہ ذات کا ذات سے مل جانا، پھر ہر قرب کے مقابل بُعد کے معنی بھی جدا ہوں گے۔ حضرت مجدّد الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے مکتوب چہل و چہارم جلد دوم میں تیسری قسم کو کفر و اِلحاد فرمایا ہے۔

خاطر و اقسام:

قلب پر جو خیال وارد ہوتا ہے، وہ خاطر ہے، پھر اُس کی چار قسمیں ہیں:
ایک اللہ کی طرف سے، اُس کو خاطرِ حق کہتے ہیں۔
دوسرا فرشتہ کی طرف سے، اس کو الہام کہتے ہیں۔

تیسرا نفس کی طرف سے، اس کو ہواجس کہتے ہیں۔

چوتھا شیطان کی طرف سے، اس کو وسواس کہتے ہیں۔

ان کی پہچان یہ ہے کہ اگر اچھی بات دِل میں آئے اور اس کے خلاف پر عمل کر سکے تو اِلہام ہے۔

اگر خلاف پر عمل نہ کر سکے تو خاطرِ حق ہے۔

اگر بُری بات دِل میں آئے تو اگر صفاتِ نفس، مثلاً: شہوت، غضب اور تکبر وغیرہ کی طرف رغبت ہوتی ہو، تو ہواجس ہے۔

اور اگر کسی گناہ کی طرف میلان ہو، تو وسواس ہے۔

بعض نے اس کا دُوسری طرح فرق بیان کیا ہے۔ پھر کبھی نفس اور شیطان کی طرف سے بھی اچھی بات دِل میں آجاتی ہے، مگر اس میں یہ دھوکا ہوتا ہے کہ اس کے ذریعے کسی بڑی نیکی سے محروم کرانا ہوتا ہے، جیسے خشوع کی تحصیل کے لئے علیحدہ نماز پڑھنے کا خیال، جماعت سے محروم کرنے کے لئے ہوتا ہے، یا گناہ میں ڈالنا مقصود ہوتا ہے، اسی طرح خلوت کی نیت کے ذریعے تکبر اور عجب کا خیال دِل میں ڈالنا مقصود ہوتا ہے، اس کی زیادہ تحقیق ''سراج السالکین'' میں مذکور ہے۔

وارِد:

وارِد: خاطر کی نسبت عام ہوتا ہے، کیونکہ خاطر تو کلامِ نفس یعنی دِل کے خیال کا نام ہے، اور وارد اس سے عام ہے جو جمیع کیفیات کو شامل ہے، جیسے: حزن و سرور، قبض و بسط وغیرہ۔

شاہد:

جو چیز قلب پر غالب ہو، وہ شاہد ہے، بعض حضرات کا قول ہے کہ صاحبِ

جمال شاہد ہے، چنانچہ اگر اس کے رُوبرو آجانے سے صوفی کے قلب میں کچھ تغیر پیدا ہوتو حیاتِ نفس کی علامت ہے، اور اگر تغیر پیدا نہ ہوتو فنائے نفس کی علامت ہے، گویا وہ صاحبِ جمال اس کے دِل کا شاہد ہے۔

شطح:

غیر اختیاری حالت میں، غلبۂ وارد کی وجہ سے، ظاہری قواعد کے خلاف جو بات منہ سے نکل جائے، وہ شطح ہے، اس شخص پر نہ گناہ ہے اور نہ اس کی تقلید جائز ہے۔

تمثل:

کوئی ذات اپنی حالت وصفت کی بقا کے باوجود کسی دُوسری صفت میں ظہور کرے، اُس دُوسری صفت کو صورتِ مثالی کہیں گے، جیسے جبریل علیہ السلام صورتِ بشریہ میں متمثل ہوتے تھے، اس کا یہ معنی نہ تھا کہ وہ فرشتے سے آدمی بن گئے تھے، اگر وہ فرشتہ سے آدمی بن جاتے تو وہ تمثل نہ ہوتا، بلکہ استحالہ و انقلاب ہوتا۔

خواب و مکاشفہ میں اللہ تعالیٰ کو صورتِ مثالیہ میں دیکھ سکتے ہیں، اور موسیٰ علیہ السلام نے بھی اسی تجلیٔ مثالی میں نورِ الٰہی کو دیکھا تھا، انہوں نے ذاتِ خداوندی کو نہیں دیکھا تھا، ورنہ طالبِ دیدار نہ ہوتے، پس اللہ تعالیٰ مثال سے پاک ہے: "لَیۡسَ کَمِثۡلِہٖ شَیۡءٌ" مگر خود اللہ تعالیٰ نے اپنے نور کی مثال بیان فرمائی ہے، کیونکہ جن دو چیزوں میں کچھ صفات مشترک ہوں، اُن میں ایک کو دُوسرے کی مثال کہتے ہیں، مثلاً: حسین آدمی کو چاند سے تشبیہ دیں، تو وہ آدمی چاند نہیں بن جاتا، مگر صفتِ حسن میں اشتراک ہونے سے چاند کو آدمی کی مثال کہیں گے، اور اُس کی شناخت سے حسنِ انسانی کی کسی قدر شناخت ہوجائے گی، گو کامل شناخت نہ ہو۔ اس کو اچھی طرح سمجھ لو! اس میں غور نہ کرکے مثال کو حقیقت سمجھ لینے سے کفر و اِلحاد لازم آجاتا ہے۔

خلع:

کوئی رُوح اپنی حیات کی حالت کو چھوڑ کر دُوسرے مردہ بدن میں چلی جائے، اس کو خلع کہتے ہیں اور یہ بات ریاضت سے حاصل ہوسکتی ہے۔

بروز:

کوئی رُوح، کسی زندہ انسان کے بدن میں تصرف کرے، اور جن و شیطان کے تصرف سے ایسا ہونا تو معمولی بات ہے، چنانچہ جب کوئی جن یا شیطان کسی انسان میں داخل ہوجاتا ہے تو وہ انسان اس جن و شیطان کی بولی بولتا ہے اور اس میں اس طرح کی طاقت آجاتی ہے۔ مگر کبھی انسان سے بھی بطورخرقِ عادت ایسا واقعہ ہوجاتا ہے، یعنی ناقص کی تکمیل کے لئے زندہ انسان کا دُوسرے زندہ میں بروز کرنا بطورِ خرقِ عادت ہوسکتا ہے۔

تنبیہ:... ہنود جس تناسخ یعنی آواگون کے قائل ہیں، وہ اہلِ حق کے نزدیک باطل ہے، اُمورِ مذکورہ کے جواز سے کسی کو تناسخ کا دھوکا نہ ہونا چاہئے، تناسخ اور تمثل، خلع اور بروز میں صریح فرق ہے، تمثل میں ذات کا اپنی کسی حالت سے اِنتقال ہی نہیں ہوتا، جبکہ تناسخ میں رُوح کے منتقل ہونے کا اعتبار کیا گیا ہے، جس سے فرق ظاہر ہے۔

اور خلع بدن جو رُوح دُوسرے بدن میں آگئی ہے، اس کی ابھی موت نہیں آئی تھی، جبکہ تناسخ مرنے کے بعد قرار دیا گیا ہے۔

اور بروز میں جس بدن میں رُوح نے اثر کیا ہے، اُس میں پہلے سے بھی رُوح موجود ہے، بخلاف تناسخ کے کہ یہی رُوح اس بدن میں آتی ہے، ان فرقوں کو خوب سمجھ لو! (کذا فی تعلیم الدین ومکتوب پنجاہ وہشتم مجدد الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ ج:۲ ص:۱۱۵)

فارسی کے بعض اصطلاحی الفاظ:

بت کدہ، بت خانہ، شراب، دیر، خرابات و عالمِ معنیٰ باطن عارفِ کامل راگویند۔

پیرِ مغاں: پیرِ خرابات وخمار اور بادہ فروش، مرشد را گویند۔

ترسا: مردِ رُوحانی را گویند کہ از صفاتِ ذمیمہ ونفسِ امارہ خلاص یافتہ و موصوف بصفاتِ حمیدہ شدہ باشد۔

ترسا بچہ: وارداتِ غیبی را گویند کہ از عالمِ غیب در دلِ سالک فرود آید۔

گبر و کافر: کسے کہ یک رنگ در وحدت شدہ و رُوئے از ماسوائے اللہ تعالیٰ برتافتہ باشد۔

می: ذوق را گویند کہ از دلِ سالک سرزند واُورا خوش وقت گرداند۔

ساغر و پیمانہ: کسے کہ مشاہدہ انوارِ غیبی وادراکِ مقامات کند۔

زنار: علامتِ یک رنگی و یک جہت شدن را گویند۔

یار و دلبر ومحبوب وصنم و دوست: تجلیٔ صفات را گویند۔

غمزہ و بوسہ وفیض: جذبۂ باطن را گویند۔

چشم و ابرو و جمال: کلام والہام غیبی را گویند۔

لب و دہان: صفتِ حیات را گویند۔

ساقی ومطرب: فیض رسانندگانِ معنی را گویند۔

شراب و بادہ: بمعنی حال ہم آید (کذا فی مصباح الہدایۃ)۔

میِ لعل: خونِ عاشقان کہ از راہِ دیدہ در جام کنارش ریزند۔

مستی: فروگرفتن با جمیع صفات۔

مست وخراب: استغراق را گویند۔

مست وشیدا: اہلِ حزن و ذوق را گویند۔

اقامت: غلبۂ عشق را گویند۔

رجعت: از مقامِ وصول بقہر بہ طریق انقطاع را گویند۔

قلاشی: معاشرت ومباشرتِ اعمال را گویند۔

اوباش: آنکہ غمِ ثواب وعقاب نکند۔

قلندر وقلاش: اہلِ صفا واہلِ ترک واہلِ فنا را گویند۔

شمع: نور اللہ را گویند۔

کباب: پرورش دل در تجلیاتِ حق را گویند۔

صبوحی: محادثہ را گویند۔

صبح: طلوعِ احوال واوقات واعمال را گویند۔

بامداد مقامِ بازگشت: اوقات واحوال را گویند۔

کفر: تاریکی را گویند۔

بت وشاہد: معانی مقصود را گویند۔

کشف وشہود: مرتبہ عین اللہ را گویند۔

چلیپا: عالمِ طبائع را گویند۔

دیر: عالمِ انسانی را گویند۔

کلیسا: عالمِ حیوانی را گویند۔

طاعات: معارف را گویند۔

جفا: پوشانیدن دل سالک از مشاہدہ۔

جور: باز داشتن سالک از سلوک عروج۔

خشم: ظہور صفات قہر را گویند۔

دلدار: صفت باسطی را گویند۔

دِلبر: صفت قابضی را گویند۔

زلف: غیب ہویت را گویند۔

گیسو: ظاہر طالب را گویند۔

میخانہ: لاہوت را گویند۔

بادہ: عشق را گویند۔

وصل: عبارت است از نسیانِ خود بشہود نورِ وجودِ حق تعالیٰ۔

وفا: عنایتِ ازلی را گویند۔

غمگساری: صفتِ رحمانی را گویند۔

تفرد: عبارت است از تنہا کردن سر از جمیع ما سوی اللہ تعالیٰ۔

اتحاد: عبارت است از اِستغراق در ہستی حضرت سبحانہ وتعالیٰ۔

شقاوت: عبارت است از حق تعالیٰ باز ماندن۔

سعادت: عبارت از غیر اخلاص شدن برائے دیدن حق تعالیٰ۔

(تعلیم الدین ناقلاً عن جواہرِ غیبی)

تصوّرِ شیخ

اس کو برزخ، رابطہ اور واسطہ بھی کہتے ہیں، اس کے یہ معنی تو آج تک کسی محقق نے بیان نہیں فرمائے کہ خدا تعالیٰ کو پیر کی شکل میں سمجھے، یہ تو محض باطل ہے، کتبِ فنِ تصوّف میں اس قدر مذکور ہے کہ شیخ کی صورت اور اس کے کمالات کے زیادہ تصوّر کرنے سے اُس سے محبت پیدا ہوجاتی ہے، اور نسبت قوی ہوتی ہے، اور نسبت کی قوت سے طرح طرح کی برکات ہوتی ہیں۔

اور بعض محققین نے تصوّرِ شیخ میں صرف یہ فائدہ بیان فرمایا ہے کہ ایک خیال دُوسرے خیال کا دافع ہوتا ہے، اس سے یکسوئی میسر ہوجاتی ہے اور خطرات دفع ہوجاتے ہیں، چنانچہ حضرت کلیم اللہ صاحب قدس سرہٗ نے کشکول میں یہی حکمت بیان فرمائی ہے، اس کے بعد فرماتے ہیں:

"ہر چند برزخ لطیف تر بود کارِ نیکو نیکو بود، ہر چند کثیف بود و از صور مرئیہ بود کار زبوں تر بود۔"

بہرحال اس میں جو کچھ حکمت و فائدہ ہو، راقم (یعنی مولانا اشرف علی مدظلہٗ) کا تجربہ یہی ہے کہ یہ شغل خواص کو تو مفید ہوتا ہے مگر عوام کے لئے سخت مضر ہے کہ اس سے صورت پرستی کی نوبت آجاتی ہے، اسی واسطے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ محققین نے عوام اور اغنیاء کے لئے ایسے اشغال کی تعلیم سے منع فرمایا ہے جس سے کشف وغیرہ ہوتا ہو، اس لئے عوام کو تو بالکل اس سے بچنا چاہئے اور خواص بھی اگر کریں تو احتیاط کی حد تک محدود رکھیں، اس کو حاضر و ناظر اور ہر وقت اپنا دستگیر نہ سمجھ لیں، کیونکہ کثرتِ تصوّر سے کبھی صورتِ مثالیہ رُوبرو حاضر ہوجاتی ہے، کبھی تو وہ محض خیال ہوتا ہے، اور کبھی کوئی لطیفۂ غیبی اس شکل میں متمثل ہوجاتا ہے، اور شیخ کو اکثر

اوقات خبر تک بھی نہیں ہوتی، اس مقام پر اکثر ناواقفوں کو لغزش ہوجاتی ہے۔
(تعلیم الدین)

اور شیخ کے ساتھ اس طور رابطہ کیا جائے تو افضل ہے کہ اللہ تعالیٰ سے فیض یعنی رحمت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سینۂ مبارک سے ہوتے ہوئے مرشد کے سینے سے میرے سینے میں آرہی ہے، جیسے بارش چھت پر برستی ہے اور پرنالے سے ہوتی ہوئی زمین پر گرتی ہے (اس سے تصوّرِ شیخ پر جو اِشکال وارد ہوتے ہیں، نہیں ہوں گے)۔

فصل:

حجاب کی اقسام اور وقوفِ سالک:

فوائد الفوائد یعنی جواہرِ غیبی میں ہے کہ:

سالک وہ ہے جو راہ چلے، اور واقف وہ ہے جو بیچ میں اَٹک جائے، پس اگر سالک سے عبادت میں کوتاہی ہوجائے، اگر وہ جلد ہی توبہ و اِستغفار کرکے پھر بدستور سرگرم ہوگیا تو دوبارہ سالک بن جائے گا، اور اگر خدانخواستہ وہی غفلت رہی تو اندیشہ ہے کہ کہیں راجع، یعنی واَپس نہ ہوجائے، اس راہ کی لغزش کے سات درجے ہیں:

۱:...اعراض۔ ۲:...حجاب۔ ۳:...تفاصل۔ ۴:...سلب مزید۔
۵:...سلب قدیم۔ ۶:...تسلی۔ ۷:...عداوت۔

شروع میں اعراض ہوتا ہے، اگر معذرت و توبہ نہ کی تو حجاب ہوجائے گا، اگر پھر بھی اصرار رہا تو تفاصل ہوجائے گا، اگر اب بھی اِستغفار نہ کیا تو عبادت میں جو ذوق و شوق کی ایک زائد کیفیت تھی وہ سلب ہوجائے گی، اور یہ سلب مزید ہے، اگر اب بھی اپنی بیہودگی نہ چھوڑی تو زیادتی (تقصیر) سے پہلے عبادت میں جو راحت

وحلاوت تھی وہ بھی سلب ہوجائے گی، اس کو سلب قدیم کہتے ہیں، اگر اس پر بھی توبہ میں تقصیر کی تو جدائی کو دِل گوارا کرنے لگے گا، یہ تسلی ہے، اگر اب بھی وہ غفلت میں رہے تو محبت عداوت میں بدل جائے گی، نعوذ باللہ منہا! (تعلیم الدین وغیرہ)

فصل:

دَر اقسامِ اولیاء

تعلیم الدین میں بحوالہ انوار العارفین مذکور ہے کہ: اس باب میں بزرگوں کی مختلف عبارتیں ہیں، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ سب بارہ گروہ ہیں:

۱:...اقطاب۔ ۲:...غوث۔ ۳:...امامین۔ ۴:...اوتاد۔

۵:...ابدال۔ ۶:...اخیار۔ ۷:...ابرار۔ ۸:...نقباء۔

۹:...نجباء۔ ۱۰:...عمد۔ ۱۱:...مکتومان۔ ۱۲:...مفردان۔

قطب العالم: ایک ہوتا ہے۔ اس کو قطب العالم، قطبِ اکبر، قطب الارشاد، قطب الاقطاب اور قطب المدار بھی کہتے ہیں، اور عالمِ غیب میں اُس کا نام ''عبداللہ'' ہوتا ہے، اُس کے دو وزیر ہوتے ہیں، جو امامین کہلاتے ہیں، وزیر یمین کا نام ''عبدالملک''، وزیر یسار کا نام ''عبدالربّ'' ہوتا ہے، اور بارہ قطب اور ہوتے ہیں، سات تو سات اِقلیم میں رہتے ہیں، ان کو قطبِ اِقلیم کہتے ہیں، اور پانچ یمن میں، ان کو قطبِ ولایت کہتے ہیں، یہ عدد تو اقطابِ معینہ کا ہے، اور غیر معین ہر قریہ اور ہر شہر میں ایک ایک قطب ہوتا ہے۔

غوث: ایک ہوتا ہے، بعض نے کہا ہے کہ قطب الاقطاب ہی کو غوث کہتے ہیں، بعض نے کہا ہے کہ وہ اور ہوتا ہے، اور وہ مکہ میں رہتا ہے، بعض نے اس میں بھی اختلاف کیا ہے، اوتاد چار ہوتے ہیں، عالم کے چار رُکن (کونوں) میں رہتے ہیں۔

ابدال: چالیس ہوتے ہیں، بائیس یا بارہ شام میں، اور اٹھارہ یا اٹھائیس عراق میں رہتے ہیں۔

اخیار: پانچ سو یا سات سو ہوتے ہیں، اور ان کو ایک جگہ قرار نہیں ہوتا، وہ سیاح ہوتے ہیں، ان کا نام "حسین" ہوتا ہے۔

ابرار: اور اکثر نے ان کو ہی ابدال کہا ہے۔

نقباء: تین سو ہوتے ہیں، ملکِ مغرب میں رہتے ہیں، سب کا نام "حسن" ہے۔

عمد: چار ہوتے ہیں، زمین کے چار گوشوں میں رہتے ہیں، سب کا نام "محمد" ہوتا ہے۔

غوث: ترقی کر کے فرد ہو جاتا ہے، اور فرد ترقی کر کے قطبِ وحدت ہو جاتا ہے، اور مکتوم تو مکتوم ہی ہیں۔

فصل:

اصلاحِ اغلاط میں:

بعض کہتے ہیں کہ فقیری میں اتباعِ شریعت کی ضرورت نہیں، فتوحات میں ہے: "حقيقة على خلاف الشريعة زندقة باطلةٌ" یعنی جو حقیقت شریعت کے خلاف ہو، بددینی اور مرُدود ہے۔

اسی طرح مجدّد الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ سے مکتوبات میں، دلیل العارفین ملفوظات حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ، قوت القلوب ابوطالب مکی، رسالہ قشیریہ میں ذوالنون مصری اور سری سقطی وغیرہما رحمۃ اللہ علیہم سے اسی طرح منقول ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ عشقِ مجازی کے سوا عشقِ حقیقی حاصل نہیں ہوتا، اوّل تو یہ

قاعدہ کلیہ نہیں، دُوسرے یہ کہ حلال موقع پر بھی تو عشقِ مجازی ہوسکتا ہے، بہر حال اس قاعدہ میں نکتہ یہ ہے کہ عشقِ مجازی سے دِل کے متفرق تعلقات ٹوٹ جاتے ہیں، اور نفس ذلیل ہوجاتا ہے، پھر صرف ایک بلا کو دفع کرنا رہ جاتا ہے، لہٰذا صرف اُس کے دفع کرنے سے ہی کام بن جاتا ہے، تو اس عشقِ مجازی کے لئے اپنی اولاد، بیوی، گائے، بھینس اور دُوسری چیزیں بھی تو ہیں، غیر عورت یا بے ریش مرد کی کیا تخصیص ہے؟ تاہم اگر اتفاقاً کہیں دِل پھنس ہی جائے تو اس پُل سے جلدی گزر رے ورنہ تمام عمر اس میں مبتلا رہے گا، مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ولے باید کہ در صورت نمانی
وزیں پُل زُود خود را بگزرانی

ترجمہ:... ''اور لیکن چاہئے کہ ایک صورت میں نہ رہے
تو، اور اس پل سے جلدی اپنے کو گزارے تو۔''

یہاں تو ہر روز نیا معشوق تجویز ہوتا ہے، بقولِ شاعر:

زنِ نو کن اے یار در ہر بہار
کہ تقویمِ پارینہ ناید بکار

ترجمہ:... ''نئی عورت کر اے یار ہر بہار میں، کیونکہ
بوسیدہ جنتری کام میں نہیں آتی۔''

حظوظِ نفسانیہ ولذّاتِ شہوانیہ کے حاصل کرنے کے لئے بزرگوں کے اقوال کو آڑ بنانا بُری بات ہے:

خلق را گیرم کہ بفریبی تمام
در غلط اندازی تا ہر خاص و عام

ترجمہ:... ''فرض کیا میں نے کہ تمام مخلوق کو فریب دیتا

ہے تو، غلطی میں ڈالتا ہے تو، یہاں تک کہ ہر خاص و عام کو۔‘‘

کارہا باخلق آری جملہ راست
باخدا تزویر و حیلہ کے رواست

ترجمہ:... ’’تمام کام مخلوق کے ساتھ لا دُرست، خدا کے ساتھ جھوٹ اور حیلہ کب جائز ہے۔‘‘

کاربارِ اُو راست باید داشتن
رایت اخلاص و صدق افراشتن

ترجمہ:... ’’اس کا کاروبار دُرست چاہئے رکھنا، صدق و اِخلاص کا علم بلند چاہئے رکھنا۔‘‘

بعض لوگوں میں یہ غلطی ہوتی ہے کہ زبان اور پیٹ کی احتیاط نہیں کرتے، یعنی جو کلمہ چاہتے ہیں بے باک ہوکر منہ سے نکال دیتے ہیں، خواہ اس سے کفر ہی کیوں نہ ہوجائے یا حق تعالیٰ کی بارگاہ میں گستاخی اور بے ادبی ہی کیوں نہ ہوجائے:

بے ادب را اندریں رہ بار نیست
جائے او بر دار شد در دار نیست

ترجمہ:... ’’اس راہ میں بے ادب کو کچھ ثمرہ نہیں ملتا، اس کی جگہ سولی پر ہے، گھر میں نہیں ہے۔‘‘

خصوصاً وحدۃ الوجود کے دعوے میں تو زبان کو لگام ہی نہیں، کبھی خدا کو بندہ بنادیا، اور کہیں بندے کو خدا ٹھہرایا:

اے بُردہ گمان کہ صاحبِ تحقیقی
واندر صفتِ صدق و یقیں صدیقی

ہر مرتبہ از وجود حکمے دارد
گر حفظِ مراتب نہ کنی زندیقی

ترجمہ:... ''اے وہ کہ گمان کیا تو نے کہ صاحبِ تحقیق ہے تو، اور اس صفت میں سچا اور صادق الیقین ہے تو۔ وجود کا ہر مرتبہ ایک حکم رکھتا ہے، اگر حفظِ مراتب نہ کرے تو زندیق ہے تو۔''

اس مسئلے میں جو خاص غرض تھی کہ غیر اللہ کو دِل سے نکال دیا جائے، اس کی تو ہوا بھی نہیں لگتی، زبانی جمع خرچ سے کیا ہوتا ہے؟:

از ساحتِ دل غبارِ کثرت رُفتن
خوشتر کہ بہر زہ دُرِ وحدت سُفتن
مغرورِ سخن مشو کہ توحیدِ خدا
واحد دیدن بود نہ واحد گفتن

ترجمہ:... ''دِل کے میدان سے غبارِ کثرت چلے جانا، بہتر ہے کہ بیہودہ وحدت کے موتی پرونا۔ بات پر مغرور مت ہو کیونکہ خدا کی توحید، واحد یقین کرنا ہے نہ کہ واحد کہنا (زبانی)۔''

اور شکم کی بے احتیاطی یہ ہے کہ حلال و حرام کی کچھ پروا نہیں، سودخور، زنِ بازاری یا جو کوئی بھی ہو، سب کی دعوت اور نذرانہ قبول کرلیتے ہیں، وغیر ذالک من الاغلاط لا تعد ولا تحصیٰ!

من جملہ ان اغلاط کے اپنے کمالات کا صراحۃً یا اشارۃً افتخار کے ساتھ دعویٰ ہوتا ہے، اور دُوسروں کی تحقیر و توہین، حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''فَلَا تُزَكُّوا

اَنۡفُسَکُمۡ''، البتہ اگر اظہارِ نعمت کی غرض سے موقع کی کوئی بات کہی جائے اور اس کو اپنا کمال نہ سمجھیں، محض فضلِ خداوندی سمجھیں تو مضائقہ نہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَاَمَّا بِنِعۡمَةِ رَبِّکَ فَحَدِّثۡ''۔

ایک غلطی یہ ہے کہ بعض جاہل صوفیہ احادیث بیان کرنے میں بے احتیاطی کرتے ہیں، چنانچہ کسی اُردو، فارسی یا عربی کی غیرمعتبر کتاب میں حدیث کا نام دیکھ لیا تو اُسے روایت کرنے لگے، اور اس سے استدلال شروع کردیا، جیسے: ''اَنَا عَرَبٌ بِلَا عَیۡنٍ'' اور اس کی مانند دُوسری عبارات کہ جن کے الفاظ کا پتا ہے اور نہ معانی کا نشان، حالانکہ حدیث شریف میں اس پر سخت وعید آئی ہے، چنانچہ ارشاد ہے:

''مَنۡ کَذَبَ عَلَیَّ مُتَعَمِّدًا فَلۡیَتَبَوَّءۡ مَقۡعَدَهٗ مِنَ النَّارِ.''

تو حدیث کی تحقیق علمائے حدیث سے کرنا چاہئے، پھر زبان پر لانا چاہئے۔

ان کی اغلاط میں سے ایک غلطی یہ ہے کہ بعض کا اعتقاد ہے کہ فقیری میں ایک ایسا درجہ آتا ہے کہ وہاں پہنچ کر اَحکامِ شرعی ساقط ہوجاتے ہیں، یہ محض غلط ہے۔ کسی نے حضرتِ جنید رحمۃ اللہ علیہ سے ذکر کیا کہ: بعض کہتے ہیں کہ ہم تو واصل ہوگئے، اب ہم کو اِن ظاہری اَحکام کی کیا حاجت ہے؟ آپؒ نے فرمایا: بے شک واصل تو ہوگئے، مگر جہنم رسیدہ ہوئے، خدا رسیدہ نہیں ہوئے!

مسائلِ فرعیہ

اس میں بعض ضروری مسائل بیان کئے جاتے ہیں:

مسئلہ:... وصول کے بعد مردُود نہیں ہوتا، اس لئے کہ جو بھی مردُود ہوا، وصول سے پہلے ہی ہوا۔

مسئلہ:... اولیاء کو عبادت میں دُوسروں سے زائد ثواب ملتا ہے، کیونکہ

عبودیت و اِخلاص زیادہ ہوتا ہے، اِسی طرح اعلیٰ درجے کے ولی کو ادنیٰ درجے کے ولی سے عبادت کا زیادہ ثواب ہوتا ہے۔

مسئلہ:... خرقِ عادت کئی قسم پر ہے:

خرقِ عادت کی ایک قسم کشف ہے، پھر وہ کشف دوطرح کا ہوتا ہے:

ا:... کشفِ کونی، وہ یہ کہ بُعد مکانی یا زمانی اُس کے لئے حجاب نہ رہے، کسی چیز کا حال معلوم ہوجائے۔

۲:... دوم کشفِ الٰہی، وہ یہ کہ سلوک سے متعلق، یا ذات و صفات سے متعلق علوم و معارف اس کے قلب پر وارد ہوں یا عالمِ مثال میں متمثل ہوکر مکشوف ہوں۔

خرقِ عادت کی دوسری قسم اِلہام ہے، وہ یہ کہ قلب پر اطمینان کے ساتھ کوئی علم القا ہو، اور کبھی کبھی ہاتفِ غیبی کی آواز بھی سن لیتا ہے۔

تیسری قسم تصرف ہے، پھر وہ دوطرح کا ہوتا ہے، مرید کے باطن میں اس طرح کا اثر ڈالنا جس نے اُس کو حق تعالیٰ کی طرف کشش پیدا ہوجائے، دوم یہ کہ اشیائے عالم میں اثر ڈالنا، خواہ ہمت سے ہو یا دُعا سے۔ اس باب میں اولیاء اللہ سے بے شمار حکایتیں منقول ہیں۔

مسئلہ:... کشف و الہام سے علمِ ظنی حاصل ہوتا ہے، لہٰذا اگر وہ قواعدِ شرعیہ کے موافق ہوتو قابلِ عمل ہوگا، ورنہ واجب الترک ہوگا۔

مسئلہ:... خوارق کا ہونا ولایت کے لئے ضروری نہیں، بہت سے صحابہ کرامؓ سے عمر بھر میں ایک بھی خرقِ عادت نہیں ہوا، حالانکہ سب اولیاء سے افضل ہیں، لہٰذا فضیلت کا مدار قربِ الٰہی و اِخلاصِ عبادت پر ہے نہ کہ خرقِ عادت پر، کیونکہ خوارق تو اکثر جوگیوں سے بھی صادر ہوجاتے ہیں، جو کہ ریاضت کا ثمرہ ہے، خرقِ عادت کا رُتبہ ذکرِ قلبی سے بھی کم ہے۔

عارفین کی بڑی کرامت یہ ہے کہ وہ شریعت پر مستقیم ہوں، اور ان کا بڑا کشف یہ ہے کہ وہ طالبانِ حق کی استعداد معلوم کرکے اس کے موافق ان کی تربیت کریں۔ شیخِ اکبرؒ نے لکھا ہے کہ بعضے اہلِ کرامت نے مرتے وقت یہ تمنا کی کہ کاش ہم سے کرامتیں ظاہر نہ ہوتیں۔ رہا یہ شبہ کہ پھر اولیاء کا اولیاء ہونا کس طرح معلوم ہوگا؟ سو اوّل تو ولایت اَمرِ خفی ہے، اُس کے معلوم ہونے کی کیا ضرورت؟ اور اگر معلوم کرنے سے یہ غرض ہے کہ ہم ان سے مستفید ہوں، تو ان کی صحبت وتعلیم سے شرف حاصل کرو، جب اپنی حالت روز بروز متغیر پاؤ گے تو خود ہی معلوم ہوجائے گا کہ یہ شخص صاحبِ تأثیر ہے۔

یہ سب "تعلیم الدین" اور "ارشاد الطالبین" سے مأخوذ ہے اور مکتوب خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ میں بھی اسی طرح ہے۔

مسئلہ:... عورتوں کو دست بدست بیعت نہ کرنا چاہئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی عورت کو بیعت کرتے وقت ہاتھ نہیں لگایا، چنانچہ صاحبِ محبوب السالکین لکھتے ہیں کہ:

> "بیعت کنانیدن نسواں این است اگر نساء غائب است بوکالت محارم نسبی یا رضاعی بیعت کند و آنچہ شرائط است بموکل می فرماید وخرقہ دامنی دہد و اگر نسواں حاضر است در پردہ مرید کند، بیعتِ دست نہ کند، چنانچہ عہد بارجال کند بعورت نہ کند، انتہیٰ۔"

خواتین سے بیعت کرتے وقت وہ عہد لے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نسواں سے لیتے تھے، جیسا کہ قرآنِ کریم میں ہے:

"یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا جَآءَکَ الْمُؤْمِنٰتُ یُبَایِعْنَکَ

عَلٰی اَنْ لَّا یُشْرِکْنَ بِاللّٰہِ شَیْئًا ....الخ.‘‘

مسئلہ سماع:

ہر چند کہ یہ مسئلہ اختلافی ہے، لیکن اگر عدمِ جواز کے قائلین کے دلائل سے بالکل قطعِ نظر کر کے اس کو جائز سمجھا جائے، تب بھی تو جوازِ سماع کے لئے بہت سی شرائط ہیں، انصاف سے دیکھنا چاہئے کہ اس زمانے میں کون سی مجلس اُن آداب و شرائط کے ساتھ ہوتی ہے؟ نہ وہ اخوان ہیں، نہ زمان اور نہ مکان، صرف ایک رسم سی رہ گئی ہے، ہر قسم کے لوگ مختلف نفسانی اغراض سے جمع ہوتے ہیں اور سماع کرتے ہیں، جس سے بزرگوں کے طریقے کی سخت بدنامی ہوتی ہے، اس مقام پر صرف حضرت سلطان المشائخ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہٗ کا ارشاد فوآد سے نقل کئے دیتے ہیں:

’’چند چیز موجود شود سماع آنگاہ شنوند و آں چیست؟
مسمع است و مسموع و مستمع و آلۂ سماع است۔ فرمودند مسمع:
گوئندہ است، می باید کہ مردِ تمام باشد، کودک و عورت نباشد، اما
مسموع: آنچہ می گوید، باید کہ ہزل و فحش نباشد و اما مستمع: آنکہ می
شنود، باید کہ بحق شنو و مملو باشد از یادِ حق و اما آلۂ سماع: و آں
مزامیر است، چوں چنگ و رُباب مثلِ آں باید کہ درمیان نبود
ایں چنیں سماع حلال باشد۔‘‘

اب آگے انصاف درکار ہے، اگر ان شرائط سے قطعِ نظر کر لی جائے تب بھی سمجھنا چاہئے کہ سماع میں ایک خاص اثر ہے کہ کیفیتِ غالبہ کو قوت دیتا ہے، اس زمانے میں چونکہ اکثر نفوس میں خبث اور غیر اللہ کی محبت غالب ہے، لہٰذا اسی خبث اور غیر اللہ کی محبت کو غلبہ ہوگا، پھر جب غیر اللہ حرام ہے تو اس کے سبب کو کیا فرمایئے گا...؟

مسئلہ:... کاملین کو بھی طلبِ مزید لازم ہے، لہٰذا قربِ الٰہی میں قناعت کسی وقت بھی نہیں چاہئے جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے: ''وَقُلْ رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا'':

اے برادر! بے نہایت در گہیست
ہرچہ بروے می رسی بروے مائیست

جب تک جان باقی ہے، مجاہدہ باقی ہے، کیونکہ ارشادِ الٰہی ہے: ''وَاعْبُدْ رَبَّکَ حَتّٰی یَأْتِیَکَ الْیَقِیْنُ''۔

مسئلہ:... قرآن و حدیث کے ظاہری معنٰی کا انکار کفر ہے، البتہ ظاہر کو تسلیم کر کے اُس کے باطن کی طرف عبور کرنا محققین کا مسلک ہے۔

(تعلیم الدین، ہٰکذا فی ارشاد الطالبین)

تتمہ

اُصول الوصول اور ضوابط سالک میں طالبِ صادق اور سالکِ طریق کے لئے مندرجہ ذیل مجمل اُمور کا لحاظ رکھنا ضروری ہے، لہٰذا یہ چند ضوابط نہایت کارآمد اور یادرکھنے کے قابل ہیں:

ا:...اتباعِ سنت ظاہراً و باطناً ہونا چاہئے، کیونکہ:

خلافِ پیمبرؐ کسے راہ گزید
ہرگز بمنزل نخواہد رسید

ترجمہ:...''جس نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف راستہ اختیار کیا، وہ کبھی منزلِ مراد پر نہیں پہنچ سکتا۔''

۲:...شیخِ کامل اور متبعِ سنت کی اِتباع ہو۔

۳:...اپنا حال خواہ بھلا ہو یا بُرا، شیخ کو سب کی اطلاع دے، اور اس کی تلقین فرمودہ اصلاح کی تحصیل کے لئے پوری کوشش کرے۔

۴:...سالک کے لئے استعجال اور جلدی ثمرہ حاصل ہونے کا تقاضا مضر ہے، کیونکہ ایسا شخص اپنے رہبر پر قناعت وطمانیت نہیں رکھتا، بلکہ اہل و نااہل اور حقائق کی تخصیص بھی نہیں رکھتا، ہرکس و ناکس سے چارہ جوئی کرتا ہے جس سے سب کو اس کا مخفی حال معلوم ہوتا ہے، حالانکہ مخفی حال کا اظہار بجز مرشد کے کسی غیر سے مذموم ہے، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہرجائی ہونے کی وجہ سے ایسے شخص پر کسی کی پوری توجہ و

شفقت نہیں ہوتی، اور شیخ کی عنایت اور لطف بھی جاتا رہتا ہے، اور مزید براں یہ کہ جس چیز کو جلدی چاہتا ہے اس کا حصول خارج از اختیار ہوتا ہے، اس سے پریشانی مزید بڑھتی ہے۔

۵:... حکیم الاُمت حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی دامت برکاتہم کے مکتوباتِ طیبہ میں ہے کہ:

من جملہ موافق طریق سلوک کے دو اَمر خاص ہیں، جو اس قدر کثیرالوقوع ہیں کہ شاید ہی کوئی سالک ان میں مبتلا ہونے سے بچا ہو، بلکہ اہلِ علم بھی ان میں مبتلا ہیں، اُن میں سے ایک یہ ہے کہ بعض غیراختیاری اُمور کی تحصیل کی فکر میں پڑجاتے ہیں، ذوق، شوق، استغراق، لذّت، یکسوئی، خطرات، سوزش، انجذاب، عشق وطبعی و امثالہا، ان اُمور کو ذکر و شغل و مجاہدات کے ثمرات سمجھتے ہیں، اور ان کے حاصل نہ ہونے کو حرمان سمجھتے ہیں۔

اور دُوسرا یہ کہ بعض اُمورِ غیراختیاریہ کے ازالے کے اہتمام میں لگ جاتے ہیں، جیسے قبض، ہجوم، خطرات اور دِل نہ لگنا وغیرہ، یا کسی آدمی یا مال کی طبعی محبت یا شہوت یا غضبِ طبعی کا غلبہ یا قلب میں رقت نہ ہونا یا رونا نہ آنا یا کسی دُنیوی غم کا غلبہ یا کسی دُنیوی خوف کا غلبہ و امثالہا، اور ان اُمور کو طریق کے لئے مضر اور مقصود سے مانع سمجھتے ہیں، اور ان کے زائل نہ ہونے کو موجبِ بُعد عند اللہ سمجھتے ہیں، یہ ہیں وہ دو اَمر جن میں عام طور پر اہلِ سلوک مبتلا ہیں، اور ان ہر دو میں اَمرِ مشترک یہ چیز ہے کہ اُمورِ غیراختیاریہ کے درپے ہوتے ہیں، تحصیلاً یا ازالۃً، اور اُمورِ غیراختیاریہ کے درپے ہونا متعدّد مفاسد پر مشتمل ہے۔

ایک مفسدہ یہ ہے ... اور یہ اعتقادی مفسدہ ہے ... کہ اس میں در پردہ حق تعالیٰ کے ارشاد: "لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا" کی مزاحمت ہے، کیونکہ جب اُمورِ

غیراختیاریہ ہیں تو انسان کی طاقت میں نہ ہوئے، نہ تحصیلاً نہ اِزالۃً، کیونکہ قدرت ضدّین سے معلوم ہوتی ہے، تو جس چیز کی تحصیل اختیار میں نہیں، اس کا ازالہ بھی اختیار میں نہیں، اسی طرح جس چیز کا ازالہ اختیار میں نہیں، اُس کی تحصیل بھی اختیار میں نہیں، پس جب یہ انسان کی طاقت و اختیار میں نہ ہوئے اور سالک نے ان کی تحصیل یا ازالہ کو مأمور بہ کا موقوف علیہ سمجھا اور ظاہر ہے کہ مأمور بہ کا موقوف علیہ مأمور بہ ہوتا ہے، تو اس نے ان اُمور کی تحصیل یا ازالہ کو مأمور بہ سمجھا، اور مأمور بہ کے لئے وسعت و طاقت کا شرط ہونا نص سے ثابت ہے، اور یہ اختیار میں نہیں ہے، تو گویا یہ اس اَمر کا معتقد ہوا کہ مأمور بہ کے لئے طاقت و وسعت شرط نہیں، جو کہ ارشادِ الٰہی: ”لَا يُكَلِّفُ اللهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا“ کی صریح مزاحمت ہوئی، اور یہ کتنی بڑی غلطی ہے!

دُوسرا مفسدہ یہ ہے ... اور یہ عملی مفسدہ ہے ... کہ جب یہ اُمور اختیاری نہیں تو کوشش کرنے سے حاصل ہوں گے اور نہ زائل ہوں گے، مگر یہ شخص اس کی تحصیل و ازالے کے لئے کوشش کرے گا، جب کامیابی نہ ہوگی، تو روز بروز پریشانی بڑھے گی، پھر اس پر پریشانی کے درج ذیل آثار کا احتمال ہے:

اوّل:... کبھی پریشانی کے تواتر سے یہ شخص بیمار بھی ہوجاتا ہے، پھر بیماری میں بہت سے اوراد و طاعات سے محروم رہ جاتا ہے۔

ثانی:... پریشانی وغم کے غلبے سے بعض اوقات اخلاق میں تنگی ہوجاتی ہے اور دُوسروں کو اس سے اذیت پہنچتی ہے۔

ثالث:... فکر وغم کے غلبے سے بعض اوقات اہل وعیال یا دیگر اہلِ حقوق کے حقوق ادا کرنے میں کوتاہی ہونے لگتی ہے اور معصیت تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔

رابع:... کبھی پریشانی اس حد تک پہنچ جاتی ہے کہ مقصود سے مایوس ہوکر

خودکشی کرلیتا ہے، اور ''خَسِرَ الدُّنیَا وَالْاٰخِرَۃَ'' کا مصداق ہوجاتا ہے۔

خامس:...کبھی مایوس ہوکر اعمال و طاعات کو بے کار سمجھ کر چھوڑ بیٹھتا ہے اور بطالت و تعطلِ محض تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔

سادس:...کبھی شیخ سے بداعتقاد ہوتا ہے کہ مقصود کا راستہ خود ان ہی کو معلوم نہیں۔

سابع:...کبھی حق تعالیٰ سے ناراض ہوجاتا ہے کہ ہم اتنی کوشش اور مجاہدہ کر رہے ہیں، مگر کامیابی نہیں ہوتی، ذرا بھی رحمت نہیں فرماتے، بالکل توجہ نہیں دیتے، خدا جانے وہ تمام وعدے کہاں گئے؟ جن میں فرمایا گیا تھا: ''وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا'' الآیۃ، ''وَمَنْ تَقَرَّبَ اِلَیَّ شِبْرًا تَقَرَّبْتُ اِلَیْہِ ذِرَاعًا'' الحدیث۔ نعوذ باللہ! نصوص کی صریح تکذیب کرنے لگتا ہے، نعوذ باللہ من الحور بعد الکور! غرض یہ نمونہ ہے ان مفاسد کا جن میں کہیں مضرّتِ بدنی و نفسی ہے، اور کہیں مضرّتِ دینی، معصیت یا کفر۔

اسی وجہ سے میں نے تمہید کی سطرِ اوّل میں ان دونوں اُمور کو مانعِ طریقِ سلوک کہا ہے، اور اہلِ طریق نے ہر زمانے میں ان موانع کا حسبِ استعدادِ طالبین معالجہ فرمایا ہے، ان ہی معالجات میں سے وہ معالجات بھی ہیں جو اس زمانے کی حالت واستعداد کے موافق وقتاً فوقتاً تربیت السالک کا جزو بنتے رہتے ہیں، انتہیٰ۔

اور دُوسرے مکتوب میں جو مولانا سیّد سلیمان ندوی کی طرف بھیجا ہے، اس میں تحریر فرمایا ہے کہ:

مأمور بہ وجوباً یا استحباباً صرف افعال ہی ہیں، انفعالات نہیں، مثلاً استقامت، تثبت، رغبت الی الطاعات، التزامِ فرائض، تنفر عن البدعات، لذّت، ذوق، اِخلاص اور اصلاحِ قلب و امثالہا، ان میں جو چیزیں یا بعض چیزوں کے وہ

اجزاء جوارحی افعال ہیں، وہ مأمور بہ ہیں، کیونکہ وہی اختیاری ہیں، البتہ وہ انفعالات بعض تو مطلقاً اور بعض خاص اَحوال میں محمود ضرور ہیں، اور اس درجے میں مطلوب بھی ہیں، مگر وہ سب انہیں افعال کے آثار وثمرات ہیں، اور افعال ہی ان کے اسباب ہیں، جو فی الجملہ یا فی الاکثر ان کی طرف مفضی ہیں، ان کے علل نہیں کہ ان سے متخلّف ہی نہ ہوں، اگر تخلّف بھی ہو تو مضر نہیں، کیونکہ اصل مقصود قرب و رضا کی وہ شرط نہیں، فقط۔

۶:...سالک کو چاہئے کہ طریقِ سلوک میں اپنے لئے کسی خاص حالت کو، جو کہ اس کے موافق ہو، یا اس میں بالذات اپنی منفعت سمجھتا ہو، جیسے: شوق، اُنس، وجد یا تجلی خاص وغیرہ ہرگز تجویز نہ کرے، اس میں نفس کا ایک خفی مکر ہے کہ طلبِ حق میں بھی اپنی مرغوبات و مشتہیات کو نہیں چھوڑتا، اور مشقت سے بھاگتا ہے، لہٰذا اس میں اپنے آپ کو مرشد کے حوالے کردے، کیونکہ تربیت کا طریق خود مربی زیادہ جانتا ہے:

چونکہ بر میخت بہ بند و بستہ باش
چوں بکشاید چابک و برجستہ باش

ترجمہ:...''جبکہ وہ ڈالے تو بند و بستہ ہو، جب وہ کھولے تو چالاک و برجستہ ہو۔''

۷:...تعلقات نہ بڑھانا چاہئے، نہ دوستی کے اور نہ دُشمنی کے، کیونکہ دونوں میں ایک مستقل شغل ہوگا، جس سے جان کو وبال لگ جائے گا اور یہ شغل ذکر اللہ میں خلل انداز ہوگا۔

۸:... نیاز کی راہ کو اختیار کرے کیونکہ نیاز ہی وصول کا موقوف علیہ ہے، لہٰذا ناز اور دعویٰ سے بچے۔

۹:...نفس کے حقوق کو باقی اور حظوظ کو فانی کرے۔

۱۰:...اہلِ محبت کی صحبت اختیار کرے۔

۱۱:...صفاتِ جلال کے ظہور کے وقت رجاء منقطع نہ کرے اور صفاتِ جمال کے ظہور کے وقت انوار وغیرہ کو مقصود نہ رکھے۔

۱۲:...اصلی غرض رضا کو سمجھے اور اس میں ہر دم عمل، سعی، توجہ، ارادہ، دُعا اور التجا سے مزید کا طالب رہے:

اے برادر بے نہایت در گہیست
ہر چہ بروے می رسی بروے ماست

(کل ذالک من کتاب وصول الوصول ومکتوب سیّد سلیمان ندوی مُلتقطاً)

تحقیقاتِ مفیدہ

اس میں گفتگو ہے کہ نبوّت افضل ہے یا ولایت؟ یعنی محض توجہ الی الحق افضل ہے یا توجہ الی الحق کے ساتھ توجہ الی الخلق ہے، اوّل کو ولایت سے اور ثانی کو نبوّت سے تعبیر کیا گیا ہے، اس سے منصبِ نبوّت و ولایت ہرگز ہرگز مراد نہیں، مگر اس پر اتفاق ہے کہ ولی سے نبی افضل ہے، کیونکہ وہ نبوّت و ولایت کے جامع ہوتے ہیں، جو لوگ نبوّت کی افضلیت کے قائل ہیں، وہ نبی کی ولی پر افضلیت سے استدلال کرتے ہیں، اور جو ولایت کی افضلیت کے قائل ہیں، وہ کہتے ہیں کہ ولایت میں توجہ الی الحق ہے، اور نبوّت میں توجہ الی الخلق، پس ولایت افضل ہوئی۔

لیکن تحقیق یہ ہے کہ ولایت بے شک توجہ الی الحق ہے، مگر نبوّت ایک ساتھ توجہ الی الحق والخلق ہونے کی وجہ سے مرتبہ جامعہ ہے، پس ظاہر ہوا کہ نبوّت افضل ٹھہری۔

علاوہ بریں اگر ولایت کو افضل کہا جائے تو لازم آئے گا کہ نبی کو نبوّت ملنے سے اعلیٰ سے ادنیٰ کی طرف نزول ہوتا ہے، کیونکہ نبی قبل از نبوّت ولی ہوتا ہے، پھر

نبوّت ملتی ہے، مگر دونوں فریق میں نزاعِ لفظی ہے، کیونکہ جو لوگ نبوت کو افضل سمجھتے ہیں، وہ نبوّت کو معنی مطابقی پر محمول کرتے ہیں، اور جو لوگ ولایت کو افضل کہتے ہیں وہ نبوّت کے معنی تضمنی یعنی توجہ الی الخلق کے اعتبار سے کہتے ہیں۔

سلوک دو قسم پر منقسم ہے: سلوکِ نبوّت اور سلوکِ ولایت اور ان میں سے ہر ایک کے آثار و خواص جدا جدا ہیں، جو حسبِ ذیل ہیں، اولیاء میں سے کسی پر کسی وقت فیضِ نبوّت کا غلبہ ہوتا ہے اور کبھی فیضِ ولایت کا۔

آثارِ سلوکِ ولایت:	آثارِ سلوکِ نبوّت:
۱:...طریقِ ولایت والے کھانے پینے میں تکلّفاً کمی کرتے ہیں۔	۱:...طریقِ نبوّت والے قصداً کمی نہیں کرتے، جو ملتا ہے اسی پر قناعت کرتے ہیں۔
۲:...خلق سے نفرت کرتے ہیں۔	۲:...خلق کی طرف افاضہ کے لئے رغبت کرتے ہیں، لیکن خلق سے جی نہیں لگاتے۔
۳:...اَمر بالمعروف و نہی عن المنکر نہیں کرتے، جب تک واجب نہ ہو۔	۳:...امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرتے ہیں۔
۴:... ان کو اپنے مکاشفات و تحقیقات پر اطمینان ہوتا ہے، اور اس پر عمل بھی کرتے ہیں، اگر خلافِ شرع نہ ہو۔	۴:...ان پر ادب غالب ہوتا ہے، جیسا کہ صاحبِ شرع سے منقول ہوتا ہے، اس پر اپنی طرف سے بذریعہ کشف وغیرہ نہیں بڑھاتے، اگرچہ وہ زیادت خلافِ شرع نہ ہو۔

۵:...ان کا انتہائی مقام رضا ہے، یا فناء الفنا۔

۵:... ان کا انتہائی مقام عبودیت ہے۔

فائدہ:... اس اَمر میں گفتگو ہے کہ انتہا مقامِ رضا ہے یا فناء؟ مولانا صاحب مدظلہم العالی کی تحقیق یہ ہے کہ باعتبار مقامِ تخلق کے رضا، اور باعتبارِ حال کے فناء الفنا ہے۔

۶:... ان پر ذوق و شوق غالب ہوتا ہے، اور عبادت میں لذّتِ طبعیہ آتی ہے۔

۶:... ان پر ذوق و شوق غالب نہیں ہوتا، بلکہ ان کو عبادت میں بھی طبعی مزہ نہیں آتا، یعنی اگر نہ آئے تو دِلگیر نہیں ہوتے، محض حکمِ ایزدی سمجھ کر عبادت کرتے ہیں۔

۷:...اہتمام سے دُعا نہیں مانگتے۔

۷:...بمقتضائے "اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ" دُعا مانگنا فرض سمجھتے ہیں۔

۸:... اسبابِ ظاہری کو ترک کرتے ہیں۔

۸:...دُوسروں کی نسبت زیادہ اسباب سے متمسک ہوتے ہیں، مگر بدوں انہماک کے، جیسا کہ (حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ میں دو دو زرہیں پہنی تھیں)۔

۹:... حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ طبعًا زیادہ محبت کرتے ہیں، مگر اعتقادِ فضلیت ترتیب سے ہوتا ہے۔

۹:... ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سے زیادہ محبت کرتے ہیں۔

۱۰:... شیخ کو سارے جہان سے افضل سمجھتے اور اس پر شیفتہ ہوتے ہیں۔

۱۰:... فضیلت کا یقین نہیں کرتے، محبت کرتے ہیں۔

۱۱:... یہ شریعت پر بڑی پختگی سے عمل کرتے ہیں۔

۱۱:...ان سے شرائع میں کبھی تسامح بھی ہوجاتا ہے، اور وہ معذور ہوتے ہیں۔

۱۲:...ان پر صحو غالب ہوتا ہے۔

۱۲:...اُن پر سُکر غالب ہوتا ہے۔

فائدہ:... تفصیلِ بالا سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ اولیاء خلافِ شریعت پر چلتے ہیں، کیونکہ ایک تو نصوص کا ظاہر ہے، جس پر اصحابِ حدیث چلتے ہیں، اور دُوسرے نصوص کے معانیٔ محض یا اَحکام ہیں، جن پر فقہاء عامل ہیں، تیسرے نصوص کے معنی المعنی ہیں، اس پر بعض اَحکام میں صوفیہ عامل ہیں، لیکن فقہاء کا طریق اَسلم ہے، کیونکہ شرعیات ہی سے علت مستنبط کرکے حکم کو متعدی کرتے ہیں، اور صوفیہ کبھی اپنے ذوق سے بھی علت نکال کر حکم کو متعدی کرلیتے ہیں، شرعیات سے علت نکال کر حکم متعدی کرنے کی نظیر تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے میں بھی پائی جاتی ہے، اور اس کا حجت ہونا صراحتاً ثابت ہے، بخلافِ ذوقِ محض کے، کہ اس سے علت نکال کر حکم کو متعدی کرنے کی نظیر معروف نہیں، اور محض ظاہراً: "یَتَدَبَّرُوْنَ، یَتَفَکَّرُوْنَ" کے خلاف ہے۔

۱۳:... جماعت کی پابندی کرتے ہیں اور ان کی نظر سے غیر کی مقصودیت کی بالکل نفی ہوچکتی ہے۔

۱۳:... بعض اوقات بعض مغلوبین جماعت سے بھاگتے ہیں، کیونکہ ان کو اخفا مقصود ہوتا ہے، مگر ان کی نظر میں ابھی غیر باقی ہے۔

۱۴:... یہ اگر ظاہر شرع کے خلاف شیخ کی طرف سے کوئی حکم ہو تو اس کی مخالفت کرتے ہیں، مگر ادب کے ساتھ۔

۱۴:... اگر ان کو شیخ شریعتِ ظاہر کے خلاف کوئی حکم کرے تو وہ اسے خلافِ شریعت نہیں سمجھتے، بلکہ کسی تاویل سے اس پر عمل کرلیتے ہیں، مگر غیر قطعیات میں۔

۱۵:... ان پر حبِ ایمانی غالب ہوتا ہے۔	۱۵:... ان پر حبِ عشقی غالب ہوتا ہے۔

فائدہ:... جناب مولانا اسماعیل شہیدؒ حبِ عشقی کی ترجیح کی نفی کرتے ہیں اور حبِ ایمانی کی ترجیح کے قائل ہیں، اور جناب قبلہ حاجی امداداللہ صاحب رُوحی فداہٗ اس کے عکس کے قائل ہیں۔

۱۶:... اصحابِ سلوکِ نبوّت پر ہمیشہ تنزیہ غالب رہتی ہے۔	۱۶:... اصحابِ سلوکِ ولایت پر کبھی تشبیہ غالب ہوتی ہے۔

تحقیق لطائفِ ستہ:

لطائفِ ستہ حسبِ ذیل ہیں (بجز لطیفۂ نفس کے کہ وہ عالمِ خلق سے ہے، باقی تمام لطائف عالمِ اَمر سے ہیں):

۱:... نفس۔ ۲:... قلب۔ ۳:... رُوح۔

۴:... سر۔ ۵:... خفی۔ ۶:... اخفیٰ۔

فائدہ:... مسبوق بالمدۃ والمادّۃ عالمِ خلق سے کہلاتا ہے۔

فائدہ:... غیر مسبوق بالمادّۃ ومسبوق بالمدۃ عالمِ اَمر سے کہلاتا ہے۔

لطائفِ ستہ کشف سے دریافت ہوئے ہیں، اور ان کے توحد و تعداد میں اختلاف ہوا ہے، لیکن ان کے افعالِ خاصہ سے ظاہراً ان کی تعداد پر استدلال ممکن ہے، چنانچہ:

نفس: غفلت	قلب: ذکر
رُوح: حضور	سرّ: مکاشفہ ملکوت
خفی: مشاہدہ، فناء الفناء	اخفیٰ: معائنہ فناء الفنا

فائدہ:... لطیفۂ نفس بقیہ لطائف سے متضاد ہے، اور باقی لطائف آپس میں متناسب ہیں، اور ہر تحتانی رُتبتاً فوقانی کے لئے ممد ہے، اور فوقانی تحتانی پر مشتمل، اس لئے فوقانی ذاکرہ جاری ہونے سے تحتانی ذاکرہ بھی جاری ہوجاتا ہے۔

مقاماتِ لطائف:

نفس:	زیرِ ناف	قلب:	زیرِ پستانِ چپ
رُوح:	زیرِ پستانِ راست	سرّ:	مابینِ قلب ورُوح
خفی:	مابینِ دوابرو	اخفی:	ام الدماغ

اور نقشبندیہ کے نزدیک لطیفۂ نفس کا مقام پیشانی پر ہے، اور سرّ کا مقام بائیں پستان کے سامنے سینے کی طرف، اور خفی کا مقام داہنے پستان کے سامنے سینے کی طرف، اور اخفی کا مقام نصف سینے میں لطیفۂ سرّ اور خفی کے درمیان میں ہے۔

حضرت حاجی صاحب قبلہ کی یہی تحقیق ہے، اگرچہ بعض نے کچھ اختلاف بھی کیا ہے، اور اس اختلاف کی وجہ اختلافِ کشف ہے، کیونکہ جملہ لطائف مثل مرایا متعاکسہ ہیں، جس شخص کو جہاں کسی لطیفہ کا نور نظر آیا، اُس نے وہیں اس کا مقام سمجھ لیا، جبکہ کسی کو مقامِ اصلی مکشوف ہوا۔

ہر لطیفہ کا رنگ:

نفس:	زرد	قلب:	سرخ
رُوح:	سفید	سرّ:	سبز
خفی:	نیلا	اخفی:	سیاہ

فائدہ:... لطائف کی تحقیقِ مبسوط کا اگر شوق ہو تو رسالہ ''النور'' صفحہ:۶، ۷

بابت ماہ شوال و ذوالقعد ۱۳۴۹ھ کا مطالعہ کیا جائے، اسی طرح تحقیقِ مذکور ایک رسالے کی صورت میں مرتب بھی ہے، جس کا نام: "القطائف من اللطائف" ہے۔

سیر الی اللہ کی انتہا فناء الفنا ہے، اور سیر فی اللہ کی کوئی انتہا نہیں۔

نفس اگرچہ ایک ہے، مگر تین مختلف اوصاف کے اعتبار سے اُسے: امارہ، لوّامہ، مطمئنہ بھی کہا جاتا ہے۔

مراتبِ یقین:

۱:...علم الیقین۔ ۲:...عین الیقین۔ ۳:...حق الیقین۔

علم الیقین کا مرتبہ یہ ہے کہ کوئی کسی شے کو اعتقادِ جازم کے ساتھ جان لے، جیسے: کسی کو یہ علم ہوجائے کہ آگ جلاتی ہے۔

عین الیقین یہ کہ اس کے ساتھ مشاہدہ بھی ہوجائے، مثلاً: آنکھ سے دیکھ لے کہ آگ کسی چیز کو جلا رہی ہے۔

حق الیقین یہ کہ اس کے ساتھ اتصاف بھی حاصل ہوجائے، مثلاً: کوئی شخص اپنا ہاتھ آگ میں ڈال کر دیکھ لے اور ہاتھ جل جائے۔

نصیحت:

کبھی اپنی ریاضت پر مغرور نہ ہونا چاہئے، کیونکہ اگر کوئی کافر بھی ریاضت کرے تو اس کو بھی انوار نظر آسکتے ہیں، اور وہ بھی اس چیز کی حقیقت تک پہنچ سکتا ہے جس کے لئے ریاضت کرتا ہے، اگرچہ بذریعہ اسمِ مُضِلّ ہی کے پہنچے، پس معلوم ہوا کہ محض وصول مقصود نہیں، بلکہ مقصود قبول ہے، اسمِ مضل کا مظہر جہنم ہے، کافر کی رسائی وہاں ہوگی، اور مظہر اسمِ ہادی کا مظہر جنت ہے، مؤمن کی رسائی یہاں ہوگی۔

جہلاء کو اشغال نہ بتلانا چاہئے، کیونکہ اس سے کبھی کشف ہونے لگتا ہے، اور چونکہ وہ اس کی تأویل کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے، اس لئے کہ کشف اکثر کسی نہ کسی صورتِ مثالی میں ہوتا ہے، جو محتاجِ تأویل ہے، لہٰذا مناسب ہے کہ ان کو صرف ذکر ہی تعلیم کیا جائے۔

باری تعالیٰ کی تجلی مثالی یہ ہے کہ کوئی ذات ممکنہ (جو باری تعالیٰ کے کسی وصف میں مناسبتِ تامہ کے ساتھ مشارک ہو) ظاہر ہوجاتی ہے۔

قطب الارشاد: صاحبِ تصرف شرعی ہوتا ہے، اور وہ لوگوں کو ہدایت کرتا ہے، اور قطب الاکوان: صاحبِ تصرف تکوینی ہوتا ہے، اور اس سے خرقِ عادت وغیرہ اکثر اور زیادہ صادر ہوتے ہیں۔

شغل اور فکر میں فرق یہ ہے کہ شغل: تصوّرِ ذکر کو کہتے ہیں، اور فکر: تصوّرِ مذکور کو کہتے ہیں، شغل اور مراقبہ میں فرق یہ ہے کہ شغل میں فقط محکوم علیہ کا تصوّر ہوتا ہے، جبکہ مراقبہ میں اس کی طرف محکوم بہ کی نسبت کی تصدیق کا تصوّر ہوتا ہے، محکوم علیہ: موضوع کو اور محکوم بہ: محمول کو کہتے ہیں، موضوع مثلاً اللہ ہے، اور محمول مثلاً قدیر ہے، پس ''اللہ قدیر'' میں اللہ موضوع، اور قدیر محمول ہے۔

وصیت:

طالبِ حق کو چاہئے کہ پہلے مسائل وعقائد اہلِ سنت والجماعت کے حاصل کرے، پھر رذائل: حرص، اَمل، غضب، کبر، رِیا وغیرہ سے تزکیہ کرے، اور اخلاقِ حمیدہ: صبر، شکر، اِخلاص وغیرہ سے منوّر ہووے، گناہ ہوجانے پر توبہ کرے، نعمت پر شکر، اور مصیبت پر صبر کرے، خلافِ شرع فقراء کی صحبت سے بچے، لوگوں سے بقدرِ

ضرورت تعلق رکھے، تشویش کو دِل میں نہ آنے دے، خورد ونوش اور باقی دُنیوی، دِینی اور مجاہدہ وغیرہ کاموں میں اعتدال رکھے، حق تعالیٰ کی طلب میں بے چین رہے، غرباء ومسافروں پر مہربان رہے، کم ہنسے، زیادہ روئے، موت کا ہر وقت خیال رکھے، کم گو، کم رنج، صلاح جو، نیکوکار، باوقار، بُردبار رہے، قبورِ عوام اور مزاراتِ اولیائے کرامؒ سے مستفید ہوتا رہے، رُسومِ جہل سے بچے، مرشد کا تمام درجہ ادب کرے، اور ہمیشہ استقامت کی التجا کرتا رہے، اور اللہ تعالیٰ ہی پر ہر کام میں بھروسہ کرے۔

یا رب صل وسلم دائمًا علیٰ حبیبک مولانا باکثار

سبحانک اللّٰھم وبحمدک اشھد ان لا الٰہ الا انت

استغفرک واتوب الیک

اللّٰھم تقبل منا انک انت السمیع العلیم

۱۴/صفر ۱۳۵۴ھ

خوشخبری ومژدہ

الحمدللہ تعالیٰ کہ اس رسالے کو مولانا محمد شفیع صاحب کبیروالا والے اور مولانا حفیظ اللہ صاحب نے حضرت قطبِ زماں مولانا عبدالقادر صاحب قدس سرہٗ رائے پوری کو اُن کی حیاتِ پاک میں خدمت میں پیش کیا، حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے عرصے کے بعد اس رسالے کو اوّل سے آخر تک دُوسرے سے سنا اور فرمایا کہ: ''محمد شفیع! کیا میرے لئے بھی اُن (مصنف) سے دُعا کرائی تھی؟'' مولانا محمد شفیع صاحب نے عرض کیا کہ: حضرت! نہیں، فرمایا: ''دُعا کرانا'' یہ الفاظ تو اُن کے کمالِ تواضع و انکساری کے ہیں، مگر رسالے کے دُرست و صحیح ہونے کی تصدیق ہوگئی۔ الحمدللہ تعالیٰ! بندہ جب سرگودھا حاضر ہوا، حضرت مولانا آزاد مدظلہٗ (خادمِ خاص حضرت رائے پوریؒ) غریب نوازی سے ملنے آئے، بندہ نے پوچھا، مولانا مدظلہٗ نے فرمایا کہ: ''میں نے اس رسالے کو سنایا تھا''، دوبارہ بندہ کو اطمینان ہوگیا۔

الحمد للہ تعالیٰ حمدًا کثیرًا طیبًا

مراقبۂ موت

جگہ جی لگانے کی دُنیا نہیں ہے
یہ عبرت کی جا ہے تماشا نہیں ہے
جہاں میں ہیں عبرت کے ہر سو نمونے
مگر تجھ کو اندھا کیا رنگ و بو نے
کبھی غور سے بھی یہ دیکھا ہے تو نے
جو معمور تھے وہ محل اب ہیں سُونے
ملے خاک میں اہلِ شاں کیسے کیسے
مکیں ہوگئے بے مکاں کیسے کیسے
ہوئے ناموَر بے نشاں کیسے کیسے
زمیں کھاگئی آسماں کیسے کیسے
زمیں کے ہوئے لوگ پیوند کیا کیا
ملوک و حضور و خداوند کیا کیا
دکھائے گا تو زور تا چند کیا کیا
اجل نے پچھاڑے تنومند کیا کیا

اجل نے نہ کسریٰ ہی چھوڑا نہ دارا
اسی نے سکندر سا فاتح بھی مارا
ہر اِک لے کے کیا کیا نہ حسرت سدھارا
پڑا رہ گیا سب یونہی ٹھاٹھ سارا
یہاں ہر خوشی ہے مبدل بہ صد غم
جہاں شادیاں تھیں وہیں اب ہیں ماتم
یہ سب ہر طرف انقلاباتِ عالَم
تری ذات میں بھی تغیر ہے ہر دَم
تجھے پہلے بچپن نے برسوں کھلایا
جوانی نے پھر تجھ کو مجنوں بنایا
بڑھاپے نے پھر آکے کیا کیا دکھایا
اجل تیرا کردے گی بالکل صفایا
یہی تجھ کو دُھن ہے، رہوں سب سے بالا
ہو زینت نرالی، ہو فیشن نرالا
جیا کرتا ہے کیا یونہی مرنے والا؟
تجھے حسنِ ظاہر نے دھوکے میں ڈالا
وہ ہے عیش و عشرت کا کوئی محل بھی
جہاں تاک میں ہر گھڑی ہو اَجل بھی
بس اب اپنے اس جہل سے تو نکل بھی
یہ طرزِ معیشت تو اپنا بدل بھی

نہ دِلدادۂ شعر گوئی رہے گا
نہ گرویدۂ شہرہ جوئی رہے گا
نہ کوئی رہا ہے، نہ کوئی رہے گا
رہے گا تو ذکرِ نکوئی رہے گا
جہاں میں کہیں شورِ ماتم بپا ہے
کہیں فقر و فاقہ سے آہ و بکا ہے
کہیں شکوۂ جور و مکر و دغا ہے
غرض ہر طرف اپنی اپنی صدا ہے
بڑھاپے سے پاکر پیامِ قضا بھی
نہ چونکا نہ جاگا نہ سنبھلا ذرا بھی
کوئی تیری غفلت کی ہے انتہا بھی؟
جنوں تابہ کے ہوش میں اپنے آ بھی
جب اِس بزم سے اُٹھ گئے دوست اکثر
اور اُٹھتے چلے جارہے ہیں برابر
یہ ہر وقت پیشِ نظر جب ہے منظر
یہاں پر ترا دِل بہلتا ہے کیونکر؟
یہ دُنیائے فانی ہے محبوب تجھ کو
ہوئی واہ کیا چیز مرغوب تجھ کو
نہیں عقل اِتنی بھی مجذوبؔ تجھ کو
سمجھ لینا اب چاہئے خوب تجھ کو
جگہ دِل لگانے کی دُنیا نہیں ہے
یہ عبرت کی جا ہے تماشا نہیں ہے

"ذاکر عبد ہے اور ذکر سے عبدیت کا حق ادا
کررہا ہے، بجز رضائے معبود کے کوئی غرض نہ رکھے،
اور ذکر کے فائدہ پر بھی نظر نہ کرے، ذکر کا فائدہ نظر
آئے یا نہ آئے، ذکر کو نہ چھوڑے۔"

ضرورۃ الشریعۃ والطریقۃ

یعنی

شریعت وطریقت کی ضرورت



قطب الارشاد حضرت مولانا محمد عبداللہ بہلوی قدس سرہ

ضرورۃ الشریعۃ والطریقۃ

بِسۡمِ اللهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

رَبِّ یَسِّرۡ وَتَمِّمۡ بِالۡخَیۡرِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ نَحۡمَدُہٗ وَنَسۡتَعِیۡنُہٗ وَنُصَلِّیۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰی خَیۡرِ

خَلۡقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَاَتۡبَاعِہٖ اَجۡمَعِیۡنَ، اَمَّا بَعۡدُ!

جاننا چاہئے کہ شریعت کی ہر وقت ضرورت ہے، طریقت میں بھی اور حقیقت میں بھی، اور ہر شخص اس کے اَحکام بجالانے کا محتاج ہے۔

شریعت کی ایک صورت ہے اور ایک حقیقت۔

شریعت کی صورت یہ ہے کہ جو چیزیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی ہیں، خواہ اَوامر میں سے ہوں یا نواہی میں سے، سب پر ایمان لانا اور عمل کرنا ہے، خواہ دِل چاہے یا نہ چاہے، جب تک نفس کی منازعت موجود ہے، اس وقت تک اَحکامِ شرعیہ کا بجالانا بطور صورت شریعت کے ہے، ایمان ہے یا نماز ہے یا روزہ ہے، سب بطور صورت کے ہیں، کیونکہ نفس اپنے کفر و انکار پر اَڑا ہوا ہے، اللہ تعالیٰ نے محض اپنی رحمت سے اس پر بھی جنت کی خوشخبری دی ہے۔

پھر اگر اللہ تعالیٰ کے فضل سے نفس کا طغیان و سرکشی نہ رہے اور مقصود کا غیر

اور غیریت نظر سے بالکل دُور ہوجائے، نگاہ میں اغیار کا نام ونشان باقی نہ رہے، اور اخلاقِ رذیلہ کی کشاکشی گم ہوجائے تو مقامِ طریقت ختم، اور سیر الی اللہ تمام ہوگئی۔

جب تک نفی کرنے میں ہے، اور نفی پوری نہیں ہوئی، طریقت میں ہے، جب نفی سے انتفا میں پہنچا، طریقت ختم ہوئی اور مقامِ فنا میں پہنچ گیا، اس کے بعد مقامِ اثبات میں سیر شروع ہوتی ہے، جس کو سیر فی اللہ سے تعبیر کرتے ہیں، اور یہی بقا کا مقام ہے، جو حقیقت کا موطن اور ولایت کا اعلیٰ مقصد ہے، اس طریقت وحقیقت پر جو فنا و بقا ہے اس پر ولایت کا اسم صادق آتا ہے، اور نفسِ امارہ، نفسِ مطمئنہ ہوجاتا ہے، اور کفر وانکار سے ہٹ جاتا ہے۔ اور جو مقولہ مشہور ہے:

ہر چند کہ نفس مطمئنہ گردد

ہرگز زصفات خود نگردد

ترجمہ:... ”ہر چند کہ نفس مطمئنہ ہوجائے، مگر اپنی صفات سے ہرگز باز نہیں آتا۔“

یعنی نفس مقامِ اطمینان میں بھی آکر اپنی سرکشی سے باز نہیں آتا، اس پر حضرت قطب ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ راضی نہیں، وہ فرماتے ہیں کہ:

مقامِ اطمینان میں آکر طغیان و سرکشی کیسی؟ اور حدیث میں جو آیا ہے: ”رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْاَصْغَرِ اِلَى الْجِهَادِ الْاَكْبَرِ“ جہادِ اکبر سے مراد قالب کا جہاد ہے، چونکہ قالب مختلف طبیعتوں سے مرکب ہے، آب وہوا، خاک وآتش ہر ایک کے آثار مختلف ہیں، ہوا یعنی خواہشِ نمود، بخل، غضب، کبر اور عجب وغیرہ قوت شہوی ہو، غضبی ہو یا کوئی اور، سب قالب سے پیدا ہوتی ہیں، نفس کا اطمینان اس جہاد کو کم نہیں کرسکتا، اور قلب کی تمکین اس لڑائی کو رفع نہیں کرسکتی، تو حدیث میں غالباً جہادِ اکبر اسی کو فرمایا گیا۔

فائدہ۱:... اس جہاد کے باقی رکھنے میں بہت سے فائدے ہیں جو قالب کے پاک صاف کرنے میں کام آتے ہیں، حتیٰ کہ اُس جہان کے کمالات اور آخرت کی ترقیات اسی سے وابستہ ہیں، کیونکہ اس جہان کے کمالات میں قلب متبوع ہے، اور قالب تابع ہے، اور آخرت میں بالعکس قلب تابع ہے، اور قالب متبوع، جس قدر قالب کی اصلاح ہوگی، اسی قدر وہاں درجات زائد ہوں گے، جب جہان درہم برہم ہوجائے گا تو یہ جہاد بھی ختم ہوجائے گا۔

فائدہ۲:... جب اللہ تعالیٰ کے فضل سے نفس اطمینان میں آجاتا ہے، اور حکمِ الٰہی کے تابع ہوجاتا ہے، تو اسلامِ حقیقی میسر آجاتا ہے، بعد ازاں جو کچھ عمل میں آئے گا، شریعت کی حقیقت ہوگی، اگر نماز ادا کرے گا تو نماز کی حقیقت ہوگی، اور اگر روزہ یا حج ہوگا تو روزہ وحج کی حقیقت ہوگی، علیٰ ہذا القیاس۔

پس طریقت وحقیقت دونوں شریعت کی صورت اور اُس کی حقیقت کے درمیان متوسط ہیں، جب تک ولایتِ خاصہ سے مشرف نہ ہوں، اسلامِ مجازی سے اسلامِ حقیقی تک نہیں پہنچ سکتے۔

فائدہ۳:... اسلامِ حقیقی میسر ہونے کے بعد اس لائق ہوگا کہ کمالاتِ نبوّت سے انبیاء علیہم السلام کی وراثت اور تبعیت کے طور پر کامل حصہ پائے، جس طرح شریعت کی صورت کمالاتِ ولایت کے لئے شجرۂ طیبہ یعنی پاک درخت کی طرح ہے، گویا کمالاتِ ولایت صورتِ شریعت کے ثمرات ہیں، اسی طرح شریعت کی حقیقت بھی کمالاتِ نبوّت کے لئے شجرۂ طیبہ کی طرح ہے، اور کمالاتِ نبوّت گویا حقیقت شریعت کے ثمرات ہیں، جب ولایت کے کمالات، صورت کا ثمرہ اور کمالاتِ نبوّت حقیقت کا ثمرہ ہیں، تو اس لحاظ سے کمالاتِ نبوّت حقائق کی طرح ہوں گے، اور حالاتِ ولایت اُن کی صورتوں کی طرح۔

جاننا چاہئے کہ صورتِ شریعت اور حقیقتِ شریعت میں فرق نفس کی جہت سے تھا، یعنی صورتِ شریعت میں نفسِ امارہ، اور اپنی نافرمانی پر تھا، اور حقیقتِ شریعت میں نفس، مطمئنہ، اور مسلمان ہوگیا تھا، اسی طرح کمالاتِ ولایت جو کہ صورت کی طرح ہیں اور کمالاتِ نبوّت جو حقیقت کی طرح ہیں، ان میں قالب کی جہت سے فرق ہے، مقامِ ولایت میں قالب کے اجزاء اپنی سرکشی اور نافرمانی پر ہیں، مثلاً: اس کا جزو ناری نفس کے اطمینان کے باوجود اپنی بہتری اور تکبر کا دعویٰ نہیں چھوڑتا، اور جزو خاکی اپنی خِسّت، کمینہ پن اور بخل سے پشیمان نہیں ہوتا، علیٰ ہذا القیاس، مگر کمالاتِ نبوّت میں قالب کے اجزاء بھی اعتدال پر آجاتے ہیں اور افراط وتفریط سے ہٹ جاتے ہیں۔

سوال:... جب قالب کے اجزاء بھی اعتدال پر آجائیں اور سرکشی سے ہٹ جائیں تو پھر ان سے جہاد کی کیا صورت ہے؟

جواب:... نفس کا اطمینان اور قالب کے اجزاء کے اعتدال کے درمیان فرق ہے، کیونکہ نفسِ مطمئنہ فانی اور ناچیز ہے، اور عالم اَمر سے ملا ہوا ہے، جو کمال فنا اور سکر سے متصف ہے، اور یہ اجزاء اَحکامِ شرعیہ کے بجالانے کے باعث، جن کی بنیاد صحو پر ہے، فنا وسکر سے مناسبت نہیں رکھتے، کیونکہ جو فانی اور مستہلک ہے، اس میں مخالفت کی گنجائش نہیں، اور جو صحو و ہوش میں ہے اگر بعض مصلحتوں کے باعث بعض اُمور میں مخالفت کی صورت ظاہر کرے تو ایسا ہوسکتا ہے، اُمید ہے کہ یہ مخالفت اللہ تعالیٰ کے فضل سے ترکِ مستحب سے اُوپر نہ جائے گی اور مکروہِ تنزیہی کے ارتکاب سے اُوپر مکروہِ تحریمی تک نہ جائے گی، پس قالب کے مرتبے میں اس کے اجزاء کے اعتدال کے باوجود جہاد متصوّر ہوگا، اور مطمئنہ میں جہاد ناجائز ہوگا، پھر اگر فضلِ خداوندی سے کمالاتِ نبوّت، جو کہ حقیقتِ شریعت کے ثمرات سے ہے، اس کے انجام

تک پہنچ جائے، تو بطور وراثت و طفیلی ہونے کے آگے کمالاتِ رسالت و اُولو العزم وغیرہ کی ترقیات، اعمال پر موقوف نہیں، بلکہ محض فضل واحسان پر موقوف ہیں، اور اس سے یوں نہ سمجھیں کہ اس مقام میں صورتِ شریعت و حقیقتِ شریعت سے استغناء ہوجاتا ہے اور اَحکامِ شریعت کے بجالانے کی ضرورت نہیں رہتی، بلکہ یہی صورت و حقیقت آگے کے مقاماتِ عالیہ کے لئے بمنزلہ بنیاد کے ہیں، مکان جتنا بلند ہوتا جائے گا، اتنا ہی بنیاد کا زیادہ محتاج ہے، پس شریعت ہر وقت اور ہر حال میں درکار ہے، اور ہر شخص اس کے اَحکام بجالانے کا محتاج ہے۔

نبوّت، ولایت سے افضل ہے:

نیز یہ بھی معلوم ہو کہ بعض لوگ کج بینی سے ولایت کو نبوّت سے افضل گردانتے ہیں، حالانکہ ولایت کبھی بھی نبوّت سے افضل نہیں ہوسکتی۔ کمالاتِ ولایت (جو کہ صورتِ شریعت کا ثمرہ ہیں) کمالاتِ نبوّت کے مقابلے میں (جو کہ حقیقتِ شریعت کا ثمرہ ہیں) کچھ حیثیت نہیں رکھتے، آفتاب کے مقابلے میں ذرّہ کی کیا حیثیت ہے؟ یہ لوگ نبوّت کو خلق کی طرف متوجہ ہونے کے باعث قاصر جانتے ہیں اور ولایت کو جو کہ حق تعالیٰ کی طرف توجہ ہے، افضل سمجھتے ہیں۔ یہ لوگ نہیں جانتے کہ نبوّت میں اگرچہ ظاہر میں خلق کی طرف توجہ ہے، مگر وہ تکمیل کے بعد ہے، اور عروج سے نزول کی طرف جو بھی آیا ہے تو وہ بفرمان حق تعالیٰ آیا ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھو جیسے کامل مکمل عالم چھوٹی کتابیں پڑھاتا ہے، اس کا یہ چھوٹی کتابیں پڑھانا کمال کے منافی نہیں، اور کمالات ولایت والوں کو یوں سمجھو جیسے ابتداء میں چھوٹی کتابیں پڑھنے والا ہو اور وہ پڑھے بھی تکمیل کی غرض سے۔

نیز یہ بھی واضح ہو کہ ولایت والے کا نفس کسی درجے میں مطمئنہ ہوتا ہے اور قالب ویسے ہی سرکش اور عروج کے وقت بھی اس کو بطور طفیلی کے کچھ حاصل ہونے والا ہوتا ہے، مگر نبوّت والے کا اطمینان بھی علیحدہ ہے، اور کمالات بھی علیحدہ ہیں، ان کی نہایات تک گوش، چشم، زبان اور عقل کیسے پہنچ سکیں؟

وما علینا الا البلاغ

موضوع کی مکمل تفصیل مکتوبات حضرت مجدد الف ثانیؒ دفتر دوم مکتوب نمبر ۴۶، ۵۰ میں ملاحظہ فرمائیں۔

جاننا چاہئے کہ دُنیا میں اگرچہ دُنیوی کرّ وفرّ، بلڈنگ، حکومت اور وزارت سے عظمت، ہیبت اور محبت ہے، مگر یہ سب جسمانی کمالات ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت، تابع داری قرآن مجید پر ظاہراً و باطناً عمل کرنے سے شوکت، وقار، وجاہت، آبرو اور شہرت ہے۔ عاقل پر واجب ہے کہ باقی کے کمالات حاصل کرنے سے غافل نہ ہوجائیں اور دُنیوی لذّت میں پھنس کر اُخروی عزّت برباد نہ کریں، اور اُخروی تعظیم محض شریعت کی اتباع میں ہے۔

واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین
والصلوٰۃ والسلام علٰی خیر خلقہٖ محمد رسولہٖ واتباعہٖ اجمعین

تصوّف کے متعلق عرض

تصوّف و شریعت ایک دُوسرے کے عین ہیں:

تصوّف کے متعلق اکثر عوام و خواص میں کثیر اغلاط واقع ہوئی ہیں، کوئی کشف و کرامات کو تصوّف جانتا ہے، کوئی اشغال، مراقبات، اعمال اور کیفیت کو تصوّف گردانتا ہے، کوئی خاص رُسوم و عادات کو، کوئی مجاہدات و ریاضات اور ترکِ تعلقات کو، کوئی فلسفی یا فلسفی مزاج، وحدۃ الوجود، وحدۃ الشہود کے نظریات کو، اور کوئی اس کو اسرار و مغیبات کا مجموعہ مراد لیتا ہے، حتیٰ کہ اہلِ مغرب نے اس کا نام ہی سریت (مسٹری ازم) رکھ دیا ہے، اور سب غلطیوں میں سے بڑی غلطی یہ ہے کہ کچھ لوگوں نے طریقت، حقیقت اور معرفت کو شریعت کا مقابل یا اس کی ضد گمان کرلیا ہے، حالانکہ طریقت و حقیقت، شریعت کا جزو، بلکہ عین شریعت ہیں، جیسے انسان کے دو رُخ ہیں، ظاہر و باطن، یا قلب و قالب، اسی طرح دینِ کامل یعنی شریعت کے بھی دو رُخ ہیں: ا:...قالب و ظاہر کے اعمال و اَحکام، ۲:...قلب اور باطن کی فقہ و اصلاح۔

جیسے: نماز، روزہ، تمام ظاہری ارکان و اَحکام، باطنی خشوع و خضوع اور صحتِ نیت کا ("انما الأعمال بالنیات") نام ہے۔ اگر ارکان صحیح نہیں تو نماز بھی صحیح نہیں اور اگر صحتِ نیت نہیں، مثلاً: ریا و نمود ہے تو بھی نماز صحیح نہیں، پس جس طرح نماز تمام ارکان کی صحت اور نیت کی صحت کا نام ہے، اسی طرح اگر ظاہر و قالب معیارِ شریعت پر

نہیں تو دِین کامل نہیں، اور اگر باطن: اِخلاص، اخلاقِ حمیدہ اور صحتِ عقیدہ سے منوّر نہیں تو بھی دِین کامل نہیں، جیسے نماز میں بعض چیزیں ایسی ہیں کہ اُن کے نہ ہونے سے نماز ہی نہیں رہتی، (جیسے ترکِ فرائض و ارکانِ نماز: رُکوع، سجدہ وغیرہ، اور بعض ایسی ہیں کہ اُن کے نہ رہنے سے نماز ناقص ہوجاتی ہے، مثلاً: واجبات کا ترک)، اسی طرح صحتِ عقیدہ و اِخلاص کے نہ ہونے سے دِین مطلقاً نہیں رہتا، اور اخلاقِ حمیدہ، مثلاً: شکر، قناعت، توکل وغیرہ کے نہ ہونے سے دِین ناقص ہوجاتا ہے، مطلق معدوم نہیں ہوتا۔ الحاصل شریعت وتصوّف ظاہر و باطن کی مجموعی اصلاح کا نام ہے، تصوّف عین ہے شریعت کا، اور شریعت عین ہے تصوّف کا، اور جس نے شریعت کو صرف ظاہری اَحکام و اعمال کا نام دے رکھا ہے، اور تصوّف کو صرف باطنی کمالات کا، وہ بھول میں پڑا ہوا ہے، فافہم!

تصوّف کے بغیر کامل مسلمان ہونا مشکل ہے:

یاد رکھنا چاہئے کہ شریعت کے اَحکامِ اَوامر یعنی جن کے کرنے کا حکم ہے، اور اَحکامِ نواہی یعنی جن سے رُکنا ضروری ہے، یا جو اَحکام ظاہر سے تعلق رکھتے ہیں، جیسے: کلمہ پڑھنا، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ ادا کرنا وغیرہ اور چوری، زنا، شرک اور کلماتِ کفر وغیرہ سے پرہیز، یا جو اَحکام باطن سے تعلق رکھتے ہیں، جیسے: ایمان وتصدیق عقائدِ حقہ، صبر، شکر، توکل، رضا بالقضا اور اِخلاص وغیرہ، ان کو ''مأمورات'' کہتے ہیں، اور عقائدِ باطلہ، ریا، تکبر اور عجب وغیرہ ان کو ''مناہی'' کہتے ہیں، اور معلوم ہوچکا ہے کہ شریعت وتصوّف ایک دُوسرے کے عین ہیں، یا بقول بعض جزوِ شریعت ہے، جیسے بغیر شریعت کے مسلمان نہیں رہ سکتا، اسی طرح بغیر تصوّف کے مسلمان نہیں ہوسکتا، یا مسلمان کامل نہیں ہوسکتا، واللہ تعالیٰ اعلم!

باطن کی صفائی وہی معتبر ہے جو اتباعِ شریعت میں ہے:

بعض لوگوں نے صفائی قلب وتزکیہ پر اتنا زور دیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سارا تصوّف یہی ہے، اور اس کو کمال سمجھا ہے، حالانکہ اس میں تو غیر مسلم اشراقیہ اور ہندوستان کے جوگیہ بھی بکثرت مسلمانوں کے شریک ہیں، اسی لئے بہتوں نے اُن کو بھی صوفی سمجھا ہے، اور کہا ہے کہ: "اَلصُّوفِي لَا مَذْهَبَ لَهٗ" یعنی صوفی کا کوئی مذہب و مشرب نہیں ہے، جس سے پتا چلتا ہے کہ صوفی اسلام کی قید سے آزاد ہے۔

عرض یہ ہے کہ تزکیہ وہی معتبر ہے جس پر فلاح مرتب ہو، جیسا کہ قرآنِ کریم میں ارشاد ہے:

"قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى. وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى"

(الاعلیٰ:۱۴، ۱۵)

ترجمہ:... "کامیاب ہوا جس نے تزکیہ کیا، اور یاد کیا نام رَبّ اپنے کا، پس نماز پڑھی۔"

تزکیہ وہی معتبر ہے جس پر فلاح مرتب ہو، جس کا طریقہ اقامت الصلوٰۃ ہے، جو اعلیٰ اُصولِ شریعت میں سے ہے، پس تزکیہ اور صفائی قلب بغیر اتباعِ شریعت، معتبر و مقبول نہیں، بلکہ مردود ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کپڑے کو پیشاب سے صاف کیا جائے:

صفائی است در آب و آئینہ نیز
ولیکن صفا را باید تمیز

ضرورتِ شیخ:

جیسے پچھلے علمائے دِین نے تائید و تبلیغ کے لئے علم کو دُوسرے سے الگ

کر کے اس کے قواعد مقرّر کئے ہیں، اسی طرح علم تصوّف کو بھی مشائخ کرام نے قرآن و حدیث سے اخذ کر کے باطن کی صفائی کے لئے بعض اذکار، اشغال اور مراقبات خاص طریقے سے بتلائے ہیں کہ ان پر عمل کر کے انسان کو تزکیۂ باطن جلد نصیب ہوتا ہے، جس طرح دُوسرے علوم میں پچھلوں کو اگلوں کی تقلید و پیروی کے بغیر چارہ نہیں، اسی طرح علم تصوّف میں بھی بدوں اتباعِ طریقۂ بزرگاں کے چارہ نہیں، گو ادنیٰ درجے کا تزکیہ جو موجبِ نجات ہے، بدوں اتباعِ مشائخِ طریق بھی میسر ہوسکتا ہے، مگر وہ اَمر جو مطلوب ہے، اور کمال کہلاتا ہے، اس کا حصول بغیر صحبتِ کاملین اور متبعین مشائخ کے ناممکن ہے، قرآنِ کریم میں ارشاد ہے:

”وَاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ“ (لقمان:۱۵)

ترجمہ:... ”اور تابع رہ راہ اس شخص کے جس کو میری طرف رُجوع ہے۔“

جیسے دیگر علومِ مستخرجہ کا نام علیحدہ ہے، مثلاً: علمِ فقہ، علمِ نحو اور علمِ حدیث وغیرہ، اسی طرح اس علمِ تزکیہ کا نام علمِ تصوّف ہوگیا ہے، جس کی تعریف یہ ہے: ”مَعْرِفَةُ النَّفْسِ مَا لَهَا وَمَا عَلَيْهَا“ یعنی نفس کا اپنے فائدہ ونقصان کی چیزوں کو پہچان لینا، اسی لئے دِین میں کمال تک پہنچنا اور حقیقت یابی بلاتصوّف یا صوفی بنے بغیر ممکن نہیں۔

اذکار، اشغال اور مجاہدات بدعت نہیں:

اصلاحِ قلب کے لئے صوفیانہ طریقے، مثلاً: اذکار، اشغال، مجاہدات اور مراقبات وغیرہ جو بظاہر قرآن و حدیث میں مذکور یا اُن سے مأخوذ معلوم نہیں ہوتے، اس کے بارے میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تجدید و تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ تصوّف کے دوست، دُشمن، معتقد و منکر سب ایک مشترک غلطی میں پڑ گئے، کہ

ان چیزوں کو تصوّف کے مقاصد و غایات سمجھ لیا، حالانکہ اُن کی حیثیت تدابیر و مقدمات یا آثار وثمرات کی ہے، یہ چیزیں قطعاً مقاصدِ تصوّف نہیں، اس لئے ان کو بدعات کہنا سرے سے بے معنی ہے، کیونکہ بدعت اِحداث فی الدین کا نام ہے، یعنی دِین میں دِین کا مقصد جان کر کسی نئی چیز کا اضافہ کرنا، نہ کہ اِحداث للدین کا، یعنی جس طرح مقاصدِ دِین کے حصول کے لئے نئی نئی تدابیر وادویہ کا تجربہ اور اضافہ ہوتا رہتا ہے اور جیسے خود دِین میں علومِ دِین کی حفاظت و اشاعت کے لئے مدرسے کھولنا، کتب خانے کھولنا، علمِ صرف، نحو، منطق پڑھنا، وغیرہ بدعت نہیں، اسی طرح اصلاحِ باطن کے لئے وظائف و مراقبات وغیرہ اِحداث فی الدین نہیں، بلکہ اِحداث للدین ہے، اس لئے یہ چیزیں نہ بدعات ہیں، نہ ان کو کتاب و سنت میں ڈھونڈنے کی ضرورت ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

نیز ان کے اصل مقصد ہونے اور تدبیر ہونے کی بڑی دلیل یہ ہے کہ مقاصد کی طرح ان تدابیر میں سے کسی خاص تدبیر کو اختیار کرنا لازم و واجب نہیں ہے، ہاں! اپنی اصلاح وتزکیہ کے لئے خود ہی کسی وظیفے کو اختیار کرلے یا کوئی شیخ ماہر اس کے لئے کوئی وِرد یا تدبیر فرمادے، اور اس کو لازم پکڑ لے تو اور بات ہے، بشرطیکہ اس میں کوئی شرعی ممانعت یا قباحت نہ آئے، مثلاً: صومِ وصال کو لازم کرلے، یا اَیامِ تشریق میں روزہ نہ چھوڑے وغیرہ۔

بعض اذکارِ صوفیہ کے چند فوائد کا بیان:

صوفیہ کرام کے نزدیک ایک شغل پاسِ انفاس ہے، اس کا فائدہ: یکسوئی، خطرات کا کم ہونا اور جمعیت کا آنا ہے، گو جمعیت خود مقصود نہیں، لیکن یہ اطمینانِ قلب کا مقدمہ اور پیش خیمہ ضرور ہے، اسی لئے صوفیہ کرامؒ نے بعض اذکار کو مثل مقصود کے

اہمیت دی ہے کہ ان کو عملاً ترک نہیں کرتے۔

اسی طرح حبسِ دَم جو جوگیوں کے ہاں کا شغل ہے، اس میں بھی یہی فوائد نظر آتے ہیں، چونکہ یہ حبسِ دَم ان کا مذہبی یا قومی شعار نہیں، اور دفعِ خطرات کے لئے نافع بھی ہے، اسی لئے صوفیہ نے اس کو لے لیا ہے، اور یہ تشبہ بالکفار نہیں ہے، کیونکہ یہ نہ ان کی مذہبی چیز ہے اور نہ ہی قومی شعار ہے، اس لئے یہ تشبہ ممنوع نہیں ہے، جیسے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خندق کھودنے کا حکم فرمایا اور خود بھی کھودنے میں ساتھ تھے، تو یہ انتظام وتدبیر، فارسیوں کا کوئی مذہبی شعار نہ تھا، نہ ہی یہ ان کی قومی چیز تھی، بلکہ محض ایک تدبیر تھی جس کی اجازت دے دی۔ اسی طرح ذکر کے مختلف طریقے، ہیئات، مختلف مراقبات، اور ان کی تدابیر و ہیئت کا مختلف ہونا حصولِ معیت تعالیٰ وعظمتِ الٰہی جل شانہ کے لئے مفید ہے، جس کے فوائد وثمرات امتثالِ اَوامر، اجتناب عن المعاصی اور محبتِ اِلٰہیہ کے لئے اسباب اور بمنزلہ علت کے ہیں۔

عبداللہ عفی عنہ

نقشبندی، قادری، چشتی، سہروردی

بعض معروضاتِ ضروریہ:

الحمدللہ تعالیٰ! اس سال بھی بفضلہٖ تعالیٰ وکرمہٖ حجازِ مقدس کی تیاری ہے اور عنقریب مبارک سفر پر جارہا ہوں، اللہ تعالیٰ مبارک فرمائے، قبول کرے اور مقبول بنائے، آمین! لا حول ولا قوّۃ الا باللہ العلی العظیم۔ چند اشخاص کو کئی سال ہوئے ذکر، اصلاحِ قلب کے طریقوں اور مراقبات کرانے کی اجازت بطور سفارت کے دی گئی تھی، بعض کو نقشبندی طریقہ وسلسلہ چلانے کی، اور بعض کو قادری سلسلہ کی، جن کے اسمائے گرامی ایک رسالہ ''تصوف اہلِ صفا'' میں مطبوع ہیں، پھر گزشتہ سال دُوسرے

احباب کو اجازت بطور سفارت دی گئی ہے جن کے اسماء اس رسالے میں تحریر کئے جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ بندہ کی اجازتِ ذکر اور سلسلہ چلانے کی رُخصت میں قبولیت عطا فرمائے اور ان لوگوں کو اِخلاص سے ذکر اور مراقبات بتلانے کی ہمت تمام عنایت کرے اور مقبول ومشکور کرے، آمین!

ا:...الحاج مولانا عبدالحی صاحب۔

۲:...مولانا المکرّم مولوی غلام سروَر مرحوم، منسے والا، تحصیل شجاع آباد، ملتان۔

۳:...مولانا المکرّم حافظ دوست محمد مرحوم، ساکن روڈو سلطان، ضلع جھنگ۔

۴:...مولانا المکرّم شاہ محمد شاہ قریشی مرحوم، ساکن مسجد ابدالی، شہر ملتان۔

۵:...مولانا المکرّم قاری شیر محمد صاحب مہاجر پڈعیدن، سندھ۔

اللہ تعالیٰ ان سب کو اور ہمیں ہمیشہ ہمیشہ کامیاب، سرفراز اور آباد فرمائے، آمین!

اخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

والصلوٰۃ والسلام علٰی خیر خلقہٖ محمد والہٖ واصحابہ اجمعین!

خلاصہ ومختصر نقشہ تصوّف

ہر مطلوب میں کچھ مبادی ہوتے ہیں جو مقصود بالعرض اور مقدم ہوتے ہیں، اور کچھ مقصودِ اصلی ہوتے ہیں جو مقصود بالتحصیل ہوتے ہیں اور ان ہی پر کامیابی و ناکامی کا مدار ہوتا ہے، اس کے علاوہ کچھ زوائد اور توابع ہوتے ہیں، نہ ان کا وجود کامیابی کا معیار ہوتا ہے، اور نہ ہی ان کا فقدان ناکامی کا معیار۔

پس مبادی: وہ علوم (مسائل) ہوتے ہیں جو بصیرت فی المقصود کا موقوف علیہ ہوں، اور مقاصد: وہ اعمالِ خاصہ ہیں جو افعالِ اختیاریہ سے حاصل ہوتے ہیں، جن میں ایک حصہ اعمالِ صالحہ متعلق بہ اعضاء ہیں، جن کو سب جانتے ہیں، جیسے: نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور دیگر طاعتِ واجبہ و مندوبہ، اور دُوسرا حصہ اعمالِ صالحہ متعلقہ بہ قلب ونفس ہیں، مثلاً: اِخلاص، تواضع، حبِ حق، شکر، صبر اور توکل وغیرہ، اور اُن کی اضداد: ریا، کبر، عجب، اِسراف وغیرہ کا ازالہ، اور ان اعمالِ اختیاریہ کو ''مقامات'' کہتے ہیں، یہی نصوص میں مأمور بالتحصیل ہیں اور ان کی اضداد مأمور بالازالہ والروع ہیں، اور ان اعمال کی غایت، تعلق باللہ تعالیٰ یعنی نسبت و رضائے حق ہے جو رُوحِ سلوک ہے، اور زوائد احوالِ خاصہ، مثلاً: ذوق، شوق، قبض، بسط، صحو، سکر، غیبت، وجد، اِستغراق وامثالہا، یہ اُمور غیر اختیاریہ ہیں۔ اعمال پر اکثر ان کا ترتب ہوتا ہے اور کبھی نہیں بھی ہوتا، اور احوال نہ مأمور بہا ہیں اور نہ ان کی اضداد مأمور بالازالہ، اگر ترتب

ہوجائے تو محمود ہے، اور اگر نہ ہوتو مقصود میں کچھ خلل نہیں، اسی لئے کہا گیا ہے: "المقامات مقاصد، والأحوال مواهب"۔ خلاصہ یہ ہوا کہ سلوکِ طریق میں تین امر مبحوث عنہ ہیں:

۱:...علوم (مسائل):...جن سے مقصود میں بصیرت ہوتی ہے۔

۲:...اعمال:...جو کہ مقصود ہیں اور ان ہی کا اہتمام ضروری ہے۔

۳:...احوال:...جو کہ مقصود نہیں، گو محمود ہیں، ان کے درپے نہ ہونا چاہئے۔

چونکہ مقصود تو اعمال ہیں، پس اعمال کی تصحیح و تیسیر کے لئے بعض چیزیں (ذرائع) ممد و معین ہیں، نیز بعض چیزیں (توابع) احوال میں سے غیر محتملة الضرر ہیں، اور بعض محتملة الضرر ہیں، اسی طرح اعمال و ذرائع میں بعض مفید بلاخطر ہیں اور بعض مفید مع الخطر ہیں، جن کا نقشہ حسبِ ذیل ہے:

وہ چیزیں جو ممد و معین اور سہولت دینے والی ہیں، چار ہیں: ۱:...قلّتِ کلام، ۲:...قلّتِ طعام، ۳:...قلّتِ اختلاط مع الانام، ۴:...قلّتِ منام۔

قلّتِ کلام... کی تدبیر یہ ہے کہ بلاضرورت کلام نہ کریں، اور ضرورت کی حد یہ ہے کہ اندیشہ ہو کہ کلام نہ کرنے سے نقصان ہوگا، یا بڑا فائدہ نہ ہوگا۔ اگر کوئی کچھ بات پوچھے تو بقدرِ ضرورت جواب دے کر ذکر وغیرہ میں مشغول ہوجائیں، اسی طرح بلاضرورت کسی کے پاس نہ جائیں۔

قلّتِ طعام:...اتنا کھائے کہ عبادت و معاش حاصل کرنے کی قوّت رہے۔

قلّتِ منام:...اتنا نیند کرے کہ صحت میں نقص نہ ہو، زیادہ نیند کرنا مضر ہے۔

قلّتِ اختلاط مع الانام:... اس کا طریقہ یہ ہے کہ تعلقاتِ سابقہ کم کرے اور بقدرِ ضرورت و کفایت آمد و رفت اور میل جول رکھے، ہوسکے تو اس سے بھی کم کرتا جائے۔

وہ اعمال (ذرائع میں سے) جو غیر محتمل الضرر اور مفید بلاخطر ہیں:

ا:... ذکر:... میں ذات کی طرف بغرضِ محبت توجہ کرنے سے مذکور کی محبت بڑھتی ہے، بشرطیکہ اِخلاص ہو، ذکرِ قلبی میں توجہ اور کششِ الٰہی دِل میں ہونا ضروری ہے۔ دواماً ہو تو اعلیٰ و افضل ہے، اور عدمِ دوام بھی بڑی چیز ہے، اور ذکرِ قلبی میں حرکت و جنبش ضروری نہیں۔

۲:... شغل:... میں تصوّر ''اسمِ ذات'' ہوتا ہے، اسمِ ذات کی کثرت پر ''ذکرِ قلبی'' مرتب ہوجاتا ہے۔

۳:... مراقبہ:... میں رحمتِ خاص و عام کا منتظر رہنا ہوتا ہے۔ مراقبات کثیر ہیں، ابتدائی مراقبہ فکرِ موت، قبر، حشر اور ربّ العالمین کی پیشی ہے۔

وہ احوال (توابع میں سے) جو غیر محتمل الضرر اور مفید بلاخطر ہیں، وہ یہ ہیں:

ا:...وحدۃ الوجود، ۲:...فنا، ۳:...بقا، ۴:...اجابتِ دُعا، ۵:...فراستِ صادقہ، ۶:...رُؤیا صالحہ، ۷:...وجد۔

ا:...وحدۃ الوجود:

وحدۃ الوجود کی اجمالی حقیقت یہ ہے کہ ممکنات نظر سے غائب ہوجائیں اور اپنی ہستی کو مٹاکر خدا تعالیٰ کی ہستی کا مشاہدہ کرے، نہ کہ ممکنات کو خدا مان لیوے۔ منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک قول میں صاف تصریح کردی ہے کہ: ''انا الحق'' کے معنی یہ ہیں کہ: میں کچھ نہیں ہوں۔ یہ معنی نہیں کہ: میں سب کچھ ہوں۔

(سیرت ابنِ منصور ص:۱۷۸)

وحدۃ الشہود، وہی وحدۃ الوجود ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ جیسے ماہتاب کا نور آفتاب کے نور سے حاصل ہوتا ہے، پس اگر ماہتاب کے ظلّی نور کا اعتبار نہ کیا جائے تو یہ وحدۃ الوجود کی مثال ہے، اور اگر کچھ نہ کچھ اعتبار کیا جائے گو وہ ماہتاب، آفتاب کے

نور کے ظہور کے وقت مسلوب النور ہوجائے، تو یہ وحدۃ الشہود کی مثال ہے۔

۲:...فنا:

اگر سالک کے اوصافِ ذمیمہ، اوصافِ حمیدہ سے تبدیل ہوجائیں تو اس کو اصطلاحِ تصوّف میں "فنائے واقعی وحسّی" کہتے ہیں۔ اوصافِ حمیدہ پیدا ہونے کو "بقا" کہتے ہیں۔

۳:...بقا:

دُوسری قسم فنا کی یہ ہے کہ سالک غلبہ شہودِ ذات وصفاتِ حق کی وجہ سے، اپنی ہستی سے بے التفات ہوجائے یا اپنے آپ کو لاشیٔ خیال کرے، اس فنا کو "فنا علمی" کہتے ہیں، یہ واقعی وحسّی نہیں، اس کی مثال ایسے ہے جیسے ایک غریب سا آدمی کسی شاہی دربار میں دفعۃً پہنچ جائے تو بعض اوقات ہیبت کے مارے اس کو اپنے پرائے کی کچھ خیر خبر نہیں رہتی اور واقع میں سب کچھ ہے، پھر گاہے اس فنا کا بھی علم نہیں رہتا، اس کو "فناء الفنا" کہتے ہیں، اور بعض کے نزدیک اس کو "بقا" کہتے ہیں۔

۴:...اجابتِ دُعا:

دُعائے صحیح ضائع نہیں ہوتی، دُنیا وآخرت میں اس کا اَجر مل جاتا ہے، خواہ جلد یعنی دُنیا میں مل جائے، یا بدیر یعنی آخرت میں ملے، اس دعائے صحیح کا عوض ضرور ملے گا۔

دُعائے صحیح یہ ہے کہ گناہ کی دُعا یا محال چیز کی دُعا نہ ہو، جیسے یہ دُعا کرنا کہ فرشتہ بن جاؤں، اور قدر سے بڑھ کر نہ ہو (جیسے کہ نبی بن جاؤں) وغیر ذالک۔ دُعا مانگنا سنت اور عبدیت کی علامت ہے، مقاصدِ دُنیویہ کے لئے دُعا نہ مانگنا بے ادبی ہے، قرآنِ کریم کی آیت: "رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً" اس کے جواز کی دلیل ہے، آخر دُنیا کے کام اللہ تعالیٰ کے سوا کون پورے کرے گا؟

۴:...فراستِ صادقہ:

فراستِ صادقہ مؤمن کونصیب ہوتی ہے اور کافر کی فراست استدراج ہے، فراست کا معنی یہ ہے کہ چیز کی اصل حقیقت نظر آئے۔

۵:...رُؤیا صالحہ:

رُؤیائے صالحہ مبشرات میں سے ہے، خواب مؤثر تو ہوتا نہیں، کیونکہ قرب یا بعد میں اس کو دخل نہیں، البتہ اگر واقعی خواب ہوتو کسی فعلِ بد یا نیک کا اثر ہوسکتا ہے، اور ہم جیسوں کا خواب تو درحقیقت خواب ہی نہیں، اس لئے وہ مؤثر نہیں، اثر کا نہ ہونا اس لئے کہ وہ قابلِ التفات ہی نہیں۔

۶:...وجد:

وارد فیوض کے آنے سے قلب میں برداشت نہیں رہتی اور بدن قابو میں نہیں رہتا۔

وہ اعمال (ذرائع میں سے) جو محتمل الضرر اور مفید مع الخطر ہیں، وہ مندرجہ ذیل ہیں:

ا:...تصوّرِ شیخ، ۲:...عشقِ مجازی، ۳:...سماع۔

ا:...تصوّرِ شیخ:

اس کو برزخ ورابطہ کہتے ہیں، اس کا فائدہ یکسوئی وتقویتِ نسبت ہے، عوام کومضر اور خواص کومفید ہے۔

۲:... عشقِ مجازی:

عشقِ مجازی اکثر کومضر اور بعض کو یکسوئی کا فائدہ دیتا ہے، جبکہ غیرارادی طور پر ہوجائے اور کوئی حرکت خلافِ شرع نہ کرے۔

۳:...سماع:

شرائطِ سماع چار ہیں:

۱:...سامع (سننے والا) از اہلِ شہوت و ہوا نہ ہو۔

۲:...مسمع (سنانے والا) کامل مرد ہو، عورت اور نابالغ نہ ہو۔

۳:...مسموع (جو کچھ سنایا جارہا ہے وہ) ہزل وفحش نہ ہو۔

۴:...آلہ سماع، مثلاً: چنگ و رُباب نہ ہو۔

ان تمام شرائط سے سماع جائز ہے، کذا فی الفواد، بایں ہمہ سماع کیفیت غالبہ کو قوّت دیتا ہے، اگر سامع کو حبِ غیراللہ ہے تو اس کو مدد دے گا، اور اگر ما سوی اللہ سے منقطع ہے، تو اس کی اعانت کرے گا۔

وہ احوال (توابع میں سے) جو محتمل الضرر اور مفید مع الخطر ہیں، وہ یہ ہیں:

۱:...تصرف، ۲:...کشفِ کونی، ۳:...کشفِ الٰہی، ۴:...وحدۃ الوجود مع السکر۔

۱:...تصرف:

ریاضت ومجاہدہ شاقہ پر کبھی تصرف مترتب ہوجاتا ہے، مثلاً: توجہ سے بیمار کو شفا ہوجائے اور دُشمن مغلوب ہوجائے، یہ تو کافر و مؤمن میں مشترک ہے، اس لئے بزرگ اس سے بہت خائف ہوتے ہیں۔

۲:...کشفِ کونی:

یہ دُنیاوی معاملات کا ظہور ہے کہ دُور کی چیز نظر آجائے یا قلب میں اس کا ظہور ہو، اس میں بھی عامل بالسنۃ وغیر عامل بالسنۃ مساوی ہیں، لہٰذا یہ بھی کوئی کمال کی چیز نہیں۔

۳:...کشفِ الٰہی:

صفات و افعالِ الٰہی کا ظہور ہو، مثلاً کسی کی تقدیر کا راز کھل جائے، یہ مؤمن کو نصیب ہے، مگر نہ ہونے سے سلوک میں نقص نہیں۔

۴:...وحدۃ الوجود مع السکر:

انوارِ غیب کے غلبہ سے ظاہری و باطنی اَحکام میں امتیاز کا اُٹھ جانا، سکر ہے، اور اس امتیاز کا عود کرنا صحو ہے۔

فائدہ:...تصرف، انوار وغیرہ محتملۃ الضرر اس لئے ہیں کہ ان میں عجب، کبر وغیرہ کا مرض پیدا ہوجاتا ہے:

مبارک معصیتے کہ مرا بہ حذر آرد
زنہار ز طاعتے کہ مرا بہ عجب آرد

موانعِ طریق:

موانعِ طریق یہ ہیں: حسن پرستی، تعجیل، تصنع، مخالفتِ سنت اور مخالفتِ شیخ۔

فائدہ:...مخالفتِ سنت کا ضرر متیقن ہے، نہ کہ محتمل، مگر بطور استدراج کے اس میں کچھ کیفیات نظر آتی ہیں، اسی لئے وہ چیزیں محمود معلوم ہوتی ہیں، مگر انجام خراب ہوتا ہے۔

عرض:... خلاصہ ونقشۂ تصوّف پیشِ خدمت ہے، مدعی صحت کا نہیں ہوں، اگر واقعی کوئی دیکھ لے اور اس کو غلطی نظر آجائے تو اصلاح کردے۔

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمِ

فوائدِ مختلفہ

رَبِّ یَسِّرْ وَتَمِّمْ بِالْخَیْرِ
اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ
اصْطَفٰی خُصُوْصًا عَلٰی سَیِّدِنَا خَیْرِ الْوَرٰی مُحَمَّدِ
الْمُصْطَفٰی وَعَلٰی اٰلِہِ الْمُجْتَبٰی وَاَصْحَابِہِ الْمُرْتَضٰی
وَعَلٰی اُمَّتِہِ الَّذِیْنَ اہْتَدَوْا بِالْھُدٰی، اَمَّا بَعْدُ!

چند نصائح، کتبِ حکیم الاُمت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ العزیز سے تلاش کر کے پیشِ خدمت ہیں، اگر پڑھ لیں یا سن لیں تو زہے شرف، اور ''گر قبول افتد زہے سعادت'' کہ بندہ اور ناشر کے لئے حسنِ خاتمہ کی دُعا کر دیں:

شاہاں را چہ عجب گر بنوازند گدارا!

دُرود شریف کا حکم:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سن کر ''صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ'' کہنا ایک مجلس میں ایک ہی بار فرض ہے، اس کے بعد اگر پچاس دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک زبان پر آئے تو بار بار دُرود شریف پڑھنا فرض نہیں، ہاں! محبت کا تقاضا یہ ہے کہ ہر بار ''صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ'' کہے۔

ثمرات مقصود نہیں، صرف رضائے الٰہی مقصود ہے:

اگر کوئی بچہ بیمار ہوتو دوا دارو کرو، مگر ثمرہ متعین نہ کرو کہ یہ اچھا ہی ہوجائے، بلکہ معالجہ محض ذاتِ حق کے لئے کرو کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد کا یہ حق رکھا ہے کہ بیماری میں ان کی خدمت کرو، علاج کرو، ثمرہ پر نظر نہ کرو۔ اسی طرح ذکر و شغل میں لگو تو رضائے حق پر نظر رکھو، لذّت و شوق وغیرہ کو مطلوب نہ سمجھو، اگر قبض ہوتو خوش رہو، بسط ہوتو خوش رہو، کیفیات نہ ہوں تو خوش رہو، کیفیات ہوں تو خوش رہو:

زندہ کنی عطائے تو
گر بہ کشی رضائے تو
ناخوش تو خوش بود بر جانِ من
دِل فدائے یار دِل رنجان من

مشورہ کی برکت:

اگر بڑا اپنے چھوٹوں سے مشورہ کرے تو اِن شاء اللہ تعالیٰ غلطیوں سے محفوظ رہے گا، چہ جائیکہ چھوٹا اپنے بڑوں سے کرے، وہ تو بدرجہ اَولیٰ ہوگا۔

تصوّف کا ہر شخص اہل ہے:

تصوّف کے سیکھنے کی استعداد ہر مسلمان میں ہے، کیونکہ تصوّف کا مقصودِ اصلی ادائے مأمور بہ ہے، اور مأمور بہ کا اختیاری ہونا ضروری ہے، اور اختیاری امر کا ہر شخص اہل ہے۔ دراصل تصوّف نام ہے مقامات کا، لوٹنے پوٹنے کا نام تصوّف نہیں، بلکہ مقامات کا نام تصوّف ہے، اور مقامات بھی ملکات ہیں، مثلاً: اِخلاص، رضا، تواضع وغیرہ، ان کا حصول ہوجائے، اور ان کی اضداد، مثلاً: ریا، کبر، اعتراض وغیرہ سے نکل جاؤ، بس صوفی ہوگئے۔

مکہ مکرّمہ و مدینہ منوّرہ کی حقیقت:

مکہ مکرّمہ کی حقیقت تجلیٔ اُلوہیت، اور مدینہ منوّرہ کی حقیقت تجلیٔ عبدیت ہے، اور عارف ہر وقت اپنے اندر تجلیٔ اُلوہیت اور تجلیٔ عبدیت کا مشاہدہ کرتا ہے، وہ جہاں بیٹھے گا، مکہ اور مدینہ اس کے ساتھ ہے، توحید میں اللہ تعالیٰ کے سوا نفع ونقصان میں کسی غیر پر نظر ہی نہیں رہتی، اور عبادت و طاعت اور ہر کام سنتِ سنیہ کی مطابقت میں بسر ہوتا ہے۔

عبادت کو عنوانِ دُعا سے تعبیر کرنے کا نکتہ:

قرآن مجید میں جابجا عبادت کو عنوانِ دُعا سے تعبیر کیا جاتا ہے، جس میں بتلایا گیا ہے کہ تم جو ہماری عبادت کرتے ہو، حقیقت میں ہم سے مانگتے ہو، اسی لئے غائبانہ غیر اللہ کو پکارنا، حرام ہے، کیونکہ وہ عبادت کا فرد ہے، اور غیر اللہ کی عبادت حرام ہے۔

توحید کی برکت:

موحد کو ایسا اطمینان ہوتا ہے جیسا بچے کو ماں کی گود میں اطمینان ہوتا ہے، بچہ ماں کی گود میں جاکر بالکل بے فکر ہوجاتا ہے کہ بس اب کسی کا خوف نہیں۔

دِین بزرگوں کی نظر سے پیدا ہوتا ہے:

اہلِ عشق میں اَمراضِ قلب، مثلاً: تکبر، ریا وغیرہ نہیں ہوتے، اور زاہدانِ خشک میں تکبر، ریا، عجب وغیرہ بہت سے امراض ہوتے ہیں، اسی لئے عشاق کی صحبت کی ضرورت ہے:

نہ کتابوں سے نہ وعظوں سے نہ زَر سے پیدا
دِین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

قرآن رُونمائے حق ہے:

جو دُنیا میں اللہ تعالیٰ کو دیکھنا چاہے، وہ قرآن میں خدا تعالیٰ کو دیکھے، واقعی قرآن رُونمائے حق ہے، یعنی اس کے ذریعے حق تعالیٰ کی صفاتِ کمال کا مشاہدہ ہوتا ہے۔

وحدۃ الوجود کی حقیقت:

وحدۃ الوجود یہ ہے کہ اپنی ہستی کو مٹا کر خدا تعالیٰ کی ہستی کا مشاہدہ کرے، نہ یہ کہ خدا کی ہستی کو مٹا کر اپنی ہستی کا مشاہدہ کرے، محققین کا قول ہے کہ وجودِ حقیقی کاملین کے پیش نظر رہتا ہے، اور ماسوا کو وہ لاشیٔ اور کالعدم سمجھتے ہیں، نیز یہ فرماتے ہیں کہ: وحدۃ الوجود تو ایمان ہے، اور اتحادِ وجود کفر ہے۔

فنا و بقا کی تعریف:

یہاں تم جو اپنی جان پیش کرتے ہو، سڑی ہوئی ہے، کیونکہ صفاتِ رذیلہ سے متصف ہے، اور حق تعالیٰ اس کے عوض میں تم کو ایسی جان عطا فرماتا ہے جو لطیف اور شفیف ہے، کیونکہ وہ اب متصف بصفاتِ الٰہیہ ہو جاتی ہے، اسی کا نام فنا و بقا ہے، اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے کیمیاوی طریقے سے تانبے کو سونا بنا دیا جائے۔

عقائد:

عقائد کی تعلیم، اعمال کی تکمیل کا آلہ ہے، اس جملہ خبریہ سے محض خبر مقصود نہیں، بلکہ اِنشاء مقصود ہے، یہ مت سمجھو کہ عقائد سے اعتقاد ہی مقصود ہے، بلکہ اس کی

تعلیم سے مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت اپنے دِل میں جماؤ اور دُوسرا مقصود یہ ہے کہ اس عظمت کے مقتضا سے کام لو، خلاصہ یہ کہ عقائد کو تکمیلِ اعمال کا آلہ بناؤ۔

عظمتِ حق کا اثر:

قسم کھا کر کہتا ہوں کہ حق تعالیٰ کی عظمت دِل میں آجائے تو کسی کی زبان سے اپنے بارے میں ''مولانا صاحب'' یا ''حافظ صاحب'' وغیرہ تعظیمی الفاظ سننے سے شرم آنے لگے گی۔

بچوں پر زیادتی:

بچوں پر اگر کسی سے زیادتی ہوجائے تو اس کی تلافی کی تدبیر یہ ہے کہ سزا کے بعد بچوں کے ساتھ شفقت کرے، ان پر احسان کرے یہاں تک کہ وہ خوش ہوجائیں، نیز سزا کے بعد بچوں کو خوش کرنے کی اس لئے بھی ضرورت ہے کہ ان کے دِل میں معلّم سے بغاوت وبغض پیدا نہ ہوجائے، جو علم سے محرومی کا سبب ہے۔

بچوں سے خدمت لینے کا حکم:

بچوں سے ایسی خدمت لینا جس میں والدین کی رضا نہ ہو، جائز نہیں، اور اگر والدین کی رضا بھی ہو، پھر بھی جو خدمت بچوں کی طاقت سے باہر ہو، یا خلافِ سنت ہو، جیسے: بدعاتِ جمعرات، قل خوانی وغیرہ میں خدمت کرانا وغیرہ، ایسی خدمت جائز نہیں۔

فوت شدہ اور لاپتا کے حقوق کی ادائیگی:

اگر کسی شخص نے کسی پر ظلم کیا ہو، رشوت لی ہو، یا غیبت کی ہو، اور اب وہ مظلوم مرچکے ہوں یا لاپتا ہوں، تو اُن کے حقوق کی ادائیگی کا طریقہ یہ ہے کہ اوّل تو

پوری کوشش کرو کہ ان کا پتا لگ جائے، پھر ان کا حق پہنچادو یا معاف کرالو، اور اگر معلوم ہو کہ وہ مرگئے ہیں تو ان کے مالی حقوق ان کے ورثاء کو پہنچادو یا ان سے معاف کرالو، اگر ورثاء کا پتا نہ لگے تو جتنی رقم ظلم و رشوت سے لی ہے، اتنی رقم خیرات کرو اور یہ نیت کرو کہ ہم ان کی طرف سے دے رہے ہیں، یہ حقوقِ مالیہ کا حکم ہے۔

اور غیبت، شکایت اور جانی ظلم کی تلافی کا طریقہ یہ ہے کہ: اگر مظلوم مرگیا ہو یا لاپتا ہو تو اس کے حق میں دُعا کرو، نماز و قرآن پڑھ کر اس کو ثواب بخشو اور عمر بھر اس کے لئے دُعا کرتے رہو، اِن شاء اللہ تعالیٰ، حق تعالیٰ ان کو تم سے راضی کردیں گے، اگر تم نے کسی کے تمام عمر حقوق مارے ہیں، پھر بھی عزم کرلو اور ادا کرنے پر کمربستہ ہوجاؤ، اور حسبِ وسعت اَدا کرنا شروع کردو، اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو تم سے راضی کردیں گے، اور اگر کسی عذر، مثلاً: افلاس وغیرہ کی وجہ سے مجبوری ہو، تو اس میں اللہ تعالیٰ کا وعدہ حدیث میں آیا ہے کہ ہم خود حقوق ادا کردیں گے اور اس شخص پر اصلاً موٴاخذہ نہیں ہوگا۔

دِین کا کمال کس پر موقوف ہے؟

دِین کا کمال دو باتوں پر موقوف ہے، ۱:...ایک اپنی تکمیل، ۲:...دُوسروں کی تکمیل، اور دُوسروں کی تکمیل وصیت، نصیحت اور تبلیغ سے ہوتی ہے۔

دوستوں سے باتیں کرنا بھی عبادت ہے:

دوستوں سے باتیں کرنا عبادت ہے، اس لئے کہ اس میں تطییبِ قلبِ موٴمن ہے، اور وہ عبادت ہے۔

نورِ ایمان کی تحصیل کا طریقہ:

نورِ ایمان کی تحصیل کا طریقہ ذکر و فکر ہے، فکر کا طریقہ یہ ہے کہ: ہر کام میں

سوچ لو کہ اس سے ہم پر بلا تو نازل نہ ہوگی؟ جس کی برداشت نہ ہو سکے، اس کے بعد آپ کی زندگی بہت پُر لطف ہوگی۔ خلاصہ دستور العمل کا یہ ہے کہ:

۱:... ہر کام اور ہر بات کو سوچ کر کرو۔

۲:...اپنے اعمال کا حساب کتاب کیا کرو۔

۳:...اپنی نافرمانیوں کو سوچو اور ان سے توبہ کرو۔

۴:...عذاب کو یاد کرو، اس سے حیاء و خوف پیدا ہوگا۔

۵:... جنت کو یاد کرو، اس سے جنت کی نعمتوں کا شوق پیدا ہوگا۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین،

والصلوٰة والسلام علیٰ خیر خلقہٖ محمدٍ وآلہٖ واصحابہٖ

واتباعہٖ اجمعین من الصلوٰة والسلام افضلھما

واکملھما وادومھما، آمین!

احوالِ تصوّف میں بعض ارشادات

اپنے آپ کو بدترینِ خلائق سمجھنا:

حال:... اگر سالک کے دِل میں یہ خطرہ آتا ہے کہ تو بدترینِ خلائق ہے، تیرا کوئی نیک کام کسی قابل نہیں۔

تحقیق:... یہ خطرہ تو بحرِ معرفت کا ایک قطرہ ہے، خدا تعالیٰ اس کو دریا کردے۔

غم کی حکمت:

یہ ہے کہ غم سے شکستگی کی شان پیدا ہوتی ہے، جس سے تکبر، غرور وغیرہ کا علاج ہوجاتا ہے، اس کے علاوہ اور بھی حکمتیں ہیں۔

علاج:... خوف اور حزن رفع کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کا تذکرہ نہ کرے، اس کا سبق روز مرّہ نہ پڑھا کرے، دُوسرے یہ کہ اپنے ذہن کو اس کی طرف سے ہٹانے کی کوشش کرے، ذہن کو کسی اور بات کی طرف لگادے۔

علومِ مکاشفہ کا درجہ:

علومِ مکاشفہ سب ایسے ہی ہیں، جو قرب میں دخیل نہیں، مثلاً وحدۃ الوجود یا

تجددِ امثال وغیرہ کہ ان کا قربِ الٰہی میں کچھ دخل نہیں، گو ان کے اثرات سے کسی ایسے اثر کی نوبت آجائے جس کو قرب میں دخل ہو، جیسے وحدۃ الوجود کے غلبہ سے انقطاع عن الخلق میں قوت ہوجائے، مگر فی نفسہٖ ان کو قربِ حق میں کوئی دخل نہیں۔

کرامت کا رُتبہ:

کرامت کا مرتبہ ذکرِ لسانی سے بھی گھٹا ہوا ہے، اس کی وجہ ظاہر ہے کہ ذکر سے کچھ قرب تو حاصل ہوتا ہے، اگرچہ وہ ذکر توجہ سے نہ بھی ہو، لیکن کرامت سے تو کچھ بھی قرب نہیں ہوتا، بلکہ خود کرامت بھی قرب سے پیدا ہوتی ہے، قرب، کرامت سے پیدا نہیں ہوتا، تو غایت مافی الباب وہ علامتِ قرب ہے، بشرطیکہ وہ واقعی کرامت بھی ہو، بے نماز، فاسق و فاجر بلکہ کافر سے بھی بعض ایسی خرقِ عادت چیزیں ظاہر ہوجاتی ہیں جن کو ''اِستدراج'' کہتے ہیں۔

علومِ کشفیہ کا مطالعہ مضر ہے:

نہ ان کا کبھی مطالعہ کرے اور نہ ان کی تحقیق کے درپے ہو۔ اجمالاً اہلِ کشف کی بزرگی کا معتقد رہے، اور اجمالاً اُن کی تصدیق بھی کرے کہ کرامت حق ہے۔

کشفِ صحیح بھی باوجود امن عن التلبیس کے حجتِ شرعیہ نہیں، نہ خود صاحبِ کشف پر حجت ہے اور نہ دُوسروں پر، اگر وہ کشف شرع کے موافق ہو تو مقبول ہے، ورنہ مردُود۔

علومِ کشفیہ کو تصوّف میں کوئی دخل نہیں، نیز قربِ حق تعالیٰ کا مدار معاملے پر ہے، نہ کہ علومِ کشفیہ پر۔ نیز قرب کا مدار اعمال ہیں، نہ کہ احوال۔ اعمال کی مثال درختوں کی سی ہے اور احوال کی مثال گھاس کی، درختوں کی حفاظت کی جاتی ہے، نہ کہ گھاس کی۔

جو کیفیت معصیت کے ساتھ ہو وہ مردُود ہے:

اہلِ باطل جو بیوی سے علیحدہ رہتے ہیں، اس کا منشا یہ ہے کہ یکسوئی میں خلل نہ آئے، حالانکہ جو کیفیت معصیت کے ساتھ جمع رہے، ایسی کیفیت خود مردُود ہے۔ انوار، استغراق اور کشف وغیرہ اگر شریعت کی خلاف ورزی پر بھی باقی رہیں تو ایمان کے سلب ہوجانے کا سخت خطرہ ہے، اس وقت تو معصیت کی نفرت بھی قلب میں ہلکی ہوجائے گی، اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بھی بے غم ہوجائے گا اور اعمالِ صالحہ کی بھی قدر نہ رہے گی، اس کے علاوہ کئی اور مفاسد بھی مرتب ہوجائیں گے۔

خواب کا درجہ:

خواب مؤثر تو ہوتا نہیں، کیونکہ قرب یا بُعد میں اس کو دخل نہیں، البتہ اگر واقعی سچا خواب ہو تو کسی فعلِ بد یا نیک کا اثر ہوسکتا ہے، اور ہم جیسوں کا خواب تو درحقیقت خواب ہی نہیں، اس لئے کہ وہ مؤثر نہیں، مؤثر نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ قابلِ التفات نہیں۔

حجبِ نورانیہ، حجبِ ظلمانیہ سے اَشد ہیں:

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ذوق، شوق، اُنس، یکسوئی، استغراق وغیرہ حجبِ نورانیہ ہیں، اور حجبِ نورانیہ، حجبِ ظلمانیہ سے اَشد ہوتے ہیں، اس لئے کہ سالک حجبِ ظلمانیہ: حسد، کبر وغیرہ کے دفع کرنے کی طرف تو متوجہ ہوتا ہے، اور حجبِ نورانیہ کو مقصود سمجھ کر ان کو دفع کرنا ہی نہیں چاہتا، جس کی وجہ سے مقصودِ اصلی سے رہ جاتا ہے۔

مطلوب، عقلی گِریہ ہے، نہ کہ طبعی گِریہ:

بعض سالک دُوسروں کے گریہ و بکا کو دیکھ کر افسوس کرتے ہیں، وہ سن لیں! کہ یہ طبعی گریہ ہے، جو کہ مطلوب نہیں، اورتم کو جو اس پر افسوس ہے، یہ عقلی گریہ ہے، جوتم کو حاصل ہے۔ میں گریہ کومنع نہیں کرتا، لیکن طبعی گریہ نہ ہونے کی بنا پر اپنی محرومی کا اعتقاد کرنا غلط ہے، کیونکہ اصل تم کو حاصل ہے یعنی افسوس۔

اللّٰھم صل وسلم دائمًا ابدًا علٰی حبیبک خیر الخلق کلھم

عبداللہ عفی عنہ
از بہلی

ذکر اللہ اور اس کے متعلقات

ذکر میں ضرب کا حکم:

ذکر میں ضرب کا خاص طریقہ نہ مقصود ہے اور نہ مقصود کا موقوف علیہ۔ جس طرح بے تکلف ذکر ہو سکے، کافی ہے۔

تصوّر بوقتِ ذکر:

ذکر کے وقت اَوْلیٰ تو تصوّرِ مذکور، یعنی حق تعالیٰ کا تصوّر ہے، لیکن اگر یہ خیال نہ جمے تو پھر اس طرح خیال کرے کہ یہ ذکر قلب سے اَدا ہو رہا ہے۔

تصوّر الی السماء کا حکم:

ذکر، شغل اور تلاوت میں، حق تعالیٰ کا تصور کرتے ہوئے بلاتکلف آسمان کی جانب خیال بندھ جائے تو اس کے دفع کرنے کا قصد نہ کریں، یہ تصور فطری ہے، دفع ہو نہیں سکتا، اور کوئی بھی اس سے خالی نہیں، لیکن بالقصد ایسا نہ کریں۔

ذکر میں عدمِ لذّت اَنفع ہے:

ذکر میں لطف و لذّت کا حاصل ہونا ایک نعمت ہے، اور نہ ہونا دُوسری نعمت ہے، جس کا نام ''مجاہدہ'' ہے، یہ اوّل سے اَنفع ہے، گو اَلذّ یعنی زیادہ لذّت والا نہ ہو۔

ذکر میں وضو کا حکم:

باوضو ذکر کرنے سے زیادہ برکت ضرور ہوتی ہے، لیکن وضو قائم رکھنا

ضروری نہیں۔ اگر کسی کا وضو نہ ٹھہرتا ہو اور بار بار وضو کرنے سے تکلیف ہو تو تیمّم کرلے، مگر اس تیمّم سے نماز و مسِ مصحف جائز نہیں، اور اَذان کے وقت ذکر سے رُک جانا اَولیٰ ہے۔

ذکر میں جی گھبرانے کے متعلق:

مبتدی کا اگر ذکر کرنے سے جی گھبراتا ہے تو سمجھ لو کہ مشقت بھی نفع میں جی لگنے سے کم نہیں۔ جس طرح ہو سکے حتی الوسع ذکر کو پورا کرلیا جائے، آہستہ آہستہ سب دُشواری مبدل بآسانی بن جائے گی، اور منتہی جو اکثر وقت ذکر میں مست ہے، کثرتِ ذکر سے اگر کسی وقت اس کی طبیعت اُکتا جائے تو چند منٹ یا گھنٹہ ذکر نہ کرے، تاکہ طبیعت کو اَز سرِ نو نشاط ہو جائے۔

نماز میں ذکر کا حکم:

نماز میں نہ ذکرِ لسانی چاہئے، نہ قلبی، بلکہ توجہ الی الصلوٰۃ مطلوب ہے، اگر خود بخود ذکرِ قلبی جاری ہو جائے تو پھر بھی حتی الوسع نماز کی طرف توجہ کرے، اور ذکرِ قلبی تحرک کا نام نہیں، بلکہ ملکہ یادداشت کا نام ہے۔

ذکر اور نماز میں جی نہ لگنے کا علاج:

کسی وظیفے میں یہ اثر نہیں کہ اس سے عبادت میں جی لگنے لگے، اسی طرح اس کی اور کوئی تدبیر بھی نہیں، محققین نے جی لگنے کے لئے یہ فرمایا ہے کہ: کام میں ہمت سے لگا رہے، جی لگنے کا قصد نہ کرے، نہ انتظار کرے، حتی الوسع ذکر اور اس پر مداومت اس کے اختیار میں ہے سو وہ کرتا رہے، اِن شاء اللہ تمام برکات اسی پر مرتب ہو جائیں گی، جو اس وقت نظر میں نہیں، کچھ مدّت کے بعد نظر آجائیں گی۔ سلوک کا طے ہونا توجہ ہونے اور جی لگنے پر موقوف نہیں، سلوک اصلاح پر موقوف

ہے، اور مداومتِ ذکر اس کا زینہ ہے۔

دُرود شریف:

حضور پُر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر دُرود شریف بھیجنے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی احسان نہیں کرتے، بلکہ دُرود شریف پڑھتے وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں اپنے جذبۂ شکریہ کا ارادہ کرے، اور پھر اس پر ثواب کا وعدہ مزید برآں ہے۔ اور دُرود شریف وہ طاعت ہے جو کبھی رَدّ نہیں ہوتی، اس کی مثال یہ ہے کہ ہم شہزادہ کے متعلق ایسی سفارش کریں جس کو بادشاہ خود کرنے والا ہو تو ایسی سفارش کیسے رَدّ ہو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سن کر ایک بار دُرود شریف پڑھنا واجب ہے، اور اس کے بعد ہر بار نام مبارک سن کر دُرود شریف پڑھنا واجب نہیں، ہاں! محبت کا اقتضا یہ ہے کہ ہر بار ''صلی اللہ علیہ وسلم'' پڑھا کرے۔

فائدہ:... ذکر میں صفات کی طرف توجہ کرنے کو اصطلاح میں ''مشاہدہ'' کہتے ہیں، اور ذات کے تصوّر کرنے کو معائنہ کہتے ہیں۔

ذکر و فکر، استغراق سے افضل ہیں، اس لئے کہ ذکر و فکر میں ترقی ہوتی ہے اور استغراق میں ترقی نہیں ہوتی، وہ ایک عام حالت کا نام ہے، ذکر و صلوٰۃ کو قرب میں زیادہ دخل ہے، بہ نسبت مطالعۂ کتب کے، مطالعۂ کتب مقصود بالغیر ہے، اور عمل مقصودِ اصلی ہے، گو لذّت مطالعہ میں زیادہ ہے، مگر جزوِ بدن غذا بنتی ہے، نہ کہ چٹنی۔

فائدہ:... ذکر میں اگر ریا کا شائبہ محسوس ہوتا ہے تب بھی ذکر نہ چھوڑے، یوں سمجھو کہ یہ ٹمٹماتا چراغ ہے، جو آخرکار پل صراط سے پار کر ہی دے گا، اور ذکر نہ کرنے والے کے پاس تو یہ ٹمٹماتا چراغ بھی نہیں۔

اللہ اور رسول کا مقصود:

اللہ اور رسول کا مقصود یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی یاد کو اپنا اصلی کام بنالو، اور دُوسرے سب کاموں کو تابع بناؤ، اگر زبان سے ہر وقت ''اللہ، اللہ'' کرنا یاد نہ رہے تو تسبیح ہاتھ میں رکھو، اور ریا کا خوف نہ کرو، کیونکہ ریا وہ ہے جو بقصد و ارادہ ہو، اور بلاقصد وبلاارادہ محض وسوسۂ ریا ہے، اور وسوسۂ ریا، ریا نہیں۔

تمام کاموں میں نفس کو مشقت کا عادی بناؤ:

تمام کام، خواہ دِینی ہوں یا دُنیوی، تمدنی ہوں یا سیاسی، سب کی غرض اور بنیاد نفس کو مشقت کا عادی بنانا ہے، اگر نفس کبھی ذکر و مراقبہ اور عملِ سنت وغیرہ میں سستی کرے تو اس پر نوافل اور روزہ کا جرمانہ لگائے، اور اگر پھر بھی ہمت ہارے تو پوری ہمت سے اس کوتاہی پر مالی جرمانہ مقرّر کرے اور ادا کرے، بس نفس اصلاح میں آتے آتے آجائے گا۔ اور اُمورِ اختیاریہ، مثلاً: ذوق، شوق، انوار، استغراق اور کشف وغیرہ کے درپے نہ ہو، اگر مل جائیں تو الحمدللہ، اگر نہ ملیں تو بلا سے نہ ملیں، مقامات کا حاصل کرنا مقاصد سے ہے، مثلاً: توکل، رضا اور شکر وغیرہ، نہ کہ حالات کا، اس وقت یہ مذہب اختیار کرے:

یابم یا نہ یابم جستجوئے می کنم
حاصل آید یا نیاید آرزوئے می کنم

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمٖ

عبداللہ عفی عنہ نقشبندی قادری
ساکن بہلی ڈاک خانہ،
غازی پور ضلع ملتان

حصولِ نسبت کی حقیقت

ولایت دو قسم پر ہے، ا:... ولایتِ خاصہ ۲:... ولایتِ عامہ۔

ولایتِ عامہ:... ہر مسلمان کے لئے ہے، جیسا کہ ارشاد ہے: "اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا" (البقرہ:۲۵۷)۔

ولایتِ خاصہ:... موقوف ہے حصولِ نسبت پر، اور حصولِ نسبت موقوف ہے چند چیزوں پر۔

اوّل:... اعمالِ ظاہرہ و باطنہ کی بہ تکلف اصلاح کرے، بالخصوص اعمالِ باطنہ (قلبیّہ) کی اصلاح زیادہ اہم اور دُشوار ہے، جب اعمالِ صالحہ ظاہرہ و باطنہ پر ایک "معتدبہ" مدّت تک مواظبت و دوام کرے گا تو رفتہ رفتہ ان اعمال میں سہولت ہونے لگے گی، اسی سہولت کے حصول کے لئے تمام مراقبات، ریاضات، مجاہدات، اذکار اور اشغال کرائے جاتے ہیں۔

مجاہدہ سے انسان میں بسہولت، دوامِ طاعت کی ایک کیفیتِ راسخہ پیدا ہوجاتی ہے، جس پر حق تعالیٰ کی رضائے دائمی مرتب ہوتی ہے اور یہی نسبت مع اللہ کی حقیقت ہے، اور صرف ذکرِ دائم، دوامِ حضور یا ملکۂ یادداشت جس کو کہتے ہیں، وہ نسبت کی حقیقت نہیں ہے، البتہ حصولِ نسبت میں معین بہت ہے، کیونکہ جب ہر وقت

اللہ پاک کا دھیان رہے گا تو نافرمانی کا ہونا مشکل ہے۔ پس معلوم ہوا کہ نسبت کی حقیقت یہ ہے کہ حق تعالیٰ کو بندہ کے ساتھ رضا و قبول کا ایک خاص تعلق ہوجائے، جس کے لوازم سے بندہ کے لئے سہولتِ طاعت اور حضورِ دائم ہے، اور یہ نسبت کا عطا ہونا محض موہوب ہے، کیونکہ کسی عملِ صالح میں یہ قابلیت و قوت نہیں کہ وہ رضائے الٰہی کے لئے کافی ہوسکے، گو عادت اللہ یہ ہے کہ محض اپنے فضل سے وہ اپنی رضا کو اعمالِ صالحہ پر مرتب فرمادیتے ہیں۔

نیز واضح ہو کہ نسبت مع اللہ عادتاً حصول کے بعد پھر کبھی زائل نہیں ہوتی، جیسے بالغ ہونے کے بعد صفتِ بلوغ کبھی زائل نہیں ہوتی، صوفیہ کے قول: "الفانی لا یرد" کا یہی مطلب ہے۔

یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ فانی واصل ہے، یعنی صاحبِ نسبت سے کبھی صدورِ معصیت کا ہوجانا اس نسبت کے لئے مزیل نہیں ہے، اس کو ایسے سمجھ لو کہ گہری دوستی کے بعد یہ ضروری نہیں کہ کبھی شکررنجی نہ ہو، یا تکمیلِ صحت کے بعد یہ ضروری نہیں کہ کبھی زکام نہ ہو، مگر وہ عارضی ہوگا، تدارک کے بعد پھر وہی حالتِ صحت لوٹ آئے گی، ایسے ہی یہاں بھی جلدی عنایت سے یعنی توفیقِ توبہ سے تدارک ہوجاتا ہے۔

دوم:... نسبت کے حصول کے لئے اتباعِ سنت کو بہت دخل ہے کہ اس سے انجذاب پیدا ہوتا ہے، اس لئے کہ متبعِ سنت محبوب ہے، جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے: "قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ" (آل عمران:۳۱)۔

محبت میں انجذاب ہوتا ہے اور انجذاب سے نسبت پیدا ہوتی ہے۔

نسبت کی علامت یہ ہے کہ اس شخص کی صحبت میں "رغبت الی الآخرت اور نفرت عن الدنیا" کا اثر ہو، اور اس کی طرف دِین داروں کو زیادہ اور دُنیاداروں کو کم

توجہ ہو، مگر یہ پہچان خاص کر اس کے جزوِ اوّل کا ادراک ''اہلِ طریق'' کو زیادہ، اور محجوبین کو کم ہوتا ہے۔

اس تقریر سے معلوم ہوگیا کہ فاسق یا کافر یا بدعتی صاحبِ نسبت نہیں ہوسکتا، بعض لوگ غلطی سے نسبت کے معنی خاص کیفیات کو، جو ریاضت و مجاہدہ کا ثمرہ ہوتی ہیں، سمجھتے ہیں، حالانکہ یہ کیفیات تو ہر مرتاض میں ہوسکتی ہیں، مگر یہ اصطلاح جہلاء کی ہے۔

نیز یاد رکھنا چاہئے کہ حصولِ نسبت کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ آدمی کو ہر چیز سے زیادہ تعلق ہوجاتا ہے، جب یہ تعلق ہوجاتا ہے تو پھر کسی دُنیاوی شے کے فوت ہونے پر زیادہ قلق نہیں ہوتا، اسی لئے ذکر کی تلقین کی اجازت کے لئے، حصولِ نسبت شرط ہے۔

بیعت و تلقین کی اجازت کی دُوسری شرط یہ ہے کہ وہ شخص طریقِ تربیت و اصلاح سے بھی واقف ہو، تاکہ طالبین کی صحیح خدمت کرسکے۔

سوم:... حصولِ نسبت کے لئے تیسری چیز ''شیخ بصیر فی امراض القلب'' (قلب کے اَمراض میں صاحبِ بصیرت شیخ) کا اتباع ہے، اس لئے کہ بعض امراض خفیہ ہوتے ہیں اور شیخِ محقق و عارف کی تنبیہ کے بغیر سمجھ میں نہیں آتے، اور اگر سمجھ میں آجائیں تو ان کا علاج سمجھ میں نہیں آتا، اور حصولِ نسبت کے لئے امراضِ رُوحانیہ سے صحت شرط ہے، اس لئے شیخِ محقق سے تعلق ضرور ہونا چاہئے۔

تحصیلِ نسبت کے لئے اکسیر نسخہ:

اُمور دو قسم پر ہیں:

۱:...اُمورِ اختیاریہ: مثلاً: نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج وغیرہ۔

۲:...اُمورِ غیر اختیاریہ: مثلاً: ذوق، شوق، صحو اور سکر وغیرہ۔

اختیاری اُمور میں کوتاہی کا علاج:

اختیاری اُمور میں کوتاہی کا علاج بجز ہمت و استقلال کے کچھ نہیں، اور افعالِ شرعیہ سب اختیاری ہیں، ورنہ نصوص کی تکذیب لازم آتی ہے، جب انسان اختیار کا استعمال کرے گا تو کامیابی لازم ہے، البتہ شروع میں دُشواری وکلفت ضرور ہوگی، لیکن اس کا علاج بھی یہی ہے کہ باوجود کلفت کے ہمت اور اختیار سے برابر بہ تکلف اور بہ جبر کام لیتا رہے، رفتہ رفتہ وہ کلفت سہولت سے بدل جائے گی، سارے مجاہدات بس اسی لئے ہیں کہ امتثالِ اَوامر اور اجتنابِ نواہی میں سہولت پیدا ہوجائے۔ کرتے کرتے مشق ہوجاتی ہے، پھر نہایت سہولت سے اَحکام پر عمل ہونے لگتا ہے، جیسے سبق پڑھتے پڑھتے یاد ہوجاتا ہے، اگر شروع کی کلفت اور دُشواری کی حالت میں ہمت ہار دی تو پھر کامیابی مشکل ہوجائے گی۔ تمام دِینی، دُنیاوی، تمدنی، اور سیاسی مصالح کی بنیاد نفس کو مشقت کا عادی بنانا ہے، اگر نفس کبھی سستی کرے تو اس پر نوافل اور روزہ کا جرمانہ لگائے، اگر پھر بھی ہمت ہارے اور کوتاہی کرے تو پوری ہمت سے اس پر مالی جرمانہ لگائے اور اس جرمانے کو ادا کرے، بس نفس اصلاح میں آتے آتے آجائے گا۔

خلاصۂ تصوّف: علم مع العمل ہے:

غیر اختیاری اُمور کے بارے میں طرزِ عمل یہ ہو کہ اُمورِ غیر اختیاریہ کے حاصل کرنے کے درپے نہ ہو، اور ان کے پیچھے نہ لگے، مثلاً ذوق، شوق، استغراق،

انوار وغیرہ نہ ہوں تو بلا سے نہ ہوں، اس لئے کہ احوال کے نہ ہونے سے سلوک میں کوئی نقص نہیں، کیونکہ مقامات مقاصد ہیں، نہ کہ احوال، بلکہ طالبِ صادق کو غلام بن کر رہنا چاہئے، ثمرات پر نظر نہ کرنا چاہئے، بلکہ اس وقت یہ مذہب اختیار کرے:

یابم یا نیابم جستجوئے می کنم
حاصل آید یا نیاید آرزوئے می کنم

ایسی غلامی دیکھ کر آقا کو رضا وقبول کا ایک خاص تعلق اپنے غلام سے ہوجاتا ہے، اسی کو نسبت کہتے ہیں، اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا۔

اللّٰھم صل وسلم دائمًا ابدًا
علٰی حبیبک خیر الخلق کلھم

اصلاحِ رذائل

دُنیائے مذموم کی شناخت:

ضرورت کی بنا پر مطلق مال کی خواہش حبِ دُنیا نہیں۔

حبِ دُنیا کی علامت:

حرام مال کے جمع کرنے سے نہ بچنا، یا اپنی حاجات سے زائد جمع کرنا، اگرچہ حلال سے ہو، اور بوقت ضرورتِ شرعی خرچ نہ کرنا۔

غفلتِ مذموم:

غفلتِ مذموم یہ ہے کہ بے شغلی کی حالت میں اللہ تعالیٰ سے بے توجہ رہے، اور ایسا شغل جو توجہ الی اللہ سے مانع ہو، اسے بلاضرورت اختیار کرے۔

مال کا جمع کرنا مطلقاً خلافِ زُہد نہیں:

مال کا جمع کرنا مطلقاً خلافِ زُہد نہیں، خلافِ زُہد وہ ہے کہ اس مال کو ذریعہ معاصی بنالے، بعضوں کے لئے مال دار ہونا مفید ہے، اللہ تعالیٰ جانتے ہیں کہ کس کو مال سے قرب ہوگا؟ اور کس کو افلاس سے؟ اسی لئے کسی کو مال دیتے ہیں اور اپنا بناتے ہیں، اور کسی کو افلاس دے کر صبر وشکر کی توفیق سے نواز کر اپنا بناتے ہیں۔

حصولِ دُنیا پر فخر کرنے کی مثال:

حصولِ دُنیا پر فخر کرنے کی مثال ایسی ہے جیسے دو بھنگی آپس میں فخر کریں، ایک کہے کہ: ''میں نے گوہ (پاخانہ) کے اتنا ٹوکرے کمائے''، دُوسرا کہے: ''میں نے تجھ سے زیادہ کمائے''۔

کسبِ دُنیا مذموم نہیں:

کسبِ دُنیا مذموم نہیں، حبِ دُنیا مذموم ہے۔ کسبِ دُنیا (مال) مذموم نہیں، البتہ اس کی محبت کا دِل میں لانا، اس کا ذکر کرنا، خواہ پیرایۂ مذمت میں ہی کیوں نہ ہو، یہ ممنوع ہے، کیونکہ جس چیز کی وقعت دِل میں نہ ہو، اس کا ذکر بطور مذمت کے بھی نہیں کیا جاتا۔

دُنیا کی مثال:

عارفے در خواب رفت فکرے
دید دُنیا بصورت بِکرے
کرداز وے سوال کائے دلبر
بکر چوئی با ایں ہمہ شوہر
گفت یک حرف باتو گویم راست
کہ مرا ہر کہ بود مرد نخواست
دانکہ نامرد بود خواست مرا
زانکہ نخواست ہمیں بجا است مرا

ترجمہ:... ''ایک عارف کسی فکر میں سوگیا، دُنیا کو خوب صورت جوان عورت کی شکل میں دیکھا، تو اس سے سوال کیا:

اے پیاری عورت! تو نے اتنے شوہر بنائے مگر پھر بھی جوان ہے؟ کہا کہ: ایک بات میں کہتی ہوں جو سچ ہے کہ: جو مرد تھا اس نے مجھ کو ہاتھ نہیں لگایا، اور جو نامرد تھا اُس نے چاہا ہے، اور جس نے نہیں چاہا، میرے نزدیک وہ بہتر ہے۔‘‘

حرصِ مذموم کی شناخت:

شریعت میں حرصِ مذموم وہ ہے جس سے دُنیا کو دِین پر ترجیح ہونے لگے، وگرنہ وہ حرص، حرص نہیں، اگر مال کی محبت کو اللہ تعالیٰ کی رضا کا وسیلہ بنالے تو وہ محبت مذموم نہیں، بلکہ کسی درجے میں مطلوب ومحمود ہے، کیونکہ مال کا ضائع کرنا حرام ہے۔

حرص کا علاج اور خوشی کا راز:

مخلوق کے ہاتھ میں جو کچھ ہے، سب سے اُمید قطع کردے، قلب اور بدن، سب راحت میں آجائے گا، اور غم کافور ہوجائے گا۔

بخلِ مذموم:

بخلِ مذموم وہ ہے کہ جس سے حقوقِ واجبہ فوت ہوجائیں۔ محض قلب کی تنگی جبکہ حقوقِ واجبہ فوت نہ ہوں، حبِ مال نہیں، بلکہ حبِ اعتدال ہے۔

بخیل کی اجازت:

بخیل کی اجازت بھی مشکوک ہے، اور سخی دوستوں سے بغیر اجازت کے کھانا جائز ہے، بشرطیکہ دِل گواہی دے کہ اس کو ناگوار نہ ہوگا، بلکہ چھین کر کھانا بھی جائز ہے۔ (انفاسِ عیسیٰ ص:۱۹)

اِسراف سے بچنے کا طریقہ:

خرچ کرنے سے پہلے سوچا کرو کہ اس جگہ خرچ نہ کرنے سے کچھ ضرر ہوگا یا نہیں؟ اگر واقعی ضرورت ہو اور خرچ نہ کرنے سے حقیقی نقصان ہو تو خرچ کرو، ورنہ نہ کرو، کیونکہ وہمی و خیالی ضرر معتبر نہیں، معیار تو ہر حال میں شریعت ہے، اس طرز کو اختیار کرنے سے اِسراف سے بچ جاؤگے، اور بیوی کا دِل خوش کرنے کے لئے کوئی چیز خریدنا اِسراف نہیں، کیونکہ بیوی کا دِل خوش کرنا بھی مطلوب ہے۔ اِسراف وہ ہے کہ جس میں ثواب یا دُنیاوی نفع ''معتد بہ'' نہ ہو۔

علاج:... اہل اللہ کی وضع رکھو، بلاضرورت ہرگز مقروض مت بنو، گو رسم و رواج کے خلاف کرنا پڑے، ہر کام سوچ سے کرو، کسی کے کہنے سے کوئی کام مت کرو، بلکہ اس میں اپنی رائے قائم کرو:

سن لاکھ تجھے کوئی سناوے
کیجیو وہی جو سمجھ میں آوے

حرصِ طعام اور اس کا علاج:

خوارک کم کرنے کی فکر میں نہ پڑیں، ضعف ہوجائے گا، جب خدا تعالیٰ نے کھانے کو دیا ہے اور کھانے کی اجازت بھی دی ہے، پھر تنگی کیوں کریں؟ پیٹ بھر کر کھانا گناہ نہیں، ہاں! زیادہ کھانے سے اگر ضرر کا احتمال ہو تو پھر زیادہ کھانا، اپنے کو بیماری میں مبتلا کرنا ہے، اس کا علاج یہ سوچنا ہے کہ زیادہ کھانے سے ضرر ہوگا۔

آدابِ طعام:

۱:... جس کے ہاں مہمان بنو، اُس کو اپنے معمولات کی پہلے سے اطلاع کردو، کہ میں فلاں چیز نہ کھاؤں گا، دسترخوان پر بیٹھ کر اپنے معمولات بیان کرنا

خلافِ تہذیب ہے۔

۲:... میزبان، مہمان کے اُوپر مسلط ہوکر نہ بیٹھے، بلکہ مہمان کو آزاد چھوڑ دے۔

۳:... میزبان کے ہاتھ پہلے دُھلائے جائیں، اگر ساتھ کھانا ہوتو کھانا بھی پہلے میزبان کے سامنے رکھا جائے۔

۴:... میزبان کھانا خود پہلے شروع کردے، اس سے مہمان بے تکلف ہوجاتا ہے۔

۵:... میزبان کو چاہئے کہ مہمانوں کو کھاتے ہوئے ہرگز نہ گھورے، کیونکہ اگر مہمان کو معلوم ہوجائے کہ میزبان میرا لقمہ دیکھ رہا ہے، تو اس سے کھانا نہیں کھایا جائے گا۔

۶:... بسم اللہ پڑھ کر کھانا۔

۷:... مہمان کو چاہئے کہ اتنے دن میزبان کے ہاں رہائش رکھے جس سے میزبان تنگ نہ ہو، اگر یہ احتمال کم ہوتو بھی بقدرِ ضرورت رہے اور بے تکلف پوچھ لے۔

کثرتِ کلام کی مذمت:

شریعت کی یہ تعلیم اور تاکید ہے کہ بے ضرورت باتوں میں نہیں پڑنا چاہئے، حدیث: "من حسن اسلام المرء ترکه ما لا یعنیه" اس پر صریح دلیل ہے۔

نقصان دہ بات کی شناخت:

ہر کام اور ہر بات میں سوچنا چاہئے کہ اس کی غرض و غایت کیا ہے؟ جس کام اور جس بات کی کچھ غایت نہ ہو وہ فضول ہے، اور گر غایت تو معلوم ہو مگر مفید نہ ہو، تو وہ بھی فضول ہے، اگر غایت میں کوئی لازمی یا متعدی ضرر ہو تو وہ کلام یا بات مضر ہے۔

فائدہ:... سلف میں مناظرہ اس لئے ہوتا تھا کہ شاید فریقِ مخالف سے کوئی حق بات ظاہر ہوجائے تو ہم اس کو مان لیں، اور اب اس لئے ہوتا ہے کہ خدا کرے فریقِ مخالف سے غلط بات نکلے تاکہ ہم اس کو شرم دِلائیں، ذلیل کریں اور اس کی تردید کریں، لہٰذا مناظرہ اب سراسر مضرِ قلب و دِین ہے۔

معصیتِ لسانی سے بچنے کا طریقہ:

اکثر وقت زبان کو ذکر اللہ میں مشغول رکھو، اَمر بالمعروف کرتے رہو، اور ہمت کرو کہ غلط لفظ منہ سے نہ نکلے، غلط لفظ نکلنے پر اپنے اُوپر مالی جرمانہ کرو، ضرورت کے وقت سوچ کر بات کرو، فضول آدمی کے پاس سے خود اُٹھ جاؤ، اگر جواز و عدمِ جواز میں شبہ ہو تو کسی متدین عالم سے پوچھ کر عمل کرو، یاد رکھو! کہ لایعنی کلام سخت مضرِ قلب ہے۔

جھوٹ کا عملی علاج:

جس کو جھوٹ بولنے کی عادت ہو، اس کا بہترین علاج یہ ہے کہ جس سے کلام کرے، اس سے پہلے یہ کہہ دیا کرے کہ: ''میری عادت کثرت سے جھوٹ بولنے کی ہے'' تھوڑے دن اس پر مداومت سے اِن شاء اللہ جھوٹ کی عادت چھوٹ جائے گی۔ نیز ایسا کلام مت کرو جس کی بنا پر دُنیا یا آخرت میں معذرت کرنا پڑے۔

حبِ جاہ کی حقیقت:

جاہ وہ مضر ہے جو طلب سے ہو، مثلاً: پیر بننے کی، ممبری ملنے کی یا عالم کہلانے کی کوشش وغیرہ، اگر جاہ بغیر طلب کے حاصل ہو، تو وہ مضر نہیں۔ جاہ کا حصول اگر اس لئے ہو کہ ظالموں کے مفسدہ سے بچے تو یہ دُرست ہے، اور اس نیت سے کہ لوگوں میں وقعت ہونے سے مال خوب جمع ہوگا، ہر مطالب خواہ شرع کے موافق ہوں

یا مخالف، پورے ہوں گے، واہ، واہ کا آوازہ ہوگا، تو یہ مذموم ہے۔

علاج:... اس کا علاج یہ ہے کہ حبِ جاہ کے بارے میں جو مذمتیں اور وعیدیں وارِد ہوئی ہیں، ان کو پڑھتے رہیں اور اپنے نفس کو ان الفاظ سے خطاب کرتے رہیں کہ: اگر لوگوں کو ان رذائل کی اطلاع ہوجائے تو وہ تجھے کتنا ذلیل اور حقیر سمجھیں؟ تیرے لئے تو یہی غنیمت ہے کہ لوگ تجھ سے نفرت اور تیری تحقیر نہیں کرتے، نہ یہ کہ ان سے تعظیم و مدح کی توقع رکھی جائے۔

عملی علاج:... مداح (تعریف کرنے والے) کو زبان سے منع کرو، اس میں ذرا اہتمام سے کام لو، اس کے ساتھ ساتھ جو لوگ ذلیل شمار کئے جاتے ہیں، ان کی تعظیم کرو، گو نفس کو گراں گزرے۔

ترقیٔ مروّجہ اور ترقیٔ حقیقی کا فرق:

''فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَات'' میں خود ترقی کا حکم ہے، لیکن اس قید کے ساتھ کہ ترقی خیر میں کرنی چاہئے۔ آپ ترقیٔ درہم کے حامی ہیں، خواہ دِین سلامت رہے یا نہ رہے، اور ہم لوگ بدوں سلامتِ دِین کے ترقی درہم کو ''ترقیٔ ورم'' کہتے ہیں، جس شخص کے بدن پر ورم ہوجائے، ظاہر ہے کہ وہ بھی ''ترقی یافتہ'' ہے، مگر تنزل کی طرف جارہا ہے۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ محمد و اٰلہٖ و اصحابہٖ اجمعین

انفاسِ طیبات اولیائے کرامؒ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حَامِدًا وَّمُصَلِّیًا

حضرت شیخ ابوعلی دقاق رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں کسی نے عرض کیا کہ:

بزرگوں کی حکایات پر جب ہم عمل نہیں کرتے تو ان کے سننے میں کیا فائدہ ہے؟ شیخ نے فرمایا: اس میں دو فائدے ہیں:

۱:... اگر مرد طالب و سالک ہوگا، اس کی ہمت قوی ہوجائے گی، طلب میں زیادہ کوشش کرے گا۔

۲:... اور اگر طالب نہیں، تو شاید تکبر سے تواضع کی طرف آجائے۔

اسی طرح حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی منقول ہے۔

حضرت ابو یوسف ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ:

اگر بزرگانِ دِین کبھی چھپ جائیں تو ہم کیا عمل کریں جس سے سلامتی پائیں؟ فرمایا کہ: اُن کے سخنوں (حکایات) کے آٹھ ورق پڑھا کریں۔

حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

وہ گناہ کہ جس میں ڈر و خوف ہو، پھر اس کے بعد توبہ و عذر ہو، اس طاعت سے بہتر ہے، جس میں عجب و خودپسندی ہو، کیونکہ عجب و خودپسندی اللہ تعالیٰ کی بندگی

سے دُور کر دیتی ہے:

مبارک آں معصیتے کہ مرا بہ عذر آرد
زنہار زطاعتے کہ مرا بہ عجب آرد

ترجمہ:... ''مبارک ہے وہ معصیت جو مجھے عذر پر لے آئے، اس طاعت سے، جو مجھے عجب وخود پسندی میں مبتلا کرے۔''

حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ:
''میں نہیں جانتا کہ جس نے اللہ تعالیٰ کو پہچانا، پھر غیر سے اُنس ومحبت کرے۔''
اور فرمایا کہ: ''گناہ کے چھوٹے ہونے کو نہ دیکھ، جس کی نافرمانی کر رہا ہے اُس کو دیکھ۔''

حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے ایک دن نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ:
تین کاموں سے بچو:

۱:... بادشاہوں کے بچھونوں پر مت بیٹھو، اگر چہ شفقت سے ہو۔
۲:... کسی کو راز کی بات نہ کہو۔
۳:... اور مزامیر کی طرف کان نہ لگاؤ، اگر چہ جوانمردی رکھتے ہو، کیونکہ یہ آفت سے خالی نہیں۔

حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:
جس شخص کو لوگوں سے باتیں کرنا زیادہ پسند ہو، اللہ تعالیٰ کی یاد و ذکر سے اس کا علم تھوڑا ہے، اس کا دِل نابینا ہے، اور اس کی عمر ضائع ہے۔ اور فرمایا: سب سے بہتر عمل اِخلاص ہے۔

بزرگانِ دِین کا فرمان ہے: توحید تین قسم پر ہے: ۱:...ذاتی، ۲:...صفاتی،

۳:...افعالی۔ ہر ایک ابیات میں پیشِ خدمت ہیں:

اکنوں در توحید می گویم سخن
نیست اینجا گفتگوئے ماؤمن

ترجمہ:...''اب توحید میں گفتگو کرتا ہوں، یہاں ماؤمن کے قصے نہیں ہیں۔''

ماؤمن اینجا مگو اے بے ادب
زانکہ توحید است اسقاط النسب

ترجمہ:...''ماؤمن یہاں نہ کہہ اے بے ادب! اس لئے کہ توحید، نسبت ساقط کرنے کا نام ہے (یعنی خدا کے علاوہ دُوسروں کی نسبت ساقط کرنے کا)۔''

توحیدِ فعلی:

در جہاں فاعل نہ بینی جز خدا
فعل اللہ است جملہ فعل ہا

ترجمہ:...''جہاں میں فاعل اللہ کے سوا کوئی نہیں، تمام افعال اللہ تعالیٰ کا فعل ہیں۔''

دادن و بخشیدن و گردن زدن
جملہ باشد فعلِ حق ذُوالمنن

ترجمہ:...''دینا، بخشنا اور گردن مارنا، سب احسان والے حق تعالیٰ کے افعال ہیں۔

توحیدِ صفاتی:

ہم چنیں باشد صفاتی اے گدا
نیست موصوفے دگر جز یک خدا

ترجمہ:... ''اے فقیر! توحیدِ صفاتی اسی طرح ہے کہ ایک اللہ کے سوا کوئی موصوف نہیں۔''

قادر و حی و توانا ہست او
عالم و بینا و دانا ہست او

ترجمہ:... ''وہی قادر، زندہ اور توانا ہے، اور عالم، دانا و بینا وہی ہے۔''

توحیدِ ذاتی:

ایں ذواتِ خلق بکذاب است و بس
نیست جز اللہ دیگر ہیچ کس

ترجمہ:... ''مخلوق کی یہ ذوات سب جھوٹی ہیں، اللہ کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔''

ہرچہ گویم ہرچہ بنویسم حق است
ہرچہ دانم ہرچہ خوانم مطلق است

ترجمہ:... ''جو کچھ کہتا ہوں اور جو کچھ لکھتا ہوں، حق ہے، جو کچھ جانتا ہوں اور جو کچھ پڑھتا ہوں، مطلق ہے۔''

یہ توحیدِ وجودی ہے، اور جن کے نزدیک توحیدِ شہودی ہے، وہ فرماتے ہیں:

مذہب اہلِ شہود است ایں چنیں
کہ خدا پاک است نہ آں ہست نہ ایں

ترجمہ:... ''اہلِ شہود کا مذہب اس طرح ہے، کہ اللہ تعالیٰ پاک ہے، نہ وہ ہے، نہ یہ ہے۔''

جملہ حقوق اند از وے اِنس و جان
اوستِ قیومِ زمین و آسماں

ترجمہ:... ''سب مخلوق یعنی جن و اِنس اسی سے ہیں، وہی زمین و آسمان کا قیوم ہے۔''

دارد او سر تا قدم تنزیہ صرف
پاک ذاتش ہست از تشبیہ صرف

ترجمہ:... ''وہ مکمل طور پر پاک ہے، اس کی ذات تشبیہ سے بالکل پاک ہے۔''

درحقیقت جملہ او نبود روا
کو منزہ ست از ماؤشما

ترجمہ:... ''درحقیقت جملہ اُو کہنا جائز نہیں، اس لئے کہ وہ ماوشما سے منزہ ہے۔''

گر ہمہ حق در نظر آید ترا
نیست ہرگز فی الحقیقت ہکذا

ترجمہ:... ''اگر تجھے سب حق نظر آئے، حقیقت میں ہرگز اس طرح نہیں ہے۔''

بسکہ غالب گشت بر تو عشق او
در نظر می آید او ہر چارسو

ترجمہ:... ''جب تجھ پر اس کا عشق غالب آجائے، ہر

طرف وہی تجھے نظر آئے گا۔“

ہم چو مجنوں کہ زبس مشتاق بود

ہر کجایش روئے لیلیٰ می نمود

ترجمہ:... ”مجنوں کی طرح جو بہت مشتاق تھا، ہر جگہ اس کو لیلیٰ کا چہرہ دِکھائی دیتا تھا۔“

درحقیقت نیست لیلیٰ ہر کجا

بل خیالِ اوست ہر جا راہنما

ترجمہ:... ”حقیقت میں لیلیٰ ہر جگہ نہیں ہے، بلکہ اس کا خیال ہر جگہ اس کا راہ نما ہے۔“

حضرت اِمام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ:

جو شخص سفر میں روانہ ہونے کے وقت آیۃ الکرسی ایک بار سامنے اور ایک بار پیچھے اور ایک بار دائیں جانب اور ایک بار بائیں جانب پڑھ کر دَم کرے اور پھر سلامت و عافیت کی دُعا مانگے، اِن شاء اللہ تعالیٰ سفر باظفر اور سلامتی سے واپس آئے گا۔

ایک بزرگ نے فرمایا: جو شخص راستہ بھول جائے، وہ سورۂ والضحیٰ چند بار پڑھ کر دُعا مانگے، تو راہ یاب ہوگا۔

اگر راہ زنوں کا خطرہ ہو تو یہ پڑھے: ”مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ، اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ“ خطرے سے محفوظ رہے گا۔ نیز سورۂ تبت سات بار بغیر بسم اللہ کے پڑھنا ڈاکوؤں اور راہ زنوں کے دفاع میں بڑا اثر رکھتی ہے۔

فراخیٔ رزق کے لئے سورۂ واقعہ مغرب کی سنتوں میں پڑھتا رہے۔

زیارت فیض بشارت سروَرِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے سورۂ ”اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ

الْکَوْثَرَ'' ہزار بار، گیارہ روز تک پڑھا کرے، اوّل و آخر دُرود شریف سات، سات بار، بہ لحاظ معنی پڑھے، اور یہ تصوّر کرکے پڑھے کہ روضۂ اقدس کے پاس حاضر ہوں اور ''اَللّٰهُمَّ صَلِّ'' پر دُعا والتجا ربّ تعالیٰ کی طرف اور ''عَلٰی مُحَمَّدٍ'' یا ''عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ'' پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تصوّر کرے، اسی طرح تمام دُرود شریف کو معنی کے لحاظ سے ہزار بار گیارہ روز یا اکیس روز تک پڑھے، اِن شاء اللہ بے بہرہ نہ رہے گا۔

واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علٰی سیدنا محمد واٰلہٖ واصحابہٖ واتباعہ اجمعین من الصلوٰۃ والسلام افضلھما واکملھما ادومھما

عبداللہ عفی عنہ
نقشبندی، قادری، حنفی بہلوی
شجاع آباد

چند نکاتِ تصوّف

منقولہ از مکاتیب حضرت مجدد الف ثانیؒ

دُرودشریف:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر دُرود شریف اگرچہ ریا و سمعہ سے پڑھا جائے، مقبول ہے، اور یہ دُرود شریف حضور علیہ السلام کی خدمت بابرکت میں پہنچایا جائے گا، اگرچہ پڑھنے والے کو اس کا ثواب نہ ملے، کیونکہ وہ تصحیحِ نیت پر موقوف ہے، اور حضور پُرنور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے بہانہ بھی کافی ہے: ''وَكَانَ فَضْلُ اللهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا''۔

بڑی چوری:

کسی کا مال چرانا کبیرہ گناہ ہے۔ عورت بلا اجازت شوہر کا مال چھپادے، یہ بھی چوری میں داخل ہے، اور بڑی چوری یہ ہے کہ نماز کے رُکوع، سجود، قومہ اور جلسہ وغیرہ پورے طور پر ادا نہ کرے، حدیث میں اس کو ''اسرق السارقین'' فرمایا ہے۔

تجلی دو قسم ہے:

تجلی دو قسم ہے: ایک وہ کہ حضور بے غیبت ہو، دائم ہو، چھپے نہیں، یہ اعلیٰ قسم

ہے۔ دوم یہ کہ تجلی ذاتی برقی ہو، چمکے اور پھر گم ہوجائے، آئے اور چلی جائے، یہ بھی نعمت ہے۔

عشق ومحبت:

عشق ومحبت، مقاصد میں سے نہیں ہیں بلکہ مقامِ عبودیت کے حصول کے لئے شاہراہ ہیں اور ماسوا کی گرفتاری سے خلاصی کے وسیلے ہیں۔

گناہِ کبیرہ:

ہر گناہ خواہ صغیرہ ہو یا کبیرہ، اللہ تعالیٰ کے غضب کا موجب ہوتا ہے۔ کبیرہ بھی نافرمانی ہے اور صغیرہ بھی نافرمانی ہے۔ اہل اللہ کے نزدیک صغیرہ سے بچنا ویسا ہی ضروری ہے جیسا کہ کبیرہ سے بچنا۔ ہاں! آپس میں گناہوں کی نسبت یہ ہے کہ کوئی کبیرہ ہے، کوئی اس سے صغیرہ، (معاذ اللہ) چند کبیرہ گناہ شمار کئے جاتے ہیں:

۱:...شرک اور کفر سے نہ بچنا۔

۲:...مراسمِ شرک وکفر کا اختیار کرنا۔

۳:...امراض وغیرہ کے دفع کے لئے اہلِ قبور سے مدد طلب کرنا۔

۴:...ندائے غائبانہ، یعنی غیراللہ کو دُور سے پکارنا۔

۵:...نذرِ غیراللہ، خیرات سے ہو یا روزہ، نماز سے۔

۶:...زنا۔

۷:...قتلِ اولاد، اگرچہ پیٹ میں ہو۔

۸:...افتراء و بہتان۔

۹:...سرود بآلات۔

۱۰:...غیبت۔

۱۱:... فالِ بد۔
۱۲:... مسکرات (نشہ آور اشیاء) کا پینا۔
۱۳:... ایذاءِ مؤمن، وغیرہ وغیرہ۔

علم، شہود، معرفت اور حیرت:

علم، شہود، معرفت اور حیرت انسان کے اندر کی چیز ہے، باہر کی نہیں، اگرچہ بعض اکابر نے باہر کی بھی فرمایا ہے، ایسے شخص کے لئے ہر بلا ومصیبت باعثِ فرحت وسرور ہوا کرتی ہے، اگرچہ ابتداء میں غم وحزن کی موجب ہوجاتی ہے، مگر بہت جلد وہ زائل ہوجاتا ہے۔ اسی طرح ان لوگوں کی دُعا امتثالِ امر "اُدْعُوْنِیْ" کے لئے ہوتی ہے، دفعِ بلا ومصیبت کے لئے نہیں ہوتی، لیکن محققین کے نزدیک جیسے دُعا امتثالِ امر کے لئے ہوتی ہے، ویسے ہی اظہارِ اِفتقار کے لئے بھی ہوتی ہے، اور دفعِ بلا کے لئے دُعا کرنا بھی عجز وفقر ہے، ایسی دُعا نہ رضا بالقضاء کے مخالف ہے، نہ مقامِ معرفت کے منافی ہے، بلکہ عین معرفت ہے، فافہم! انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی دُعا اسی قبیل سے تھی، کذا قال المجدد۔

اِستغراق و اِستہلاک:

اِستغراق و اِستہلاک سے مراد رُوح اور نفس کا مشاہدۂ انوار میں مست ہونا ہے، یہ مقامِ ولایت ہے، اس کے بعد اگر خلقت کو دعوت الی اللہ سے بھی منوّر کرے تو سیر من اللہ و الی اللہ ہے، یہ مقامِ نبوّت کے مناسب ہے، اور اَرفع مقام ہے، اُنسِ محبّ، مشاہدہ محبوب ہے، اور اُنسِ محبوب، بندگی وغلامی محبین سے ہوتا ہے۔

حسن وکمال:

حسن وکمال کے لئے آئینے کی ضرورت ہے، اور آئینہ مقابل میں ہوتا ہے،

لہٰذا خیر کے مقابل، شر، اور کمال کے مقابل، نقص ہے، پس جو شخص جتنا اپنے میں عیب ونقص دیکھتا ہے، اتنا ہی خیر وکمال میں زیادہ تر ہے:

ہر کہ بر عیب خود بینا شود
روح او را قوتے پیدا شود

مگر یہ علم ذوقی ہے، یہ نہیں کہ شر ونقص سے متصف ہو جائے۔

سنت و بدعت:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کام یا بطور عبادت ہیں یا بجہت عادت، پس جو کام بطور عبادت ہوں ان کے خلاف کرنا بدعت ہے، جو اِحداث فی الدین اور مردُود ہے، اس کا روکنا ضروری ہے، اور جو کام بطور عادت ہوں، ان کا خلاف، بدعت اور منکر نہیں ہے۔ ہر شہر کا عرف و عادت اکثر دُوسرے شہر کے عرف و عادت کے خلاف ہوتا ہے، تو اس چیز کا ہونا، نہ ہونا، عرف و عادت پر ہے، نہ کہ دِین وملت پر۔

فائدہ:... بدعتِ حسنہ وہ ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم و خلفائے راشدینؓ کے بعد ظاہر ہو اور رافعِ سنت نہ ہو، اور بدعتِ سیئہ وہ ہے جو رافعِ سنت ہو۔

اِحداث فی الدین ممنوع ہے، اور اِحداث للدین جس پر دِین کا فہم موقوف ہو، جیسے نحو، صرف وغیرہ، وہ بدعت میں داخل نہیں۔

جاننا چاہئے کہ سماع اور رقص درحقیقت لہو ولعب میں داخل ہیں، آیت: "وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِیْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ" سرود وغنا کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ کسی فقیہ نے کسی وقت اباحتِ سرود کا فتویٰ نہیں دیا، اور پاکوبی اور رقص کو جائز نہیں رکھا، اور صوفیوں کا فتویٰ حلت وحرمت میں سند نہیں۔

یاد رکھنا چاہئے کہ جب تک بدعتِ حسنہ کو بدعتِ سیئہ کی طرح نہ چھوڑے،

حقیقت کی خوشبو ان کے دماغ میں نہیں آسکتی، کذا قال المجدد الف ثانی رحمۃ الله علیہ۔

احوال، مواجید، علوم اور معارف:

وہ احوال، مواجید، علوم اور معارف جو صوفیوں کو راہ میں وارِد ہوتے ہیں، مقاصد سے نہیں ہیں، مقاصد مقامات کا حصول ہے، اور وہ یہ ہیں: توبہ، توکل، صبر، شکر، خوف، رجا، زُہد، فقر، قناعت اور رضا۔ بس ریاضات ومجاہدہ سے ان مقامات کو حاصل کرے اور مقامِ فنا ومحبتِ ذاتیہ میں پہنچے، اور فنا کے بعد اِخلاص حاصل ہوگا، اسی پر فرمایا ہے کہ بغیر فنا اِخلاص حاصل نہیں ہوتا، اللّٰھم ارزقنا بفضلک!

واٰخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین

وصلی الله تعالٰی علٰی خیر خلقہٖ محمد واٰلہٖ واتباعہٖ اجمعین

عبدالله عفی عنہ
نقشبندی، قادری، حنفی
ساکن بہلی، ضلع ملتان

مبشراتِ منامیہ

ذیل میں قطب الارشاد حضرتِ اقدس اِمام بہلوی نوّر اللہ مرقدہٗ کی چند مبشراتِ منامیہ ذکر کی جاتی ہیں جو کہ آپؒ نے اپنے دست مبارک سے اپنی کتاب ''حصن حصین'' میں تحریر فرمائیں، چونکہ ایک بشارت کے سوا سب عربی میں ہیں، اس لئے ترجمہ بھی کردیا گیا ہے۔

ا:... ''رأیت بحمد اللہ و نعمته لیلة الثلثاء فی رجب ۱۳۵۳ھ اکرم الخلق علیه و علیٰ اٰله الصلوٰة والسلام دائمًا، فاسقیته ماءً، الحمد للہ رب العالمین حمدًا کثیرًا طیبًا مبارکًا فیه و مبارکًا علیه.''

ترجمہ:... ''اللہ پاک کے احسان وفضل کے ساتھ رجب ۱۳۵۳ھ منگل کی رات میں مجھے اس ہستی کی زیارت نصیب ہوئی جو مخلوق میں سب سے زیادہ معزّز ومکرّم ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کی آل پر ہمیشہ دُرود وسلام ہو، (زیارت کے دوران) میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پانی پلایا، ہر قسم کی مقبول، پاکیزہ اور بے نہایت تعریفیں اللہ رَبّ العالمین کے لئے ہیں۔''

۲:... "هٰكذا رأيت فى ١٣٥٤هـ اكرم الخلق عليه وعلٰى اٰله واصحابه الصلٰوة والسلام دائمًا، فأجلسنى مع نفسه الشريف على المائدة فأكلت معه شبعًا، الحمد لله ربّ العالمين حمدًا كثيرًا مباركًا فيه ومباركًا عليه."

ترجمہ:... "اسی طرح ۱۳۵۴ھ میں اکرم الخلق صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوا، آپ پر اور آپ کی آل پر ہمیشہ صلوٰۃ وسلام ہو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دسترخوان پر اپنے ساتھ بٹھایا اور پھر میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سیر ہوکر کھانا کھایا۔"

۳:... "هٰكذا رأيت ليلة العرفة فى ذى الحجة ١٣٥٤هـ الحمد لله حمدًا كثيرًا طيبًا مباركًا فيه ومباركًا عليه."

ترجمہ:... "اسی طرح ۹/ذی الحجہ ۱۳۵۴ھ کی رات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوا۔"

۴:... "هٰكذا رأيت ذوالقعدة ١٣٥٧هـ ان اكرم الخلق اسكن فى مسكنى وانا ارغب الناس فى زيارته صلى الله عليه وسلم."

ترجمہ:... "اسی طرح ذوالقعدہ ۱۳۵۷ھ کو میں زیارت مبارک سے مشرف ہوا، اور دیکھا کہ اکرم الخلق صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر میں فروکش ہیں اور میں لوگوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم

کی زیارت کے لئے ترغیب دے رہا ہوں۔

۵:... ”رأیت فی ۱۳٦۰ھـ ان اشرب من ماءٍ فی سکنه المبارک.“

ترجمہ:... ”۱۳۶۰ھ میں زیارت سے مشرف ہوا اور دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر مبارک میں آپ کا (بچا ہوا) پانی پی رہا ہوں۔“

٦:... ”بفضل الله وكرمه رأيت اكرم الخلق صلى الله عليه وسلم فى سفر الحج ۱۳٦۷ھـ ومرة زرت فتكلم معى بكلمات.“

ترجمہ:... ”۱۳۶۷ھ میں حرمین شریفین کے سفر میں زیارت باسعادت نصیب ہوئی اور ایک مرتبہ زیارت نصیب ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے ساتھ کچھ گفتگو فرمائی۔“

۷:... ”هٰكذا رأيت بفضل الله وكرمه سيّد المرسلين فى محرم ۱۳۷٤ھـ فى نصف النهار يبلغ التوحيد وعليه تاج النبوة والرسالة مربوعًا احسن الصورة صلى الله عليه وسلم صلٰوة وسلامًا دائمين متلازمين ثم انه ابلغ التوحيد واقبح عبادة الأصنام ثم ناظرت بأبى لهب ثم بمشرك اٰخر فى مجلسهم، الحمد لله حمدًا كثيرًا طيبًا مباركًا فيه ومباركًا عليه، كما يحب ربنا ويرضٰى. عبدالله عفى عنه

مهتمم مدرسه بهلوى.“

ترجمہ:... ''اللہ کے فضل و کرم سے محرّم ۱۳۷۴ھ کو سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے دوپہر کے وقت مشرف ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم درمیانہ قد، انتہائی خوبصورت شکل میں تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہمیشہ صلوٰۃ وسلام نازل ہو، اور دیکھتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم توحید کی تبلیغ کر رہے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک سر پر نبوّت و رسالت کا تاج ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے توحید کو خوب اچھی طرح بیان کیا اور بتوں کی قباحت و شناعت بیان کی، پھر میں نے ابولہب اور ایک دُوسرے مشرک کے ساتھ ان کی مجلس میں مناظرہ کیا۔''

۸:... ''ھٰکذا رأیت بفضل اللہ تعالٰی و کرمہ سیّد المرسلین وعلیہ السلام اکرمھا وادومھا فی شعبان ۱۳۸۳ھ علیہ تاج مذھب منور لم یر مثلہ، الحمدللہ حمدًا مبارکًا کما یحب ربنا یرضٰی.''

ترجمہ:... ''ایسے ہی شعبان ۱۳۸۳ھ میں اللہ پاک کے فضل و احسان سے مجھے سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ایسی حالت میں ہوئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پر ایک چمک دار، نورانی، بے مثل تاج تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے اعلیٰ و افضل دائمی صلوٰۃ وسلام نازل ہو۔''

۹:... ''رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ نائم فاستیقظ فنظر الینا، الحمدللہ تعالٰی.''

ترجمہ:... ''ایک دُوسرے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کی زیارت ایسی کیفیت میں ہوئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرما رہے تھے، اس کے فوری بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری طرف شفقت بھری نگاہِ کرم فرمائی۔“

۱۰:...”جمادی الاولیٰ ۱۳۷۵ھ کو صوفی عبدالحکیم ماسٹر نے خواب میں دیکھا کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک چارپائی پر تشریف فرما ہیں اور بندہ نابکار کے متعلق دیکھا کہ بارگاہ میں حاضر ہوں، صوفی مذکور نے عرض کیا کہ: میرے مرشد صاحب آئے ہوئے ہیں اور اللہ کے بندے ہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: واقعی بڑے محنتی شخص ہیں، اور اللہ کے نیک بندے ہیں۔ الحمدللہ!“

تتمہ حقوق الزوجین

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

''اگر میں کسی کو حکم کرتا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دُوسرے کو سجدہ کرے، تو عورت کو حکم کرتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔'' (ترمذی ج:۱ ص:۱۳۸)

مگر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دُوسرے کو سجدہ جائز نہیں، اس لئے عورت کو شوہر کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم نہیں فرمایا۔

دُوسری حدیث میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''عورت جب پانچوں نمازیں پڑھا کرے، رمضان کے مہینے کے روزے رکھے، اپنے دامن کو پاک رکھے، اور اپنے مرد کی اطاعت کرے، تو جس دروازۂ بہشت سے چاہے داخل ہو۔'' (مشکوٰۃ ص:۲۸۱)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

''تین شخص ایسے ہیں جن کی کوئی نماز قبول نہیں ہوتی،

اور نہ ان کی نیکی اُوپر کو چڑھتی ہے: ایک وہ غلام جو اپنے مالک سے بھاگ جائے، تاآنکہ اپنے مالک کی طرف واپس نہ آجائے، دُوسری وہ عورت جس کا مرد اس پر ناراض ہو، اور تیسرا نشے والا تاآنکہ ہوش میں آجائے۔'' (مشکوٰۃ ص:۲۸۳)